شرح قصیدہ بردہ شریف

از: سید مہر حسین بخاری۔۔۔۔۔۔ایک تعارف

مائل شبلی، اٹک

فضا میں اطمینان وسکینت کی خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔ ماحول میں تقدس کا رنگ اترا ہوا اور ادب دوزانو ہوا بیٹھا ہے۔ عقیدت کے ہاتھ رانوں پر دھرے ہیں اور محبت کی نگاہ کسی کے بوسے لے رہی ہے۔ رات کا پچھلا پہر ہے اور چاند ستاروں کی ایک محفل سجی ہوئی ہے۔ نورانی کرنیں ان کے قدم لے رہی ہیں۔ میر محفل کا رعب ہے جو کسی کو سر اٹھانے نہیں دیتا اور اس سے محبت ہے جو کسی نگاہ کو جھکنے نہیں دیتی۔ ایک فراق گزیدہ شاعر اپنا کلام سنانے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ یہ کلام میر محفل کے نام ہے۔ امراض سے لاچار اور بیماریوں سے نڈھال اس شاعر نے آخری چارۂ کار کے طور پر اس در فیض پہ دستک دی ہے۔ اطباء اور حکماء اس کو لاعلاج کہہ چکے ہیں۔ میر محفل کی ستائش وتعریف کو اس نے حصول شفا کے لیے وسیلہ بنایا ہے۔ وفور شوق سے اس کا دل شاید دھڑک رہا ہو اور آنکھیں آنسوؤں سے نہا رہی ہوں۔ ممکن ہے نگاہ عقیدت مرکز محفل کے گرد ہالہ بن رہی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بپاس ادب وصد خجالت نم آلود نگاہیں اٹھانے کی اس میں تاب نہ ہو۔ بہ ہزار عقیدت وہ مدح سرا ہوا:

امن تذ کر جیران بذی سلم ...مزجت دمعا جری من مقلة بدم

کیا تجھے ذی سلم والے ہم سائے یاد آگئے جو آنکھوں سے ٹپکتے آنسوؤں میں تو نے خون سے ملا دیا؟

ام ھبت الریح من تلقاء کاظمة ...او اومض البرق فی الظلماء من اضم

شاید کاظمہ کی طرف سے محبت کی ہوا چلی ہے یا شاید اضم کی طرف سے اندھیرے میں بجلی چمکی ہے۔

وہ شعر سناتا رہا، فضا میں جذب وکیف اور حب وعشق کے رنگ مچلتے رہے۔ سناتے سناتے وہ اس شعر تک آن پہنچا:

كم ابرأت وصبا باللمس راحته ... واطلقت اربا من ربقة اللمم

کتنے ہی بیماران کے لمس سے شفایاب اور کتنے ہی لوگ گناہوں کی زنجیروں سے آزاد ہوئے۔

صدر مجلس نے کرم فرمایا، مہربانی کی اور اسی وقت اپنا دست شفا اس کے جسم پر پھیرا۔ شاعر نے قصیدہ تمام کیا تو اپنی رداء انعام و بخشیش کے طور پر عنایت فرمائی۔ محفل ختم ہوگئی اور شاعر بھی انگڑائی لے کر بیدار ہو گیا۔

شاید کچھ دیر اس کے حواس مختل رہے ہوں۔ اجنبی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ کر اس نے سوچا ہو وہ کہاں ہے؟ کہاں تھا؟ یہ کون سی جگہ ہے ابھی کیا ہو رہا تھا؟ وہ خواب میں جاگ رہا تھا یا جاگتے میں اس نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ ممکن ہے عالم حیرت میں وہ ایک دم ہی اٹھ کر بیٹھ گیا ہو اور تب یہ راز اس پر منکشف ہوا ہو کہ وہ تو ہلنے جلنے سے ہی لاچار تھا بھلا چنگا کیسے ہو گیا؟ شاید اس نے اپنے جسم کو ٹٹولا ہو، بستر سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا ہو اور تب ہی اس کی نظر سرہانے دھری اس رداء پر ٹکی ہوگی جو صدر محفل نے اسے بطور انعام عطا فرمائی تھی۔ وہ کیا سوچتا ہو گا بھلا؟ خوشی، سرشاری، تشکر، احسان مندی، فریادرسی اور عقیدت و محبت کے جذبات نے ایک دم ہی اس پر چاروں طرف سے یلغار کی ہوگی اور وہ حیران و مبہوت پھوٹ پھوٹ کر رو دیا ہوگا۔

اس کا مطلب ہے عالم آس و یاس میں کہے گئے اس کے الفاظ نے اس بارگاہ قدس میں بار پالیا۔ اس کے اکھر معتبر ہو گئے، اس کا قصیدہ درجہ قبول کو پہنچا اور اس نے اپنی مراد پالی۔ کون تھا یہ شاعر؟ کیا تھا یہ قصیدہ؟ اور کون تھے وہ میر محفل جن کے دست شفا سے ایک مردہ تن کو سامان حیات مل گیا۔

شاعر تھے ایک صوفی بزرگ محمد بن سعید بوصیریؒ، قصیدہ کا نام بردۃ المدیح، قصہ تھا خواب کا، ایسا خواب جس پر عمر بھر کی بیداریاں قربان کرنے کو جی چاہتا ہے اور میر محفل تھے میرے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس کے بعد قصیدہ بردہ کے لیے اعتبار کا کون سا درجہ باقی رہ جاتا ہے؟ وہ دن اور آج کا دن، قصیدہ بردۃ نے ہر محب سے اپنا خراج وصول کیا۔

سید مہر حسین شاہ بخاری تاریخی قصبے کامرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ کامرہ کئی وجوہ سے مشہور ہے۔ ایک وجہ شہرت سید موصوف بھی ہیں۔ الف کی مانند سیدھے، نہ جھکنے والے اور اسی کی مثل ان کا قد آدھے قط میں او پر کو اٹھتا چلا جاتا ہے۔ ملک کے معروف اہل قلم میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ صاحب توقیر جرائد

میں ان کی تحریریں چھپا کرتی ہیں ۔مزاج جدلیاتی نہیں مگر اسلوب تحریر پر مناظرانہ رنگ غالب ہوتا ہے ۔سیدھی، صاف، دوٹوک گفتگو فرماتے ہیں اور اسی کی طرح ہر کسی کے بارے میں موقف بھی دوٹوک رکھتے ہیں ۔تحریر بھی الف کی مانند سیدھے سبھاؤ چلتی ہے اور ہر طرح کے ہیچ پیچ سے بالکل خالی ہوتی ہے ۔لفظیاتی اکھاڑے میں مدمقابل کی خوب لترول کرتے ہیں اور کان پکڑا کے اسے بانگ دینے پر مجبور کردیتے ہیں ۔کئی چھوٹی چھوٹی کتابیں ان کے قلم سے نکل چکی ہیں ۔حب اہل بیت سے سرشار ہیں اور اس حوالے سے نادر و نایاب کتب کی اشاعت کا اہتمام کرتے رہتے ہیں ۔

سید موصوف ایک سوال ہیں ہمہ تن سوال ۔سوال ان کے اندر سے جنم لیتے ہیں اور ہر بن مو سے پھوٹتے ہیں ۔حصول جواب کے لیے وسوس کسی کو تکلیف نہیں دیتے اور کتابوں کے اوراق میں گھس جاتے ہیں ۔ان کی تحریروں میں ملفوف ہوجاتے ہیں ۔شروع سے آخر تک کتاب کی سطر سطر پر گھومتے ہیں اور جواب لے کر باہر نکلتے ہیں ۔سید ہونے کے ناطے فراخ دل بھی ہیں اور کشادہ دست بھی مگر یہ فراخ دلی اور کشادہ دستی اپنے اظہار کے لیے خاص موسم کا تقاضا کرتی ہے ۔

قصیدہ بردہ نے اپنا خراج ان سے بھی وصول کیا ہے ۔چھوٹی کتابوں کے ساتھ ”شرح قصیدہ بردۃ“ کے عنوان سے ایک بڑی کتاب لے کر آئے ہیں ۔اس قصیدے کے خدمت گزاروں میں ان کا نام بھی آگیا ہے ۔ان کی دوسری تحریروں کی مانند یہ بھی الفیہ اسلوب کی حامل ہے جس میں خلوص ومحبت کی مٹھاس گھلی ہوئی ہے ۔

ان کی یہ شرح بنیادی طور پر مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ کی شرح بردۃ کا پھیلاؤ ہے ۔مولانا موصوف شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے والد گرامی تھے ۔ان کی یہ شرح مختصر ہونے کے ساتھ عالمانہ رنگ کی حامل اور قدیم اردو پر مشتمل ہے ۔سید مہر حسین نے اس کو یوں پھیلایا اور آسان قالب میں ڈھالا کہ اب یہ مستقل تصنیف معلوم ہونے لگی ہے ۔اس کے لیے انہوں نے دیگر بہت سی کتب کی مدد بھی حاصل کی ۔میرا خیال ہے بہت خوبیوں کے باوجود اس میں بہتری کا امکان نظرانداز نہیں کیا جاسکتا ۔ان کے طبعی ذوق کی وجہ سے کچھ ایسے مسائل بھی در آئے جن کا یہ قصیدہ متحمل نہیں ہوسکتا ۔امید ہے یہ شرح عام قارئین کی ضرورت کو پورا کرے گی ۔دعا ہے اللہ تعالیٰ انہیں روحانی اور جسمانی صحت عطا فرمائے اور قلم کتاب سے ان کا رشتہ تادم آخر قائم سلامت رکھے تاکہ مفید تالیفات ہمیں پڑھنے کو ملتی رہیں ۔

مقدمہ

الحمدللہ رب العٰلمین الصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ افضل الانبیاء والمرسلین وعلیٰ الہ الطاہرین والطیبین ۔
امابعد کمال ایمان کے لئے ضروری ہے کہ جناب محمد مصطفی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا ہر چیز سے بڑھ کر ہونا اور سب سے زیادہ ہونا فرض اور مطلوب شرعی ہے اور جو اعمال اس محبت کو بڑھاتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آنجنابؐ کے اوصاف جمیلہ خصائل حمیدہ اور کمالات ممیزہ کو خوب خوب بیان کیا جائے ۔سیرت مبارکہ، اخلاق وافعال نبویؐ اور اوصاف جمیلہ کا تذکرہ عام کیا جائے ۔

مشاہدے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ جب لوگ بڑے بڑے تاریخی واقعات کو نظم میں بیان کرتے ہیں تو ان کا اثر بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے شاعری انسانی دلوں پر زیادہ براہِ راست اثر انداز ہوتی ہے یہ عوام الناس کے خیالات اور جذبات میں حرکت پیدا کرتی ہے لیکن یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ نعت کو نعت ہی کی طرز پر پڑھا جائے فلمی گانوں کی نقالی نہ کی جائے کیونکہ یہ امر بجائے ثواب کے موجبِ ضلالت اور گمراہی ہے اور نعت پڑھتے ہوئے مقام رسالت اور آداب نبوی کا خصوصی دھیان رکھنا ضروری ہے، اس لئے سیرت مبارکہ کی مجالس میں اجتماعی طور پر سیرت مبارکہ کے بعض حصوں کو اشعار میں بیان کیا جائے تو یہ زیادہ اثر آفریں ہوگا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحابؓ میں سے بعض حضرات اشعار میں اوصاف نبویؐ کو بیان فرمایا کرتے تھے جن میں حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور حضرت کعب بن مالکؓ بہت مشہور ہیں ۔بعض اوقات خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بالقصد سننا بھی وارد ہے ایک حدیث میں آیا ہے" اِنَّ مِن الشعر الحکمۃ" (شعر حکمت ہے) پھر قرآن مجید کی ایک آیۃ مبارکہ" وَمَن یُّوْ تَ الحِکمۃَ فَقَدْ اُوتیَ خَیرًا کثیرًا" جسے حکمت دی گئی اسے بہت سی بھلائی دے دی گئی۔

خلیل بن احمد الفراہیدی نقل فرماتے ہیں کہ: "شعر اللہ کے رسولؐ کے نزدیک بہت سی باتوں سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب تھے ۔" چنانچہ حضرت حسان بن ثابتؓ کا منبر شریف پر مسجد نبویؐ میں اس مقصد کے لئے تشریف فرما ہونا بھی مشہور ومعروف ہے ۔صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے ذاتِ اقدس سے قلبی

تعلق اور وابستگی کو بیان کرنے کے لئے الفاظ کے محدود ذخیرہ میں الفاظ ہی نہیں ہیں جس سے ان کی اس ایمانی کیفیت کی ترجمانی کی جا سکے۔

صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین نے آپؐ کی احادیث مبارکہ کو سینوں سے لگایا اپنی عمریں اس جستجو میں صرف کر دیں کہ آپؐ نے کیا فرمایا اور کن الفاظ سے فرمایا۔ حضور اکرم ﷺ کی سیرت، شمائل، اخلاق وعادات پسند و ناپسند کو بھی اس جذب و شوق سے یہ حضرات مدون کرتے رہے، مقصود ان سب بزرگوں کا یہی تھا کہ ذات گرامیؐ سے وابستگی ہمیشہ بڑھتی رہے آتش شوق زندگی کی ہر سانس کے ساتھ ترقی پذیر رہے۔ محبت نبویؐ کا یہ چراغ کبھی مدھم نہ ہو اور یہ شعلہ کبھی سرد نہ ہونے پائے جن حضرات کی طبیعتیں موزوں تھیں وہ اشعار اور نظموں کی شکل میں اپنی کیفیات قلبی کا اظہار کرتے رہے۔ یہ سلسلہ بھی عصر اول سے اب تک قائم ہے اور انشاء اللہ تا قیامت قائم رہے گا۔ حضور نبی کریم ﷺ کی مدح میں جس ہستی نے سب سے پہلے زبان کھولی وہ شخصیت دین اسلام کے بالعموم اور خود نبی اکرم ﷺ کے بالخصوص مربی و محسن اور عم نامدار حضرت ابو طالبؑ ہیں۔ اموی تعصبات اور حکومتی اثرات کی وجہ سے بعض لوگوں نے اسلام کے اس عظیم محسن کے خلاف ہرزہ سرائی کی ہے تاہم یہاں موضوع کی مناسبت سے محسن اسلام اور اول مداح نبویؐ کے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ اسی زمانہ میں شعر کی بڑی اہمیت و قیمت تھی جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ چند اشعار ایک بہت بڑی جنگ کے شعلے بھڑکا سکتے تھے یا برسوں کی لگی ہوئی اس آگ کو سرد کر سکتے تھے اشعار اس زمانہ میں اشتہار کا درجہ رکھتے تھے اور ان اشعار سے وہ کام لیا جاتا تھا جو آج کے دور میں الیکٹرانک میڈیا سے پروپیگنڈہ کے ذریعے لیا جاتا ہے۔

اعلان نبوتؐ کے بعد قریش نے نبی اکرم ﷺ کی دشمنی پر کمر کس لی تھی اور ابوسفیان نے اعلان نبوتؐ کو بنی امیہ کے خلاف بنو ہاشم کی سازش سمجھ رکھا تھا اور تمام قبائل کو نبی اکرم ﷺ کے خلاف ورغلانا شروع کر دیا تھا جس کے جواب میں حضرت ابو طالبؑ نے پیغمبر اسلام ﷺ کی حمایت پر تمام بنو ہاشم کو متحد کرنے کی مساعی جمیلہ شروع فرما دی تھی۔ اس مبارک کوشش کی ایک کڑی یہ تھی کہ انہوں نے چند پرجوش اشعار میں امام الانبیاء ﷺ کی مدح اور بنو ہاشم کی خصوصیات کا ذکر کیا سیرۃ النبیؐ میں ابن ہشام نے ایک قصیدہ کے سات اشعار نقل کئے ہیں جو یقیناً اسلام میں پیغمبر اسلام ﷺ کی شانِ اقدس میں پہلی نعت یا قصیدہ ہے اس قصیدہ مبارکہ کے پہلے تین شعر یہ ہیں۔

إِذَا اجْتَمَعَتْ يَوْمًا قُرَيْشٌ لِمَفْخَرٍ ... فَعَبْدُ مَنَافٍ سِرُّهَا وَصَمِيمُهَا

وَإِنْ حَصَلَتْ أَشْرَافُ عَبْدِ مَنَافِهَا ... فَفِي هَاشِمٍ أَشْرَافُهَا وَقَدِيمُهَا

وَإِنْ فَخَرَتْ يَوْمًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا ... هُوَ الْمُصْطَفَى مَنْ سِرِّهَا وَ كَرِيمُهَا

ان تین اشعار کا مفہوم یہ ہے کہ اگر قبیلہ قریش کے افراد کبھی یہ طے کرنے کے لئے جمع ہوں کہ ان کا سرمایہ افتخار کیا ہے؟ تو ان کو معلوم ہو گا کہ ان کے اندر عبد مناف کی جو شاخ ہے وہی اس پورے قبیلے کی روح رواں اور اصل ہے اور عبد مناف کے سردار اکٹھے ہو کر جستجو کریں کہ ان کی عظمت کا راز کیا ہے تو وہ بنو ہاشم میں اپنی سربلندی اور اصلیت کا سراغ پائیں گے۔ اور بنو ہاشم کسی بات پر فخر کرنا چاہیں تو ان کو معلوم ہو گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سب میں منتخب ترین، پسندیدہ ترین، باعث عظمت و سربلندی ہیں۔ اس قصیدہ کے بقیہ چاروں شعروں کا رخ اہل قریش کی طرف ہے۔

تَدَاعَتْ قُرَيْشٌ غَثُّهَا وَسَمِينُهَا ... عَلَيْنَا فَلَمْ تَظْفَرْ وَطَاشَتْ حُلُومُهَا

وَ كُنَّا قَدِيمًا لَا نُقِرُّ ظُلَامَةً .... إِذَا مَا ثَنَوْا صُعْرَ الْخُدُودِ نُقِيمُهَا

وَنَحْمِي حِمَاهَا كُلَّ يَوْمِ كَرِيهَةٍ ...... وَنَضْرِبُ عَنْ أَحْجَارِهَا مَنْ يَرُومُهَا

بِنَا انْتَعَشَ الْعُودُ الذَّوَاءُ وَإِنَّمَا ...... بِأَكْنَافِنَا تَنْدَى وَتَنْمَى أُرُومُهَا

(سیرت النبیؐ ابن ہشام ج ا ص ۱۵۶ طبع بیروت سنہ ۱۹۶۹ء)

یعنی قبیلہ قریش کے اچھے برے سب ہی ہم پر ٹوٹ پڑے ہیں لیکن وہ کبھی کامیاب نہیں ہوئے اور ان کے داناؤں کی دانائیاں ہوا میں اڑ گئیں۔ ہم لوگ وہ ہیں جنہوں نے کبھی بھی مظلومیت کی حالت اپنے لیے قبول نہیں کی اور دشمنوں نے جب ہم سے منہ ٹیڑھا کیا تو ہم نے انہیں سیدھا کر دیا۔ ہم اپنے خاندان کی ناموس کے محافظ ہیں جنگ کے مواقع پر ہمارے قلعوں پر جس نے نگاہ اٹھائی اس کو ہم نے مار بھگایا (حالات امن و دوستی میں) ہم وہ ہیں جن کے سائے میں خشک ٹہنیاں بھی نہال ہو جاتی ہیں اور اس کی جڑیں نرم اور بارآور ہونے لگتی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدافعت میں جناب حضرت ابوطالبؓ کے اور بھی اشعار ملتے ہیں خاص طور پر ایک طویل قصیدہ جس کا مطلع ہے۔

وَلَمَّا رَأَيْتُ الْقَوْمَ لَا وُدَّ فِيهِمْ ... وَقَدْ قَطَعُوا كُلَّ الْعُرَى وَالْوَسَائِلِ

(ابن ہشام ج ا ص ۲۰۱)

ترجمہ: جب کہ میں نے دیکھ لیا کہ لوگوں میں اُنس و محبت نہیں رہی اور تمام وسائل اور ہر کڑی توڑ چکے ہیں۔

اس قصیدہ کے ۹۵ شعر ہیں اور اس کا موضوع یہ ہے کہ محافظ اسلام جناب ابو طالبؑ نے اہل قریش کو جنگ سے باز رہنے کی دعوت دی ہے جنگ سے پیدا شدہ مصائب کو جتلایا ہے آپس کی خون ریزی کے نقصانات گنائے ہیں یہ بیان کرتے ہوئے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جب ذکر فرماتے ہیں تو محبت نبویؐ سے ان کا جوش بڑھ جاتا ہے، اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں ایک ایسا شعر زبان سے نکلتا ہے جو ہزاروں قصیدوں پر یقینا بھاری ہے۔

وَأَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ... ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

وہ روشن و تابناک چہرے والے جن کے صدقے میں بادلوں سے پانی مانگا جائے وہ یتیموں کے والی اور بیواؤں کے سرپناہ ہیں۔ اس شعر کا ایک خصوصی حسن ہے کہ پہلے مصرعہ میں جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ آپ کی ذات ایسی بابرکت ہے کہ آپ کے چہرہ انور کے صدقے میں بارش کی طلب کی جاتی ہے۔ بارش سے سب سیراب ہوتے ہیں۔ دوست دشمن ہر ایک کی کھیتی نہال ہوتی ہے گویا جناب رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مسعود ہر ایک کے لیے رحمت و برکت ہے دوسرے مصرعہ میں کمزوروں، بے سہارا لوگوں کا آپ کو والی اور سرپرست بتایا گیا ہے یہاں دونوں مصرعوں میں ایک لطیف ربط ہے۔ پہلے مصرعہ میں عمومیت ہے اور دوسرے مصرعہ میں تخصیص ہے ابن نباتہ مصری جو ایک صاحب ذوق بلند پایا ادیب اور مداحین نبیؐ میں قابل ذکر درجہ رکھتے ہیں کہتے ہیں کہ 'یُستسقَی الغمامُ' کو بجائے مجہول کے معروف صیغے سے پڑھتا ہوں یعنی 'یستسقِی الغمامُ' جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خود بادل آپؐ کے چہرہ انور کے صدقے برسنے کی اجازت چاہتا ہے۔ (عمر النابلسی، دیوان نباتہ طبع قاہرہ ص ۸)

اس شعر کی ایک اور خصوصیت ہے جو سب پر بھاری ہے وہ یہ کہ اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے سند قبولیت مل چکی ہے۔ ابن ہشام لکھتے ہیں مجھے صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں قحط آ گیا۔ اہل مدینہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر دعا کی درخواست کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور دعا فرمائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی منبر شریف سے اترے بھی نہ تھے کہ اس قدر تیز بارش ہونے لگی کہ کھلے میدانوں کے رہنے والے ڈرنے لگے کہ کہیں سیلاب نہ آ جائے اور وہ ڈوب نہ جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ صورت حال سنی تو دعا فرمائی 'اللھم حوالینا ولا علینا الخ' پھر بادل چھٹ گئے اور آس

پاس کی پہاڑیاں کسی عمامہ کی کلغی کی طرح نظر آنے لگیں۔اس پر جناب شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر حضرت ابو طالبؑ یہ دن دیکھتے (زندہ ہوتے) تو بہت خوش ہوتے ایک صحابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاید آپ کا اشارہ ان کے اس شعر کی طرف ہے۔

وَأَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ...ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

فرمایا۔بے شک!(ابن ہشام ج ا ص ۲۱۳ الروض الانف ج ۲ ص ۵۵) محمد بن سلام احمی متوفی ۲۳۱ھ نے طبقات فحول الشعراء میں تمثال الیتامیٰ کی بجائے ربیع الیتامیٰ نقل کیا ہے یعنی آپ یتیموں کے لیے ابر رحمت ہیں۔واضح رہے کہ ربیع کے معنی صرف موسم بہار کے نہیں بلکہ ابر اور بارش کے بعد چمن کے اندر جو نکھار پیدا ہو جاتا ہے اسے بھی ربیع کہتے ہیں۔اس قصیدہ کے مزید چند شعر سنیے جو محبت اور دلسوزی کے جذبات سے لبریز ہیں یہ اشعار جو نقل کیئے جا رہے ہیں ان سے پہلے یہ مضمون ہے کہ اہل قریش مطالبہ کر رہے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت سے باز آ جائیں یا مکہ چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں۔

۱۔ کذبتم و بیت اللہ نترك مكة....ونظعن الا امر كم فی بلا بل

۲۔ کذبتم و بیت اللہ نبزی محمدا...ولما نطاعن دونه ونناضل

۳۔ونسلمه حتیٰ نصرع حوله.....ونزهل عن ابنائنا والحلائل

۱۔بیت اللہ کی قسم تم لوگ غلط سمجھتے ہو کہ ہم مکہ چھوڑ دیں گے اور یہاں سے کوچ کر جائیں گے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تم سب خود ہی کشمکش میں مبتلا ہو۔

۲۔تم غلط سمجھے ہو بیت اللہ کی قسم! کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مغلوب ہونے دیں گے حالانکہ اب تک ان کی حمایت میں مدافعانہ جنگ بھی نہیں کی ہے اور نہ قوت آزمائی کی ہے۔

۳۔اور کیا ہم ان کو تمھارے سپرد کر دیں گے بغیر اس کے کہ ان کے گرد و پیش اپنے بیوی بچوں کو فراموش کر کے نہ قربان کریں۔

یہ تو بطور نمونہ حضرت ابو طالبؑ کے نعتیہ کلام میں سے چند اشعار نقل کیئے ہیں اور اصل قصیدہ بردہ شریف کے فنی محاسن اور شرح قصیدہ بردہ شریف بھی لکھنی مطلوب ہے اس لئے بخوف طوالت اختصار سے کام لیا گیا ہے تاہم اس محسن و محافظ اسلام کے اثبات ایمان کے لئے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح مبارک بہ ہمراہی جناب ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰؑ کے خطبہ کا مختصر حصہ نقل کیا جاتا ہے کہ جناب ابو طالبؑ نے اس مبارک شادی کا خطبہ نکاح پڑھا جس میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان فرمائی و راس کے

بعد اپنے بھتیجے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح و تعریف بیان فرمائی اور خطبہ نکاح کے الفاظ یوں ادا فرمائے۔ الحمد اللہ الذی جعلنا من ذریۃ ابراھیم وزرع اسماعیل وجعل لنا بلدا احراما و بیتا محجوبا وجعلنا الحکام علی الناس۔

تمام تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں ذریت ابراہیمؑ اور نسل اسماعیلؑ سے بنایا اور ہمارے لئے اس شہر اور بیت اللہ کو عظمیت والا بنایا ہے اور لوگوں پر ہمیں سردار مقرر کیا ہے۔

١۔ اعجاز القرآن لقاضی ابی بکر الباقلانی ج ٢ ص ٢ برہامش الاتقان، سیوطی
٢۔ تفسیر کشاف زمخشری ج ١ ص ١٧٣ طبع المطبعۃ البہیۃ المصریہ مصر
٣۔ تفسیر خازن لباب التاویل ج ١ ص ١٧٣ مطبعۃ التقدم العلمیہ مصر
۴۔ مدارج النبوۃ ج ٢ ص ٣٨ مطبع فیض نولکشور لکھنوء
۵۔ سیرت ابن ہشام ج ١ ص ١٢٠ مطبع المصطفیٰ الحلبی مصر
٦۔ سیرت حلبیہ ج ١ ص ٢٢٦ مطبع مصطفی البابی الحلبی مصر
٧۔ تاریخ الخمیس ج ١ ص ٦٢۴ طبع موسسہ الشعبان بیروت
٨۔ المواھب اللدنیہ زرقانی ج ١ ص ٢٠٢ طبع المطبعۃ الازھریۃ المصریہ مصر
٩۔ الانوار المحمدیہ من المواھب اللدنیہ ص ٣٧۔٣٨ طبع مکتبہ الحقیقۃ استنبول
١٠۔ سیرت المصطفیٰ ادریس کاندھلوی ج ١ ص ٩١۔ ٩٢ مکہ پبلشنگ کمپنی لاہور
١١۔ ضیاء النبیؐ پیر کرم شاہ ج ٢ ص ١٣٧ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور۔
١٢۔ روضۃ الاحباب ج ١ ص ١٠۵۔١٠٦ مطبع تیغ بہادر لکھنوء

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں مدحیہ قصائد کہے گئے اور ان میں محسن اسلام حضرت ابوطالبؑ کے بعد اعشیٰ، کعب بن زہیرؓ، حسان بن ثابتؓ، ابن رواحہؓ اور عباس بن مرداسؓ کے اشعار سیرت نبویؐ کی تمام معتبر کتابوں میں منقول ہیں لیکن سب سے زیادہ جن قصائد نے شہرت پائی وہ قصائد بردہ شریف ہیں۔

قصیدہ بردہ شریف کے فنی محاسن

بردہ چادر کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق ایسے پیراہن پر بھی ہوتا ہے جو جسم کے ناپ پر نہ تراشا گیا ہو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعب ابن زہیر بن ابی سلمیٰ کو ان کے لکھے گئے قصیدہ سے خوش ہو کر اپنا پیراہن

مبارک عطا فرمایا تھا اس لئے اس قصیدہ کا نام ہی ''قصیدہ بردہ'' پڑ گیا اور ''بانت سعاد'' مطلع کا ابتدائی لفظ ہے چونکہ امام شرف الدین بوصیریؒ کے قصیدہ پر بھی انہیں خواب میں ایک چادر مرحمت ہوئی تھی اس لئے دونوں قصیدوں میں تمیز کے لئے پہلے کو قصیدہ بانت سعاد اور دوسرے کو قصیدہ بردہ کہتے ہیں۔ بعض لوگوں نے بوصیریؒ کے قصیدہ کو ''بردہ منامیہ'' بھی کہا ہے کیونکہ بوصیری کو عالم رویا میں بردہ مرحمت فرمایا گیا تھا۔

علامہ بوصیریؒ جن کا پورا نام محمد بن سعید ہے ساتویں صدی ہجری کے ایک مصری شاعر اور طریقہ شاذلیہ کے صاحب نسبت واجازت صوفی بزرگ تھے۔ مصر کے علاقہ بنی سویف میں ابوصیران ان کی دادیہال اور دلاص نانیہال تھی ابوصیری اس گاؤں کی طرف نسبت ہے جو ابوصیری سے مخفف ہو کر بوصیری رہ گیا۔ ان کی ولادت دلاص میں ۶۰۸ھ میں اور وفات اسکندریہ میں ۶۹۷ھ میں ہوئی نعت نبویؐ ان کی شاعری کا موضوع تھا قصیدہ بردہ کے علاوہ بھی ان کی متعدد نعتیں ہیں خاص طور سے ان کا قصیدہ 'ہمزیہ' بہت مقبول عام قصیدہ ہے اس کے علاوہ قصیدہ بانت سعاد کی زمین میں ایک طویل قصیدہ علامہ نبہانیؒ نے نقل کیا ہے جس کا مطلع ہے

الی متی انت باللذات مشغولُ
وانت عن کل ما قدمت مسئولُ

یعنی تم کب تک لذت اندوزی میں مشغول رہو گے حالانکہ جو کچھ اس دنیا میں کرو گے اس کے تنہا ذمہ دار تم ہی ہو گے۔

ان کے کلام کا مجموعہ مطبوعہ اور قلمی دونوں موجود ہے پورا دیوان نعتیہ کلام پر مشتمل ہے ہر قصیدہ روایتی تشبیب سے شروع ہوتا ہے اور ہر حرف تہجی میں ان کا قصیدہ نعتیہ موجود ہے۔ لیکن ان کی شہرت و مقبولیت کا سبب ''قصیدہ بردہ'' ہے۔ جس کے متعلق یہ روایت ہے کہ ان کے جسم کے نصف حصہ پر فالج گر گیا تھا اس حال میں انہوں نے یہ قصیدہ لکھا تھا۔ خواب میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور آپؐ نے ان پر اپنی چادر مبارک ڈال دی اور دست مبارک ان کے رخسار اور سر پر پھیرا جب یہ بیدار ہوئے تو اپنے فالج شدہ حصہ جسم میں نشاط محسوس کیا اور فالج کا اثر ختم ہو گیا۔ صبح کو کہیں جا رہے تھے کہ کوئی فقیر ملا اس نے کہا بوصیری! وہ قصیدہ لاؤ جو تم نے جناب رسول اللہ کی نعت میں کہا ہے۔ بوصیریؒ نے اس قصیدہ کا حال کسی کو نہیں بتایا تھا مگر رسول اللہ ﷺ کے اس معجزہ پر یقین تھا اس لئے انہوں نے اس فقیر سے یہ بات سن کر تعجب کا اظہار نہیں کیا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا۔ مگر خود اس فقیر نے کہا کہ میں نے رات دیکھا کہ آنحضرت

ﷺ کی مجلس شریف میں اپنا قصیدہ سنا رہے ہو اور جناب حضرت محمد مصطفی رحمتِ کائنات ﷺ پر وجد کی کیفیت طاری ہے۔ چنانچہ اس قصیدہ کی شہرت اس فقیر کے ذریعہ ہوئی اور رشدہ شدہ یہ خبر بہاؤ الدین وزیر ملک ظاہر کو پہنچی اس نے نقل کرایا۔ وہ اور اس کے گھر والے اس سے برکت حاصل کرتے تھے اور انہوں نے اس کے بڑے بڑے آثار اپنے دینی و دنیوی امور میں دیکھے اور سعید الدین خارقی جو کہ توقیع نگار وزیر مذکورہ کا تھا آشوب چشم میں مبتلا ہوا اور قریب تھا کہ وہ اندھا ہو جاتا کسی نے خواب میں کہا کہ وزیر کے پاس جا کر اس قصیدہ بردہ شریف کو لے کر آنکھوں پر رکھو چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا فی الفور اللہ تعالی نے اس کو شفا بخشی یہ قصیدہ مبارکہ اس درجہ مقبول ہوا کہ قصیدہ بانت سعاد کو بھی اتنی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو چکا ہے اور ہمیشہ کوئی نہ کوئی نئی شرح لکھتا رہتا ہے بلا مبالغہ سینکڑوں قصیدے اس قصیدہ کی زمین پر کہے جا چکے ہیں پچاسوں تضمین اور مشطر، مخمس، مسدس، مسبع اور معشر کہے گئے۔

اس قصیدہ کے عرب شارحین کی طویل فہرست میں حسب ذیل نمایاں نام ہیں۔

۱۔ ابن الصائغ متوفی ۷۷۶ھ

۲۔ علی بن محمد قلصائی متوفی ۸۹۱ھ

۳۔ شہاب الدین ابن العماد متوفی ۸۰۸ھ

۴۔ علاء الدین بسطامیؒ متوفی ۸۷۵ھ

۵۔ یوسف بن ابی اللطف القدس متوفی ۱۰۰۰ھ

۶۔ یوسف البسطامی نویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں سن وفات مذکور نہیں

۷۔ ملا علی قاری متوفی ۔۔۔۔۔ھ

۸۔ شیخ زادہ محی الدین تاریخ وفات معلوم نہیں لیکن ان کی شرح کے قدیم نسخہ پر تاریخ تصنیف ۹۴۹ھ مذکور ہے۔

۹۔ جلال الدین المحلی متوفی ۸۶۴ھ (تفسیر جلالین کے ایک حصہ کے مصنف)

۱۰۔ محمد بن احمد المرزوقی متوفی ۸۸۱ھ (شارح حماسہ)

۱۱۔ عبد الحق بن عبد الفتاح (بارہویں صدی ہجری)

۱۲۔ محمد المصری (گیارہویں صدی ہجری)

۱۳۔ زکریا انصاری متوفی ۹۳۶ھ

۱۴۔عمر الخربوتی (تیرھویں صدی ہجری)

۱۵۔علامہ قسطلانی شارح صحیح بخاری متوفی ۹۲۳ھ

۱۶۔ محمد بن مصطفی المورنی (تیرہویں صدی ہجری)

۱۷۔محمد عثمان المرغنی (تیرہویں صدی ہجری)

۱۸۔شیخ حسن العدوی الخمرادی متوفی ۱۳۰۳ھ

۱۹۔ الباجوری ۱۲۷۶ھ

اس کے علاوہ دارالکتب المصریہ میں متعدد شرحیں ہیں جن کے مصنفین کے نام درج ہیں اس کی تضمین کرنے والوں میں ایک شیخ قاسم ہیں (جن کے احوال وحیات معلوم نہیں ہوسکے)

تضمین کا مطلب عربی میں یہ ہے کہ ہر مصرعہ کے جزاول یا آخری جز کو تبدیل کر دیا جائے۔

امن تذکر اوطانٍ علی علم
ام من تفقد جیران بذی سلم
مزجت دمعا جری کا لقطر منھمرا
یجری علی وجنة من مقلة بدم

اس کی تشطیر (ہر مصرع پر ایک گرہ لگانا) کرنے والوں میں ایک احمد بن شرقاوی متوفی ۱۳۵۰ھ ہیں فرماتے ہیں

امن تذکر جیران بذی سلم
تصبّب الدمع یجری حالی الدیم
امن تفتت قلب فی الحشا شغفا
مزجت دمعاجری من مقلة بدم

اور احمد بن عبدالوہاب الجرجادی متوفی ۱۲۵۴ھ نے بھی گرہ لگائی ہے

امن تذکر جیران بذی سلم
اصبحت ذا خلد بالوجد مصطلم

احمد بن عثمان العوامی کی گرہوں کے دو شعر یہ ہیں

امن تذکر جیران بذی سلم

جزمت انك مقصور على الا لم
وعندما هاجت الذكرى ولوعتها
مزجت دمعاجرى من مقله بدم

رمضان حلاوہ مصری متوفی ۱۳۰۱ھ کہتے ہیں

امن تذکر جیران بذی سلم
لبست ثوباً من الا شواق والا لم
امن عیون ظباء العقیق بدت
مزجت دمعا جری من مقلة بدم

ان کے علاوہ ابوالہدیٰ الصیاویؒ (جو کہ سلطان عبدالحمید خان کے شیخ و مرشد اور حلب کے رہنے والے تھے) احمد الحفظی، عبدالرحیم الجرجاوی، محمد فرغلی الطہطاوی کی تضمینوں کے نمونے بھی ڈاکٹر، زکی مبارک نے اپنے مجموعہ میں نقل کئے ہیں۔ مصر کے شاہی دور کے ایک وزیر عبدالعزیز بک محمد کی تضمین کا مطلع ہے:۔

امن تذکر جیران بذی سلم
فاضت شئونك ملتاعا لبينهم
امن فوارك مكلو ما لو حشتهم
مزجت دمعا جرى من مقلة بدم

جن لوگوں نے اس قصیدہ مبارکہ کی تخمیس کی ہے اور جو دارالکتب المصریہ میں محفوظ ہیں وہ بقول ڈاکٹر، زکی مبارک ۶۹ ہیں۔ اس کی تسبیع کرنے والوں میں شہاب الدین احمد بن عبداللہ المکی اور محمد المصری ہیں احمد بن عبداللہ مکی کی تسبیع میں یہ اہتمام ہے کہ ہر بند کا پہلا لفظ اللہ ہے اور محمد المصری کے ہر بند کا پہلا لفظ محمدؐ ہے مثلاً احمد بن عبداللہ مکی فرماتے ہیں:۔

الله يعلم كم بالقلب من الم
ومن غرام باحشائى ومن سقم
على فراق فريق حل فى الحرام
فقلت لما همى دمعى بمنسجم
على العقيق عقيقا غير مسنجم

امن تذکر جیران بذی سلم
مزجت دمعا جری من مقلة بدم

محمد مصری کی تتبیع جس کے ہر مطلع کی ابتداء محمدؐ سے ہوتی ہے اس کا پہلا شعر یہ ہے:

محمد جاء با لآیات والحکم
مبشر اً ونذیراً جملة الامم

تعشیر کرنے والے زیادہ نہیں ہیں دارالکتب المصریہ میں ایک قلمی تعشیر ہے مگر اس کے مصنف کا نام و پتہ معلوم نہیں۔ مصر کے مشہور شاعر احمد شوقی نے بھی اس کا معارضہ کیا جس کا نام نہج البردہ رکھا ہے اس کا مطلع ہے:

ریم علی القاع بین البان والعلم
أحل سفك دمی فی الا شهر الحرم

معاصرین میں شیخ احمد الحملاوی مرحوم ازہر کے ایک مدرس تھے انہوں نے منہاج البردہ کے عنوان سے معارضہ کیا ہے جس کا مطلع ہے:

یا غافر الذنب من جودٍ ومن کرم
وقابل التوب من جان و محترم
ومسبل الستر ء احساناً و مرحمةً
علی العفاة بفیض الفضل والکرم
اقبل متابی واغفر ما جنة یدی
واستر عیوبی و باعدنی عن التهم

کچھ لوگوں نے قافیے بدل کر اس زمین میں اس مضمون کو دوسرے الفاظ میں نظم کیا ہے۔ جن میں ابن جابر الاندلسی اور ابوجعفر احمد بن یوسف الغرناطی کے نام مشہور ہیں۔ پھر ان کے قصیدوں کی شرح کرنے والوں اور ان کی تخمیس وتسدیس کرنے والوں کے ناموں کی فہرست طویل ہے علامہ باجوریؒ کی شرح میں ہر شعر کے فوائد بھی مذکور ہیں مثلاً اس قصیدہ کے پہلے تین شعروں کو کاغذ پر لکھ کر سرہانے رکھا جاوے تو بخار دور ہو جائے گا اور فلاں شعر کے ورد سے روزی بڑھ جائے گی اور فلاں شعر کو لکھ کر گھول کر پی لیا جائے تو اس سے بیماریاں دور ہوتی ہیں گویا اس قصیدہ کا ہر شعر تعویذ کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ عربی فارسی اردو

کے علاوہ اس قصیدہ کے ترجمے جرمنی، لاطینی اور فرانسیسی زبانوں میں بھی ہو چکے ہیں۔علامہ بوصیری کے اس مشہور زمانہ قصیدہ کا اصل نام ''الکواکب الدریہ فی مدح خیر البریہ'' ہے اور اس قصیدہ کے ۱۶۲ شعر ہیں علامہ بوصیریؒ نے غالباً اپنی نعت کے لئے مشہور صوفی شاعر ابن الفارض کی زمین پسند کی ہے جن کے قصیدہ (الہیات) کا مطلع ہے۔

۱۔هل نار ليلیٰ بدت ليلاً بذی سلم
ام بارق لاح فی الزوراء والغلم
۲۔ارواح نعمان هلا نسمة سحرا
و ماء دجرة هلا نهلة بضم

۱۔ کیا لیلیٰ کے گھر جلائی جانے والی آگ رات کو ذوسلم میں ظاہر ہوئی یا کوئی بجلی ہے جو زوراء اور غلم میں چمکی۔
۲۔ کیا نعمان (نامی پھول) کی لپٹیں نسیم سحر بن کر پھیل گئیں یا دجرہ کا پانی آب حیات بن کر لبوں تک آ گیا؟

بوصیریؒ کی نعت کا مطلع ہے۔

۱۔أمن تذكرجيران بذ ی سلم
مزجت دمعاً جری من مقلةٍ بدم
۲۔ ام هبت الريح من تلقاء كاظمةٍ
او او مض البرق فی الظلماء من اضم

۱۔تیری آنکھوں سے یہ خون آلود آنسو کیوں رواں ہیں! کیا ذی سلم کے پڑوسی یاد آ رہے ہیں؟
۲۔ یا کاظمہ سے کوئی ہوا چلی ہے یا تاریکی میں اضم کی پہاڑی سے کوئی بجلی چمکتی دیکھ لی ہے۔

ان دونوں مطلعوں میں ذوسلم کی وادی کا اشارہ ''ہبوب الریح'' (کسی خاص جہت کی ہوا کا چلنا) اور ''ایماض البرق'' (بجلی کا چمکنا) لفظی لحاظ سے مشترک ہے۔ دونوں قصائد میں بعض اشعار کے مطالب یکساں ہیں اور علامہ بوصیریؒ نے ابن الفارض کے قصیدہ سے زمین اور چند اشارے اور استعارے ضرور

لئے ہیں لیکن آگے چل کر وہ اپنی ڈگر پر چلنے لگتے ہیں ابن الفارض صوفی شاعر تھے اور ان کا کلام حب الٰہی اور تصوف کے نازک مضامین پر مشتمل ہے اور بوصیریؒ کا موضوع ذاتِ نبویؐ اور حب نبویؐ ہے ان دونوں مضامین میں جو قربت ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ۔اس قصیدہ کے مضامین کی ترتیب یہ ہے۔

۱۔ تشبیب

۲۔ نفس کے فریب کاریوں سے آگاہی

۳۔ گریز۔مدح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۴۔ ولادت نبویؐ اور معجزات کاذکر

۵۔ قرآن کریم۔اسراء ومعراج اور جہاد کاذکر

۶۔ توسل اور مناجات

امام بوصیریؒ نے اس قصیدہ کی ابتداء قدیم عربی شاعری کے روایتی انداز سے کی ہے مگر نعت کے مضمون کی نزاکت اور مقام رسالتؐ کا جمال و جلال ان کے پیش نظر تھا اسی لئے اس مضمون کو طول نہیں دیا صرف مطلع کے ان دوشعروں میں اس قدیم اسلوب کی پیروی کی ہے اب ہم اللہ تعالی کی توفیق سے اصل قصیدہ کی طرف آتے ہیں اور التماس ہے کہ نہایت جذب وشوق سے اس کا مطالعہ فرمائیں اور قلب وجگر کو حُبّ نبیؐ سے روشن فرمائیں ۔وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

طلبگارِ شفاعت

سید مہر حسین بخاری تجاوز عن ذنبہ الباری

۳۰/ ذی الحج ۱۴۲۰ھ جمعرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أَمِنْ تَذَكُّرِ جِيْرَانٍ بِذِىْ سَلَمٍ
مَزَجْتَ دَمْعاً جَرٰى مِنْ مُّقْلَةٍ بِدَمٍ

تیری آنکھوں سے یہ خون آلود آنسو کیوں رواں ہیں کیا موضع ذی سلم کے پڑوسی یاد آ رہے ہیں یعنی موضع ذی سلم کے تیرے پڑوسی جن میں تیرا دلی محبوب تھا ان کی یاد آئی ہے کہ تیری آنکھوں سے خون آلود آنسو رواں ہیں۔

لطیفہ عجیبہ اس قصیدہ علیہ میں یہ ہے کہ اس مبارک قصیدہ کے آغاز میں ایسے الفاظ آئے ہیں کہ ان سے جملہ اٰمنتُ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس سے یہ نیک فال پیدا ہوتی ہے کہ مصنف اور اس قصیدہ کے پڑھنے والے آفات و بلیات سے محفوظ ہیں انشاء اللہ!

أَمْ هَبَّتِ الرِّيْحُ مِنْ تِلْقَآءِ كَاظِمَةٍ
أَوْ أَوْمَضَ الْبَرْقُ فِى الظَّلْمَآءِ مِنْ إِضَمٍ

یا مقام کاظمہ کی طرف سے انس و محبت کی ہوا چل پڑی ہے یا تاریکی میں اضم کی پہاڑی سے کوئی بجلی چمکتی دیکھ لی ہے۔

یعنی شاعر اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے کہ آیا تیرے خون آلود آنسوؤں کا سبب موضع ذی سلم میں تیرا محبوب ہے یا کاظمہ کی طرف سے باد صبا روائح یار لائی ہے جسے سونگھ کر تجھے محبوب کی یاد آ گئی ہے یا کوہ اضم کی جانب سے بجلی چمکی ہے اور تجھے اس روشنی میں منزل محبوب نظر آ گئی ہے اور تو بے تابانہ ابر بہار کی طرح گریہ کر رہا ہے۔

۱۔ موضع ذی سلم بصرہ سے مکہ مکرمہ آنے والے راستے میں ایک وادی ہے۔ (جزیرۃ العرب از مولانا محمد رابع الحسنی حصہ اول ص ۲۲۸ طبع لکھنؤ)

۲۔ کاظمہ، بحرین اور بصرہ کا ایک ساحلی راستہ جس کے اطراف کی وادیاں خوشگوار موسم، شیریں پانی اور خوبصورت مناظر کی وجہ سے مشہور ہیں گزشتہ زمانے میں حجاج کرام اس راستے سے حجاز آیا کرتے تھے

(معجم البلدان ج ۲ ص ۴۳۱ طبع بیروت)

۳۔ اضم، بصرہ اور قطیب کے درمیان ایک پہاڑی سلسلہ (جغرافیہ جزیرۃ العرب از عمر کمال ص ۲۲۶ طبع قاہرہ مصر)

امام بوصیریؒ نے اس قصیدہ کی ابتداء قدیم عربی شاعری کے روایتی انداز سے کی ہے مگر نعت کے مضمون کی نزاکت اور مقام رسالتؐ کا جمال و جلال ان کے پیش نظر تھا اس لئے اس مضمون کو طول نہیں دیا صرف مطلع کے ان دو شعروں میں اس قدیم اسلوب کی پیروی کی ہے اور وہ بھی اس طرح کہ کسی خیالی محبوب اور اسی کے کاکل و عارض (خمدار زلفیں اور رخسار) کا ذکر نہیں کیا جیسا کہ جاہلی شعراء کا دستور تھا بلکہ سرزمین حجاز کے سمت میں واقع چند مقامات کو یاد کیا جہاں کسی زمانے سے مصر و عراق سے حج و زیارات کے لئے جانے والے قافلے گزرا کرتے تھے۔

قدیم شعراء اصل مضمون کو بیان کرنے کیلئے محبوب کو یاد دلانے والے اور اس سے نسبت رکھنے والے مقامات کا تذکرہ کرتے تھے تاکہ آتش شوق تیز ہو اور جس وقت اصل مضمون پر آئیں اس وقت بیان کرنے والے کا جوش اور سننے والوں کا اشتیاق نقطہ کمال پر پہنچ چکا ہو تشبیب کا یہ مضمون عام طور سے قصیدہ کے ایک تہائی یا نصف حصہ پر حاوی ہوتا ہے امام بوصیریؒ نے ان دو شعروں سے وہ مقصد حاصل کرلیا جس کیلئے تشبیب کے مضمون کو طول دیا جاتا ہے عاشق کی والہانہ کیفیت کا اظہار مطلع کے پہلے ہی لفظ سے ہونے لگتا ہے جب کہ وہ اپنے آپ سے پوچھتا ہے کہ یہ آنسو جن میں خون جگر کی آمیزش ہے کیوں بہنے لگے آخر تیرے زخموں کو کس نے چھیڑا ہے کیا دیکھ لیا اور کیا سن لیا۔ کیا دیار محبوب کی سمت کسی پہاڑی پر کوئی بجلی چمکی ہے یا اس طرف کی کوئی ہوا چلی ہے یا اس قرب و جوار کے باشندے یاد آ گئے۔ سوز دروں کا اظہار یا یہ شاعرانہ اسلوب بہت ہی دلنشین اور لطیف ہے کہ محبوب یا، دیار محبوب کا نام بھی زبان پر نہ آئے۔ صرف انداز بیان سے عشق و وارفتگی کی روح جھلکنے لگے۔ شاعر یہاں عشق کی ایک خاص کیفیت بیان کر رہا ہے جب کہ عاشق کو ہر شے میں محبوب کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے ہر بات میں اس کی بات یاد آنے لگتی ہے اس کے زخم کو کریدنے کیلئے ایک اشارہ چاہیئے اس کے رونے کیلئے ایک بہانہ درکار ہے۔ امام بوصیریؒ اس مضمون کو اپنے پیرایہ میں بیان کرنے کے بعد ذرا اور گہرے جاتے ہیں:۔

فَمَا لِعَيْنَيْكَ اِنْ قُلْتَ اكْفُفَا هَمَتَا

وَمَا لِقَلْبِكَ اِنْ قُلْتَ اسْتَفِقْ يَهِمِ

آخر تیری آنکھوں کو کیا روگ لگ گیا ہے ان سے کہو رک جائیں آنسو نہ بہائیں تو الٹے ان کی جھڑی لگ جاتی ہے اور یہ تیرے دل کو کیا ہو گیا ہے کہ اس سے کہو کہ سنبھل جا تو یہ اور بھٹکنے لگ جاتا ہے۔

دل کا سنبھلنا یا اس کا قرار میں آجانا عشق کی موت ہے اس سے ہر عاشق پناہ مانگتا ہے امام بوصیریؒ نے اپنے اس شعر میں اس کیفیت کو دوسرے پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ عشق محبوب میں ان کی آنکھوں کو روکنے کا یارا ہے نہ دل کو قرار ہے۔

اَیَحۡسَبُ الصَّبُّ اَنَّ الۡحُبَّ مُنۡکَتِمٌ
مَّا بَیۡنَ مُنۡسَجِمٍ مِّنۡهُ وَمُضۡطَرِمٖ

کیا عاشق کا یہ خیال ہے کہ اس کی برستی آنکھ اور دھڑکتے دل سے آشکارا ہونے والی محبت پوشیدہ رہ سکتی ہے؟ یعنی یہ ممکن نہیں کہ اس کا عشق پوشیدہ رہے کیونکہ اسکی یہ برستی آنکھیں اور یہ بے قرارئ دل اس کے عشق کا پردہ چاک کرنے کو کافی ہیں۔

لَوۡ لَا الۡهَوٰی لَمۡ تُرِقۡ دَمۡعًا عَلٰی طَلَلٍ
وَّ لَا اَرِقۡتَ لِذِکۡرِ الۡبَانِ وَالۡعَلَمٖ

اگر محبت نہ ہوتی تو تم کسی ٹیلے کو دیکھ کر آنسو نہ بہاتے اور یہ سرو کے درخت اور کسی منزل کے نشان کا ذکر تمھاری نیند اچاٹ نہ کرتے۔

یہ بھی عربی شاعری کا روایتی انداز ہے کہ شاعر ان مقامات سے جب گزرتا ہے یا وہ مقامات جب اس کے ذہن میں آتے ہیں جن کو محبوب سے کسی طرح کی نسبت رہی ہو یا وہ وہاں سے گزرا ہو تو اس کا زخم ہرا ہونے لگتا ہے یہ کیفیت اس وقت بھی ہوتی ہے جب محبوب کو یاد دلانے والی کوئی چیز سامنے آجائے مثلاً چاندنی دیکھی تو اس کو اپنے محبوب کی صباحت یاد آ گئی خوشبو سونگھی تو اس کے دل کی دنیا مہک اٹھی کہ یہ خوشبو تو اس کے محبوب کی خوشبو سے مشابہ ہے۔

اس شعر میں ''بان'' اور ''علم'' کے دو لفظ آئے ہیں ''بان'' سرو کے مانند طویل درخت ہے اور علم اونچی پہاڑی کو بھی کہتے ہیں اور نشان منزل کو بھی۔ لیکن ان دونوں شعروں میں ایک نفسیاتی کشمکش کا اظہار مقصود ہے یہ کشمکش ان مخلصین کو پیش آتی ہے جو اپنے عشق میں سچے ہوتے ہیں مگر عشق کا دعوی تو کجا ان کو ہمیشہ اپنے مخلص ہونے میں شک رہتا ہے ایسا عاشق اپنے دل کو بار بار ٹٹولتا ہے کہ واقعی وہ اس ذات سے

محبت رکھتا ہے جس کا وہ مدعی ہے! کہیں یہ فریب نفس تو نہیں ہے مگر اس کا یقین اس کو کون دلائے اس لئے وہ خود ہی اپنے دل کو تسلی بھی دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ یقیناً محبت کی دولت رکھتا ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ آنسو نہ بہتے نہ دیارِ محبوب کے ان نشانات کو دیکھ اس کا دل بے تاب ہو جاتا، یہ نیند کا اچاٹ ہونا، یہ چہرے کی زردی، محبوب سے دور کی بھی نسبت رکھنے والی چیز کی طرف وارفتگی میں بڑھنا اور ان پر سو سو جان سے قربان ہونا بے سبب تو نہیں ہے لہٰذا وہ اپنے آپ کو یقین دلاتا ہے کہ اس کا عشق واقعی عشق اور اس کے اندر محبت کی بے تابی ہے کیونکہ محبت کی علامتیں اس کے اندر موجود ہیں اس کے بعد جو شعر ہے اس میں بھی شاعر اس مضمون پر زور دے رہا ہے۔

فَكَيْفَ تُنْكِرُ حُبًّا بَعْدَ مَا شَهِدَتْ
بِهٖ عَلَيْكَ عُدُوْلُ الدَّمْعِ وَالسَّقَمِ

تو کس طرح اس محبت کا انکار کرے گا جب کہ تیرے شک وشبہ کے خلاف دو گواہ عادل ہیں یعنی آنسو اور اندر اندر پگھلنے کا روگ۔

تیرے یہ خون آلود آنسو جو وصال یار میں ہر وقت تیری آنکھوں سے ٹپک رہے ہیں۔ اور جو تیرے محبوب کا تذکرہ ہوتا ہے تو تیری آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی ہے اور محبت کے روگ اور فراق میں سلگنے کے سبب تیرا چہرا بھی تیری اس بے قراری کا واضح ثبوت ہے تو تو کس طرح اپنی محبت کو چھپائے گا۔

وَاَثْبَتَ الْوَجْدُ خَطَّیْ عَبْرَةٍ وَّ ضَنًی
مِّثْلَ الْبَهَارِ عَلٰی خَدَّ یْكَ وَالْعَنَمِ

محبت نے تمہارے رخسار پر دو لکیریں ثبت کر دی ہیں ایک تو آنسوؤں کی لکیر سے جو "عنم" کے پھول کی طرح سرخ مائل ہے دوسری لکیر اندرونی روگ ہے جو بہار کے پھول کی طرح زرد ہے۔

اس شعر میں بہار کا لفظ آیا ہے۔ فارسی کا موسم بہار، جو ہمارے ہاں مستعمل ہے یہاں وہ بہار مراد نہیں بلکہ ایک پھول کا نام ہے جو ہار سنگھار سے ملتا جلتا ہے اور اس کی رنگت زرد ہوتی ہے۔ بے خوابی، نقاہت اور رنج وغم کے ہجوم میں چہرہ کا زرد پڑ جانا عام بات ہے۔ حضرت بوصیریؒ اس شعر میں بھی اس مفہوم پر زور دے رہے ہیں کہ ان کے اپنے اخلاص صدق و محبت میں شک نہیں کرنا چاہیے حُبّ نبیؐ کی دولت کو فریب نہیں سمجھنا چاہیے اور اپنے آپ کو یقین دلانے کے لئے اپنی آہ وزاری اشک ریزی اور جسم کے گھلنے کو ثبوت کو

طور پر پیش کرتے ہیں۔

نَعَمْ سَرٰی طَیْفُ مَنْ اَھْوٰی فَاَرَّ قَنِیْ
وَالْحُبُّ یَعْتَرِضُ اللّذَّاتِ بِالْاَ لَمِ

ہاں سچ ہے محبوب ہمیں خواب میں نظر آیا اور اس خواب نے میری نیند اچاٹ کر دی۔ کیوں نہ ہو محبت لذتوں میں رخنہ ڈالا ہی کرتی ہے۔

نیند کا اچاٹ ہو جانا ایک حاصل شدہ لذت کا ضائع ہو جانا ہے اس کو رنج یا الم کہا جاتا ہے کہ کوئی نعمت چھین لی جائے نیند کی راحت چھین لی گئی تو اس کو شاعر الم کا رخنہ قرار دے رہا ہے لیکن شکوہ کے طور پر نہیں بلکہ شکر کے انداز میں، اس اعتراف کے ساتھ کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے وہ محبت ہی کیا جو کسی لذت کو نہ چھینے۔ اور محبوب کی یاد میں تڑپنا ہی اصل محبت ہے اور اسکا بھی اپنا ہی عجیب مزہ ہے۔ اور محبوب کے خیال میں سہانے خواب اور پھر بے قرار ہو کر اٹھنا اور تمام رات ان خیالوں میں گم ہو کر کروٹیں بدلنا یہ بھی محبت کی سب سے لذیذ کیفیت ہے۔ اللہ ہم سب کو ایسی محبت نبویؐ عطا فرمائے آمین!

یَا لَآ ئِمِیْ فِی الْھَوَ ی الْعُذْرِیِّ مَعْذِرَۃً
مِّنِّیْ اِلَیْكَ وَلَوْ اَنْصَفْتَ لَمْ تَلُمِ

اے میرے ملامت کرنے والے ایک پاک محبت پر میری تجھ سے معذرت ہے حالانکہ اگر تو انصاف کرتا تو کبھی ملامت نہ کرتا۔

''پاک محبت'' جس لفظ کا ترجمہ کیا گیا ہے وہ ''الحب العذری'' ہے اس ترکیب کا ایک خاص پس منظر ہے ''بنو عذرہ'' نامی یمن میں ایک قبیلہ تھا جس میں عربی کے متعدد شعراء پیدا ہوئے مثال کے طور پر جمیل بن معمر، کثیر عزہ وغیرہ۔ تو ان کا وصف مشترک یہ تھا کہ ان کے اشعار میں سوز و گداز بہت ہوتا تھا وہ محبوب کے جسمانی قرب اور وصال کے متمنی نہیں ہوتے تھے یہاں تک کہ یہ مشہور ہو گیا کہ بنو عذرہ کے قبیلہ میں جو عاشق ہوا وہ اپنے محبوب پر پروانہ وار فدا ہو گیا اور کبھی ہوسناکی کے قریب نہیں گیا۔ انہی شعراء کی نسبت سے ایسی پاکیزہ محبت ''حب عذری'' کہا جانے لگا اور اردو میں پاک محبت سے ایسا مفہوم ادا ہو جاتا ہے جبکہ موجودہ عرب افسانہ نویس اس طرح کی محبت کو افلاطونی محبت کہتے ہیں۔ ایک مزید بات یہاں قابل تشریح یہ ہے کہ جس طرح اردو کی روایتی شاعری میں رقیب واعظ اور ناصح کے نام سے متعدد کردار سامنے آتے ہیں۔ اس طرح عربی میں محبت کے جرم پر ملامت کرنے والے اور محبوب سے عاشق کی چغلی کرنے والے عشقیہ

شاعری کے دو کردار ہیں عربی میں رقیب کا کردار نہیں ہوتا۔ وہاں ''واعظ'' اور ''ناصح'' کا کردار موجود ہے۔ ''لائم'' ملامت کرنے والے کے نام سے یاد کیا جاتا ہے چونکہ یہ شعر اس قصیدہ کی تشبیب کے اشعار ہیں اس لئے ان روایتی کرداروں کو بھی شاعر (امام بوصیریؒ) نے باندھا ہے لیکن چند اشعار کے بعد آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ ان کرداروں سے شاعر نے کتنا پاکیزہ کام لیا ہے اور بات کا رخ کس طرح مادیت سے روحانیت کی طرف پھیر دیا ہے۔

عَدَتْكَ حَالِيْ وَلَا سِرِّيْ بِمُسْتَتِرٍ
عَنِ الْوُشَاةِ وَلَادَائِيْ بِمُنْحَسِمِ

تم پر میرا حال عیاں ہے اور چغل خوروں سے میرا کوئی راز بھی چھپا ہوا نہیں ہے اور نہ میری بیماری ایسی ہے کہ ختم ہو جائے۔

گزشتہ شعر سے ہر شعر کے معنی مربوط ہیں یعنی اے ملامت کرنے والے میرے عشق کی پوری کیفیت تجھ سے بڑھ کر تیری زبانی سب لوگوں کو معلوم ہوگئی ہے اب نہ مرا عشق غمازوں میں چھپا ہوا ہے اور نہ میرا دردِ عشق منقطع ہونے والا ہے۔ اس شعر کے مصرع اول ''عدتک حالی'' کو نحوی ترکیبوں کے الٹ پھیر سے عرب شارحین نے متعدد احتمالی معانی پہنائے ہیں کسی نے کہا ہے کہ جملہ دعائیہ ہے کہ خدا تم کو اس روگ میں گرفتار نہ کرے کسی نے کہا کہ یہ بددعا ہے کہ کاش تم کو بھی یہی روگ لگے تو تمھیں معلوم ہو کہ مجھ پر کیا گزرتی ہے لیکن اکثر شارحین نے اس جملہ کو جملہ خبریہ بتایا ہے جیسا کہ یہاں ترجمہ کیا گیا۔

مَحَضْتَنِي النُّصْحَ لٰكِنْ لَّسْتُ اَسْمَعُهٗ
اِنَّ الْمُحِبَّ عَنِ الْعُذَّالِ فِيْصَمَمٍ

اے ملامت کرنے والے اے ناصح بلا شبہ تو نے بہت اخلاص محض ہمدردی میں میری خیر خواہی کی اور مجھ کو ترک محبت کی نصیحت کی لیکن کیا تجھے معلوم ہے کہ عاشق صادق ناصحوں کی طرف سے بہرہ ہوتا ہے۔

یعنی ناصح نے تو بے غرضانہ از راہ ہمدردی نصیحت کی کہ میں اس عشق کے روگ سے باز آ جاؤں لیکن میں ناصح کی بات سننے کو بھی تیار نہیں ہوں تو عمل کا کیا ذکر ہے کیونکہ عاشق صادق کسی ناصح کی بات سننے کو بھی تیار نہیں ہوتا پھر اس پر ایسی نصیحت کا اثر کیوں کر ہو۔

اِنِّی اتَّهَمْتُ نَصِیْحَ الشَّیْبِ فِیْ عَذَلِیْ
وَالشَّیْبُ اَبْعَدُ فِیْ نُصْحٍ عَنِ التُّهَمٖ

میں نے پیری (بڑھاپے) کی نصیحت کو بھی ملامت کے باب میں ملزم قرار دیا حالانکہ پیری کی نصیحت کو کسی طرح دور کا بھی الزام نہیں دیا جاسکتا۔

کہنا یہ چاہتے ہیں کہ عشق و محبت کا تعلق جوانی سے ہے جب بڑھاپا آ گیا تو انسان کا ضمیر خود اس کو ملامت کرنے لگتا ہے بڑھاپا اس کے احساس کو چونکاتا ہے کہ اب تو شرم کر مرنے کا وقت قریب ہے گویا بڑھاپا بذات خود ایک ناصح ہے اور اس کی ملامت کو دور کا بھی حسد سے واسطہ نہیں ہوتا دوسرے ملامت کرنے والوں کو تو کہا جاسکتا ہے کہ انہیں عاشق سے حسد ہو گا یا ان کا اپنا کوئی مطلب ہو گا مگر بڑھاپے کو نصیحت وملامت کے باب میں ملزم قرار نہیں دیا جاسکتا۔

شاعر کہتا ہے کہ جب میں نے ایسے معصوم اور ہر شبہ سے بالاتر ناصح یعنی پیری کی نصیحت نہیں سنی تو تم لوگ اے نصیحت کرنے والو! کس شمار و قطار میں ہو۔

اب دیکھئے کہ یہاں سے امام بوصیریؒ اس تشبیب کے مضمون کو بھی کس خوبصورتی سے مادیت سے روحانیت کی طرف منتقل کر رہے ہیں کہ پڑھنے والے کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ اصطلاح میں اس کو "گریز" کہتے ہیں جہاں تشبیب یا غیر متعلق یا تمہیدی مضمون ختم کرنے کے بعد شاعر اپنے اصل مدعا کو بیان کرنے لگتا ہے مگر حضرت بوصیریؒ کا کمال یہ ہے کہ ان کے قصیدے میں تشبیب کے اندر ایک پاکیزہ گریز موجود ہے مگر وہ گریز جہاں سے وہ نعت شروع کریں گے وہ تو بعد میں آئے گا سر دست یہ گریز ایک مستقل وعظ ہے جو مدح نبویؐ کیلئے قاری کے احساس اور اس کے افکار تیار کر رہا ہے۔

نعتِ نبویؐ ہے ہی ایسی چیز کہ اس کے لئے پہلے فکر کو طاہر (پاک) کر لیا جائے نفس کو جھنجھوڑ کر بیدار کیا جائے آنکھوں کو آب جگر سے غسل دیا جائے اور دل و دماغ میں عظمتِ رسول ﷺ کو اجاگر کیا جائے۔ براہ راست نعت کے اشعار سے پہلے ذیل کے تمام اشعار اس قبیل کے ہیں جس میں حضرت بوصیریؒ نے مخاطب تو اپنے نفس کو کیا ہے مگر وہ حکمت و موعظت کی باتیں فرما گئے ہیں جو ہر ایک کے لئے ہی بہت ہی مؤثر وعظ ہیں۔

فَاِنَّ اَمَّارَتِیْ بِالسُّوْٓءِ مَا اتَّعَظَتْ
مِنْ جَهْلِهَا بِنَذِیْرِ الشَّیْبِ وَالْهَرَمٖ

کیونکہ میرا نفس امارہ (برائیوں پر اکسانے والا دل) بڑھاپے اور پیری کی دھمکیوں کے باوجود

اپنی نادانیوں سے باز نہیں آیا۔

یعنی میرے نفس نے جو برائیوں کا بزور مجھ پر حکم کرتا ہے اپنے جہل اور نادانی کے سبب میرے بڑھاپے کی بے غرض نصیحت کو بھی نہیں مانا

وَلَا اَعَدَّتُّ مِنَ الْفِعْلِ الْجَمِيْلِ قِرٰى
ضَيْفٍ اَلَمَّ بِرَاْسِیْ غَيْرَ مُحْتَشِمٖ

اور میرے نفس نے اعمال صالحہ سے اس مہمان (بڑھاپے) کی تواضع کا پہلے سے انتظام نہیں کر رکھا جو سر کے بالوں پر ناخواندہ آ گیا ہے ۔

مطلب یہ ہے کہ بالوں کی سفیدی جو پیری کی علامت ہے اور پیری جو فنا کی پیامی ہے دل کو خواہ جس قدر بھی بری لگے مگر وہ اب ایک مہمان کی حیثیت سے آ چکی ہے ،سر پر چمک رہی ہے اس مہمان (بڑھاپے) کی مہمان داری اور تواضع اعمال صالحہ سے کرنی چاہیے تھی جس سے اپنا ذہن خالی ہے اور گھر میں وہ اعمال صالحہ کا بوریا نہیں ہے جس پر اس مہمان کو بٹھاتے ،یعنی سر کے بال سفید ہونے اور بڑھاپا آنے تک اعمال صالحہ سے تہی دست ہوں۔

لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ اَنِّیْ مَا اُوَقِّرُهٗ
كَتَمْتُ سِرًّا بَدَالِیْ مِنْهُ بِالْكَتَمِ

اگر میں جانتا کہ اس مہمان (بڑھاپے) کی تواضع اعمال صالحہ سے نہیں کر سکوں گا تو پیری کی آمد کو جو پہلے ایک راز تھی یعنی چند ہی بال سفید ہوئے تھے مہندی یا خضاب سے چھپا دیتا۔

درحقیقت یہ شعر ایک طنز ہے کہ بڑھاپے کو چھپایا نہیں جا سکتا اگر مصنوعی طریقہ پر چھپا بھی دیا گیا تو زندگی کو موت کے قریب کرنے سے یہ حرکتیں (مہندی خضاب) روک نہیں سکتیں۔ چنانچہ اس کے بعد کے اشعار میں مزید وضاحت فرماتے ہیں اور بڑی حکمت کی باتیں کرتے ہیں۔

مَنْ لِّیْ بِرَدِّ جِمَاحٍ مِّنْ غَوَايَتِهَا
كَمَا يُرَدُّ جِمَاحُ الْخَيْلِ بِاللُّجُمِ

کاش کوئی نفس سرکش کو قابو میں لے آتا کہ وہ بھٹکنے نہ پائے جیسے لگام سے گھوڑوں کی سرکشی کو قابو کر لیا جاتا ہے

یعنی نفس امارہ کی سرکشی سے جو گمراہی پیدا ہوگئی ہے اسے روکنے میں میرا ضامن و کارساز کون ہو سکتا

ہے جو اس کو گمراہی سے اس طرح روک لے جیسا گھوڑوں کی سرکشی کو لگام کے ذریعہ روکا جاتا ہے۔شاعر جب نفس کی گمراہی سے عاجز آ کر سمجھتا ہے کہ چلو اس کمبخت کو اپنی خواہشات پوری کر لینے دو جس وقت یہ شکم سیر ہو جائے گا خود تائب ہو جائے گا پھر اسے یہ خیال آتا ہے کہ یہ سوچ غلط ہے اور اس کا سبب اگلے شعر میں یوں ادا فرماتے ہیں۔

فَلَا تَرُمْ بِالْمَعَاصِیْ كَسْرَ شَهْوَتِهَا
اِنَّ الطَّعَامَ يُقَوِّیْ شَهْوَةَ النَّهِمِ

معصیت کا علاج معصیت سے کرنے کی کوشش نہ کرو کھانا لالچی کی بھوک بڑھاتا ہے۔

یہ تو اس شعر کا مفہوم ہے مگر عربی ترکیب کے لحاظ سے اس شعر کا ترجمہ کچھ یوں ہوگا کہ نفس کی خواہشات کو دبانے کا قصد معصیت کے ذریعے نہ کرو کیونکہ کھانا لالچی کی بھوک بڑھاتا ہے اس شعر میں دراصل بعض یونانی فلاسفہ کا جواب ہے یورپ میں بھی بے حیائی کا سیلاب اسی وجہ سے ہے اور جن کا خیال ہے کہ نفس کی بھوک اور شہوت کی حرص پوری کر دو تو وہ خود سیر ہو کر اس چیز سے متنفر ہو جائے گا جس سے اس کو روکا جا رہا ہے۔امام بوصیریؒ اس کی تردید کرتے ہوئے دلیل کے طور پر فرماتے ہیں:

وَالنَّفْسُ كَالطِّفْلِ اِنْ تُهْمِلْهُ شَبَّ عَلٰى
حُبِّ الرِّضَاعِ وَاِنْ تَفْطِمْهُ يَنْفَطِمِ

انسان کا نفس تو ایک شیر خوار (دودھ پیتے) بچہ کی طرح ہے اگر اس کو دودھ پلانا نہ چھوڑو تو وہ بڑھاپے تک رضاعت کا طالب رہے گا اور اگر اس کا دودھ چھڑا دو تو چھوٹ جائے گا۔

یعنی اگر شیر خوار بچے کا دودھ والدہ نہ چھڑائے اور اسے برابر دودھ پلاتی رہے تو وہ جوانی تک شیر خوارگی کا ہی عادی رہے گا اور اگر مدت رضاعت ختم ہونے پر بچے کا دودھ چھڑا دیا جائے تو وہ چھوڑ دے گا۔ایسا ہی حال نفس کا ہے کہ اگر اسکو بری باتوں سے روکو تو رک جائے گا اور اگر منع نہ کرو تو وہ ہمیشہ برائیوں کا ہی خوگر رہے گا۔

فَاصْرِفْ هَوَاهَا وَحَاذِرْ اَنْ تُوَلِّيَهُ
اِنَّ الْهَوٰى مَا تَوَلّٰى يُصْمِ اَوْ يَصِمِ

نفس کی خواہشات کو دباؤ اور اس بات سے ڈرتے رہو کہ کہیں اس کے ہاتھ تمھاری باگ ڈور نہ آ جائے کیونکہ خواہشات کی جب بھی حکومت ہوگی یا تو وہ ہلاک کر دے گی یا پھر کوئی داغ لگا دے گی۔

ان اشعار میں (ہویٰ) کا لفظ خواہش نفسانی کے معنوں میں آیا ہے برخلاف ابتدائی اشعار کے جن میں یہی لفظ محبت یا عشق کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نفسانی خواہشات کے غلام نہ بنو جیسا کہ قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "بھلا تم نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا اِلہ (معبود) بنا رکھا ہے" (سورہ جاثیہ آیت ۲۳) یعنی وہ اپنے نفس اور دل کے کہنے کے مطابق کام کرتا ہے اور اگر انسان اللہ کی خوشنودی کی خاطر کوئی کام انجام دیتا ہے تو وہ اللہ کو اپنا اِلہ قرار دیتا ہے لیکن اگر وہ ہوائے نفس کی خاطر کچھ کرتا ہے تو پھر وہ نفس کو اپنا اِلہٰ بنا لیتا ہے۔ لہٰذا ہوائے نفس کے اتباع سے پرہیز نہایت لازم ہے کیونکہ یہی ہوائے نفس شرک ہے اور اس کے ذریعے اخلاق رذیلہ اور افعال خبیثہ کے ارادے پیدا ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس کی مخالفت کا حکم بھی فرمایا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "جنہوں نے نفس کی خواہشات کو روکا تو ان کی آرام گاہ جنت ہے" اور جناب سید المرسلین ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے چشم بصیرت عطا فرماتا ہے کہ وہ اس سے اپنے نفس کے عیوب دیکھتا رہے۔ اور احادیث میں وارد ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی فرمائی اور حکم دیا کہ اے داؤدؑ اپنے نفس سے دشمنی کر اس لئے کہ میری دوستی اسکی عدوات میں ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا یقیناً اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

وَرَاعِهَا وَهِيَ فِي الْأَعْمَالِ سَاءِمَةٌ
وَّإِنْ هِيَ اسْتَحْلَتِ الْمَرْعَىٰ فَلَاتُسِمِ

اور ذرا نفس کی دیکھ بھال اس حال میں بھی کرتے رہو جب وہ اعمال صالحہ کے انجام دینے میں منہمک ہو اور اگر یہ دیکھو کہ اس میدان میں "چرنا" اس کو بھلا لگنے لگا تو پھر اس کو اس میدان میں نہ چراؤ۔

مطلب یہ کہ نفس کے فریب پر بھی نگاہ رکھو کیونکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جدوجہد سے فرار کی خاطر یا دکھلاوے اور ریا وغیرہ کے لئے بھی وہ بعض اچھے کاموں میں مشغول ہو جاتا ہے اور اس میں اسکو مزہ ملنے لگتا ہے اور غرور نفس پیدا ہونے لگتا ہے لہٰذا اگر اپنے نفس کی یہ حالت دیکھو تو پھر اس کو اعمال صالحہ میں ایسے کام پر مامور کر دو جس میں اس کا جی نہ لگتا ہو اور مزہ نہ ملتا ہو۔ واضح رہے کہ حضرت بوصیریؒ کا مقصد اعمال سے فرائض واجبات نہیں ہے کیونکہ وہ تو جی لگے یا نہ لگے مزہ ملے نہ ملے بہرحال انجام دینا ہے اور اگر کسی کا فرض نمازوں میں جی لگنے لگے اور حضوری کی لذت حاصل ہونے لگے تو محض نفس کی خلاف ورزی

کی خاطر اس کو نہیں چھڑایا جا سکتا البتہ بعض نفلی نمازیں عبادتیں اور تقرب کے بعض دوسرے کام جس کی بجائے دوسرے کام ہو سکتے ہیں اس میں سے کوئی کام ایسا ہو جس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو ثانوی حیثیت حاصل ہو اصل جذبہ لذت اندوزی کا ہو تو ایسے کام سے خواہ وہ کتنا ہی اہم اور قابل قدر کیوں نہ احتراز کرنا ہی بہتر ہے کیونکہ:۔

کَمْ حَسَّنَتْ لَذَّةً لِّلْمَرْءِ قَاتِلَةً
مِّنْ حَیْثُ لَمْ یَدْرِ اَنَّ السَّمَّ فِی الدَّسَمِ

بسا اوقات کسی مہلک لذت کو نفس حسین بنا کر دکھا دیتا ہے اور اس کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ اس میں ہلاکت کا سامان کہاں پوشیدہ تھا اور یہ کہ اکثر زہر لذیذ کھانوں ہی میں ملا ہوتا ہے۔

حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجاہد وہ ہے جس نے اللہ کی راہ میں اپنے نفس کا مقابلہ اور اس کی مخالفت کی۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ "لوٹے ہم چھوٹے جہاد یعنی غزوات سے بڑے جہاد کی طرف"۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بڑا جہاد کیا ہے فرمایا نفس کا مقابلہ۔ اس حدیث مبارکہ میں حضور ﷺ نے غزوات پر جہاد نفس کی فضیلت ظاہر فرمائی اس لئے کہ نفس کے جہاد میں رنج زیادہ ہوتا ہے کیونکہ خواہش نفسانیہ کو دفع کرنا ہے اور نفس بڑا مکار ہے اور دھوکہ باز ہے بعض اوقات انسان بدعات میں مبتلا ہو جاتا ہے اور انہیں دین سمجھ کر اس پر قائم ہو جاتا ہے اور غیر ضروری باتوں کو دین کا حصہ سمجھ لیتا ہے۔ اور نفس اسے مسلسل اس کام میں لگائے رکھتا ہے اور وہ مسلسل گمراہی کے گڑھے میں داخل ہوتا رہتا ہے اور بدعات سیئہ پر بھی فرائض و واجبات کی طرح عمل پیرا ہو جاتا ہے اور امام بوصیریؒ یہی فرما رہے ہیں کہ لذیذ کھانوں میں بعض اوقات زہر ملا دیا جاتا ہے۔

وَاخْشَ الدَّسَائِسَ مِنْ جُوْعٍ وَّمِنْ شَبَعٍ
فَرُبَّ مَخْمَصَةٍ شَرٌّ مِّنَ التُّخَمِ

بھوکے ہونے اور شکم سیر ہونے دونوں صورتوں میں نفس کی سازشوں سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ کبھی فاقے کی کیفیت بدہضمی سے بھی زیادہ بری ہوتی ہے۔

یہ شعر علامہ بوصیریؒ کی دوررس باریک بین اور وسیع النظری کا مظہر ہے اس مختصر سے اور سادہ ترکیب کے شعر میں انہوں نے "جوگیانہ فلسفہ" اور غیر اسلامی طریق تزکیہ کا بہت خوبصورتی سے رد کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جسم کے مطالبات کو اس درجہ نظر انداز کیا جائے کہ اس کے اندر سے مادیت کا عنصر ہی ختم ہو جائے کیونکہ

جوگیانہ تصوف کی رو سے جسم انسانی روح کا قید خانہ ہے لہٰذا روح کو جلا دینے اور نکھارنے کے لیے ضروری ہے کہ جسم کو فاقے دے دے کر محیر العقول مجاہدات کرا کے غیر فطری شدائد کے ساتھ عبادتیں کرا کے اس کو گھلایا جائے یہاں تک کہ جسم کا نہ کوئی تقاضا رہے اور نہ خواہشات پیدا ہو سکیں۔ اسلامی تعلیمات سراسر اس نظریہ کی مخالف ہیں۔ انسانیت کے لئے اسوہ کامل فخر انسانیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات گرامی ہے جس میں روح اور جسم کے مطالبات کمال اعتدال اور معجزانہ توازن کے ساتھ پورے کئے گئے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں لکھا ہے کہ انسانی جسم کے کچھ مطالبات ہیں جیسے بھوک پیاس اور جنس وغیرہ ہم ان کو مادی طلب کہتے ہیں دوسرے روح کے مطالبات ہیں، مثلاً اپنے خالق کے آگے سر نیاز خم کرنے کا جذبہ اللہ جل شانہٗ کی ذات وصفات کا علم حاصل کرنے کا جذبہ اس کی خوشنودی کے لئے اپنے آپ کو مٹا دینے کا جذبہ۔ جس کو شاہ صاحبؒ روحانی قوت سے تعبیر فرماتے ہیں یہ دونوں جذبے ہر انسان میں پائے جاتے ہیں لیکن کسی میں ایک قوت غالب ہوتی ہے کسی میں دوسری۔ کسی کے اندر دونوں طاقتوں میں مصالحت ہوتی ہے۔ کسی میں منافست یعنی کوئی دونوں مطالبے خوش اسلوبی سے پوری کرتا ہے اور کوئی ایسا ہوتا ہے کہ کبھی فرشتہ ہے تو کبھی شیطان دونوں طاقتیں اس کو اپنی اپنی طرف کھینچتی ہیں۔

علامہ بوصیریؒ فرماتے ہیں۔ کہ انبیائے کرامؑ کا طریقہ چھوڑ کر کوئی شخص فاقہ کر کے اپنے آپ کو اس امید میں ہلاک کرے کہ اس کی روحانیت جاگ اٹھے گی دراصل یہی شیطان کی ایک چال اور نفس کا فریب ہے فقر و افلاس بھی کبھی انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے بھوکے رہنے کی بہ نسبت شکم سیر ہو کر کھا لینا زیادہ احتیاط کی بات ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ انسان چوپایہ کی طرح کھاتا ہی رہے اور غیر اختیاری مشقت برداشت کرتا رہے اسی لئے انہوں نے شروع ہی میں فرما دیا کہ بھوک اور شکم سیری دونوں حالتوں میں نفس کی سازشوں سے ڈرتے رہو خطرہ دونوں میں ہے۔ اعتدال میانہ روی اور توازن ہر کام میں مطلوب و مقصود ہے۔

وَاسْتَفْرِغِ الدَّمْعَ مِنْ عَيْنٍ قَدِامْتَلَأَتْ
مِنَ الْمَحَارِمِ وَالْزَمْ حِمْيَةَ النَّدَمِ

اور اس آنکھ سے آنسو اچھی طرح بہا ڈالو جو کہ حرام چیزوں کو دیکھ دیکھ کر بھر گئی ہے اور ندامت کا پرہیز پابندی سے کرتے رہو۔

یعنی آنکھیں جو نامحرموں۔ غیر مشروع اور حرام چیزوں کو دیکھتے دیکھتے بھر گئی ہیں انہیں توبہ اور ندامت کے آنسوؤں سے دھو ڈالو اور اس درجہ آنسو بہاؤ کہ آنکھیں پاک ہو جائیں جیسے کنوئیں کا سب پانی نکال کر اسے

خالی کر دیا جاتا ہے۔" استفراغ" کے معنی ہیں پتیلی یا کسی برتن میں یا کنوئیں میں جو کچھ ہے ان سب کو نکال کر صاف کر دینا۔اس طرح آنکھ کو بھی علاج کی ضرورت ہے کہ آنسوؤں سے اس کو اچھی طرح دھو کر پاک کیا جائے اورعلاج کے ساتھ احتیاط و پرہیز بھی ضروری ہے تا کہ آئندہ مرض کا حملہ نہ ہو لہٰذا ندامت کے احساس کو ہمیشہ تازہ رکھو۔یہی احتیاط پر مائل کرے گا۔

وَخالِفِ النَّفْسَ وَالشَّيْطَانَ وَاعْصِهِمَ
وَإِنْ هُمَا مَحَضَاكَ النُّصحَ فَاتَّهِمِ

نفس اور شیطان کی مخالفت کرتے رہو اور کھل کر ان کی حکم عدولی کرو اور اگر یہ دونوں مخلصانہ خیر خواہی کا دعوٰی کریں تو ان کو مجرم ٹھہراؤ۔

یعنی شیطان مردود اور نفس کے دھوکے سے ہوشیار رہو۔اور اگر یہ دونوں تجھے سچی نصیحت بھی کریں تو انھیں جھوٹا سمجھ کر ان کا کہنا مان کیونکہ ان دونوں کی سرشت میں تیری عداوت رکھی ہوئی ہے۔

وَلاَ تُطِعْ مِنْهُمَا خَصْمًا وَّلاَ حَكَمًا
فَأَنْتَ تَعْرِفُ كَيْدَالْخَصْمِ وَالْحَكَمِ

نفس اور شیطان میں سے کسی کو بھی فریق بنا کر یا قاضی بنا کر اطاعت نہ کر کیونکہ تمھیں معلوم ہے کہ ایسے فریق اور ایسے قاضی کی سازش کیا ہوگی

مطلب یہ ہے کہ بسا اوقات انسان کوئی برا کام کرتا ہے اور اس کا دل یا شیطانی وسوسہ اس کو تاویل کے ذریعہ مفید کام یا ضروری کام کی حیثیت سے سامنے لے آتا مثلاً ایک شخص چوری کرتا ہے تو اس کو نفس یا شیطان اس کو وسوسہ ڈالتے ہیں کہ امیر لوگ غریبوں کا خون چوس کر امیر بنے ہیں اور اب غریبوں کا حق ادا کرنے کو تیا نہیں ہیں لہٰذا ان کا مال چھین کر غریبوں میں تقسیم کرنا باعث ثواب اور بہادری کا کام ہے اور یہ چوری کے زمرہ میں نہیں آتا۔اس طرح دوسرے جرائم کی بھی تاویل کی جاتی ہے یا کی جا سکتی ہے۔جرائم اور حرام کے بارہ میں جب نفس اور شیطان دھوکہ دے سکتے ہیں۔تو مختلف مسائل بدعات و رسوم کا پوچھنا ہی کیا۔لہٰذا جب بھی نفس یا شیطان خیر خواہی کے پردے مین اس طرح کی تاویل سمجھائے تو چاہیے کہ انسان اس مجرمانہ عقلیت کو ملزم قرار دے۔اور اگر نفس تمھارے دینی شعور اور احکام و اطاعت کی راہ مین فریق بن کر آئے تو اس کی حکم عدولی کو فرض سمجھو۔اس طرح فیصلہ کا اختیار بھی دشمن کو نہ دو کیونکہ برائی پر اکسانے والے نفس کو قاضی یا حاکم بنا دیا یعنی دل کے فیصلے کو قبول کرلیا تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی چالباز اور سازشی دشمن

کے ہاتھوں اپنا فیصلہ کرایا جائے۔

اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰہَ مِنۡ قَوۡلٍ بِلاَ عَمَلٍ
لَقَدۡ نَسَبۡتُ بِہٖ نَسۡلاً لِّذِیۡ عُقُمٖ

قول بلا عمل کے جرم کی اللہ سے معافی چاہتا ہوں درحقیقت میں نے (بغیر خود عمل کئے ہوئے صرف باتیں بنا کر ایسا کام کیا ہے جیسے) میں نے ایک بانجھ کی نسل کا نسب نامہ تیار کر دیا ہے۔

یعنی میں نے تم کو تو نیکی کی ہدایت کی مگر خود اس پر عمل پیرا نہ ہوا نہ ان باتوں سے فائدہ اٹھایا تو پھر میری اس بات کا کیا وزن رہ جاتا ہے جو میں تم سے کہتا ہوں کہ راست پر قائم رہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔ ”یاایھا الذین امنولم تقولون مالا تفعلون“ (سورۃ صف) یعنی جو کام تمھیں کرنا نہیں ہے وہ کہتے کیوں ہو۔ دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے کہ ”اتامرون الناس باالبر وتنسون انفسکم“۔ یعنی تم لوگوں کو تو نیک کام کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو کہ خود اس نیکی پر عمل نہیں کرتے اس آیت میں امر بالمعروف اور وعظ نصیحت کرنے والوں کو اس بات پر شرمندہ کیا گیا ہے کہ لوگوں کو تو نیک کام کی دعوت دو اور خود اس پر عمل نہ کرو اور مقصد یہ کہ ہے کہ جب دوسروں کو نصیحت کرتے ہو تو خود اپنے آپ کو نصیحت کرنا اس مقدم ہے جس کام کی طرف لوگوں کو بلاتے ہو خود بھی اس پر عمل کرو تاہم اگر عمل واجب یا سنت مئوکدہ کی طرف دعوت دے تو آیت مذکورہ پر نظر کر کے اپنے نفس میں نادم شرمندہ ہونے کا سلسلہ رکھنا بھی واجب ہے وہ اگر مستحبات کے متعلق ہے تو یہ سلسلہ ندامت بھی مستحب ہے۔

اَمَرۡتُکَ الۡخَیۡرَ لٰکِنۡ مَّا ائۡتَمَرۡتُ بِہٖ
وَمَا اسۡتَقَمۡتُ فَمَا قَوۡلِیۡ لَکَ اسۡتَقِمٖ

میں نے تمھیں نیکی کی ہدایت کی مگر خود اس پر عمل نہیں کیا اور نہ ان باتوں سے فائدا اٹھایا پھر میری اس بات کا کیا وزن رہ جاتا ہے جب میں تمھیں کہوں کہ استقامت اختیار کرو۔

یعنی میرا حال دیگراں را نصیحت اور خود میاں فضیحت جیسا ہے کہ دوسروں کی نیکی کی ہدایت کر رہا ہوں مگر خود ان نیکی کی باتوں پر عمل کرنے سے قاصر ہوں تو ایسی حالت میں میری اس نصیحت کا کیا وزن اور کیا اثر رہ جاتا ہے۔

وَلاَ تَزَوَّدۡتُّ قَبۡلَ الۡمَوۡتِ نَافِلَۃً
وَلَمۡ اُصَلِّ سِوٰی فَرۡضٍ وَّلَمۡ اَصُمٖ

میں نے تو اتنا بھی نہیں کیا کہ مرنے سے پہلے کچھ نوافل کا توشہ جمع کرلوں سوائے فرض نماز روزے کے میں نے نہ تو نمازیں پڑھیں اور نہ روزے رکھے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ فرض نمازوں کے علاوہ حسب توفیق نوافل بھی ادا کرنے چاہیں اور اسبارہ میں اللہ جل شانہ سے توفیق طلب کرنی چاہیے کہ تمام نیک کام اسکی توفیق اور امداد سے پائیہ تکمیل تک پہنچتے ہیں ایک حدیث میں جناب سرورِ کونین ﷺ کا مبارک ارشاد ہے کہ قیامت میں آدمی کے اعمال میں سب سے پہلے فرض نماز کا حساب کیا جائے گا۔ اگر نماز اچھی نکل آئی تو وہ شخص کامیاب ہوگا اور بامراد اور اگر نماز بیکار ثابت ہوئی تو نامراد خسارہ میں ہوگا اور اگر نماز میں کچھ کمی پائی گئی تو ارشاد خداوندی ہوگا کہ دیکھو اس بندہ کے پاس کچھ نفلیں بھی ہیں جن سے فرضوں کو پورا کر دیا جائے گا اور نفلوں سے فرضوں کی تکمیل کر دی جائے گی اس کے بعد پھر اسی طرح باقی اعمال روزہ۔ زکوٰۃ وغیرہ کا حساب ہوگا۔ اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کو نفلوں کا ذخیرہ بھی اپنے پاس کافی تعداد میں رکھنا چاہیے۔ کہ اگر فرضوں میں کچھ کوتاہی نکلے تو میزان پوری ہو اجائے۔ چونکہ ہم لوگوں سے نمازوں میں کمی کوتاہی بسا اوقات ہوتی ہی رہتی ہے اس لئے نوافل کا سٹاک رکھنا بھی بہت ہی ضروری ہے اور امام بوصیریؒ بھی اس شعر میں یہی فرمارہے ہیں۔

ظَلَمْتُ سُنَّةَ مَنْ اَحْيَ الظَّلَامَ اِلٰى

اَنِ اشْتَكَتْ قَدَ مَاهُ الضُّرَّ مِنْ وَّرَمٖ

میں نے اس ذات گرامی کی راہ ہدایت پر ظلم کیا جو راتوں کو بیدار رہا کرتی تھی اس حد تک کہ آپؐ کے پائے مبارک پر ورم آجایا کرتا تھا۔

اس شعر میں حضورِ اکرم ﷺ کی نماز تہجد کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جناب رحمت کائنات ﷺ نماز میں اتنی دیر قیام فرماتے تھے کہ آپؐ کے دونوں پاؤں مبارک پھٹ پھٹ جاتے تھے دوسری روایت میں وارد ہے کہ جناب امام الانبیاء ﷺ اتنی دیر قیام فرماتے تھے (یا) نماز پڑھتے تھے (روایت میں لفظی اختلاف ہے) کہ آپؐ کے دونوں پائے مبارک ورم کر جایا کرتے تھے صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ اتنی مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں تو آپؐ فرماتے کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ اس شعر سے ایک گمان یہ ہوسکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا ہمیشہ کا یہ معمول تھا لیکن احادیث وشمائل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور ﷺ عام طور سے مع وتر گیارہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ پندرہ رکعت کی روایت ملتی ہے لیکن حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ان نمازوں کی خوبی اور طوالت کو بیان نہیں کیا جا

سکتا۔ایسی بھی راتیں گزری ہیں کہ دو رکعت میں رات تمام ہوگئی۔ایسا بھی ہوا کہ پہلی رکعت دو منزل یا تین منزل کی تلاوت فرمائی۔ رکوع قیام کے بقدر کبھی کبھی طویل ہوتا تھا۔علامہ ابو بکر العامری نے ''بھجۃ المحافل'' میں اور ابن کثیر نے سورہ طٰہٰ کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ جناب سید یوم النشور ﷺ اس کی کثرت سے پوری پوری رات نوافل میں گزار دیتے تھے کہ کفار نے کہنا شروع کر دیا کہ قرآن محمد ﷺ کو مشقت میں ڈالنے کو نازل ہوا ہے۔اس کے رد میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

''طٰہٰ مَآ انزلنا علیک القرٰن لتشقیٰ'' (طٰہٰ۔اس واسطے نہیں اتارا ہم نے قرآن کہ تو محنت میں پڑ جا۔)

سورہ مزمل کی ابتدائی آیات اور دوسرے رکوع میں جناب سید المرسلین ﷺ کو ہدایت فرمائی گئی کہ اے محبوب آپؐ راتوں کا کچھ حصہ آرام میں بھی بسر فرمائیں نصف یا تہائی رات عبادت کے لئے کافی ہے۔ بعض صحابہؓ سے روایت ہے کہ آخر میں حضور نبی کریم ﷺ کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ اول نصف شب آرام فرماتے دوسرے نصف میں اٹھتے۔ پھر اس کا چھٹا حصہ آرام فرماتے اس کے بعد پھر اٹھتے تو اشراق تک عبادت فرماتے۔علامہ بوصیریؒ فرماتے ہیں کہ جس ذات گرامیؐ کی عبادتوں کا یہ حال ہو اسکی سنت پر ہم نے تو ظلم کیا یعنی اس کا اتباع نہیں تو ہم کس طرح اپنے آپ کو جانثار اور عاشق شمار کریں۔

وَشَدَّ مِنْ سَغَبٍ اَحْشَآءَہٗ وَطَوٰی
تَحْتَ الْحِجَارَۃِ کَشْحاً مُّتْرَفَ الْاَدَمِ

(اور میں نے اس ذات گرامیؐ کی سنت پر ظلم کیا جنہوں نے) بھوک کی شدت کو دبانے کے لئے اپنے پیٹ کو باندھا اور اپنی کمر کے اوپری حصہ پر جس کی جلد انتہائی نازک تھی پتھر رکھا۔

صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپؐ اپنے اصحاب سے بیٹھے گفتگو فرما رہے ہیں اور شکم مبارک کو ایک پٹکے (کپڑے کے ٹکڑے) سے باندھ رکھا ہے لوگوں نے بتایا کہ یہ بھوک کی وجہ سے تھا۔ پیٹ پر پتھر باندھنے کی روایت امام بخاریؒ نے اس طرح نقل فرمائی ہے۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تین دن تک اس طرح رہے کہ کھانے کی کوئی چیز چکھی تک نہیں یہ اس وقت کی بات ہے جب صحابہؓ خندق کھود رہے تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ یہاں ایک سخت چٹان آ گئی ہے ہمارے پھاوڑے اس کو توڑنے سے قاصر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر پانی کا چھڑکاؤ کرو۔ صحابہ نے چھڑکاؤ کر دیا پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اپنے دست مبارک میں

چھوڑ الیا۔ بسم اللہ کہا اور تین ضربیں لگائیں وہ چٹانیں مٹی کا ڈھیر ہو گئیں ۔حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ اچانک میری نگاہ پڑی تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے شکم مبارک پر پتھر باندھ رکھا تھا۔

حضرت طلحہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے جناب رسالت ﷺ سے بھوک کی شکایت کی اور ہم نے اپنے اپنے شکم آپ کو دکھائے کہ ہر ایک نے ایک ایک پتھر باندھ رکھا تھا اس پر جناب نبی اکرم ﷺ نے اپنا شکم مبارک کھول کر دکھایا تو اس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے ۔مگر معلوم رہے کہ یہ فقر و فاقہ اختیاری تھا نہ کہ اضطراری ۔ چنانچہ اگلے شعر میں آتا ہے:۔

وَرَاوَدَتْهُ الْجِبَالُ الشُّمُّ مِنْ ذَهَبٍ
عَنْ نَّفْسِهٖ فَاَرَاهَا اَيَّمَا شَمَمٖ

اور سونے کے سربلند پہاڑوں نے حضورؐ کا دل لبھانا چاہا مگر حضورؐ نے بے مثال بلند ہمتی کا مظاہرہ فرمایا۔

یہ شعر بھی گزشتہ اشعار سے معنی میں مربوط ہے شاعر کہتا ہے کہ ہم نے اس ذات گرامی کی سنت پر عمل کیا جن کی عبادت بے مثال تھی جو اپنے اختیار کردہ فقر و افلاس میں زندگی گزارتے تھے پیٹ پر پتھر باندھ کر رہتے تھے اور اگر وہ چاہتے تو دنیا و مافیہا کی تمام کی تمام دولت آپ کے قدموں پر ڈھیر ہو سکتی تھی ۔ روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے رب نے مکہ مکرمہ کے سارے کنکروں کو سونے میں تبدیل کر کے مجھے پیش کیا تو میں نے عرض کیا بارِ الٰہ مجھے یہ نہ دے ۔مجھے تو اتنا دیجئے کہ ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن شکم سیر ہو کر کھاؤں ۔جب شکم سیر ہو کر کھاؤں تو تیری حمد کروں اور جب بھوکا رہوں تو تجھ سے گڑگڑا کر مانگوں اور دعا کروں ۔شیخ ابراہیم باجوریؒ نے اپنی شرح بردہ میں ایک اور روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے۔

روایت ہے کہ ایک بار حضرت جبرائیلؑ جناب رسالتمآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپکو سلام کہتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ چاہتے ہیں کہ ان سب پہاڑوں کو سونے چاندی کا بنا دیا جائے جو ہمیشہ آپ کے قبضہ میں رہیں جہاں آپؐ جائیں یہ پہاڑ آپؐ کے ساتھ چلیں ۔جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک لمحہ کے لئے سر جھکایا پھر سر اٹھا کر فرمایا۔اے جبرائیل! دنیا اس کا ٹھکانا ہے جس کا (آخرت میں کوئی ٹھکانا نہیں ہے یہ اس شخص کی پونجی ہے جس کا آخرت میں کوئی سرمایہ نہیں ہے حضرت جبرائیل نے فرمایا۔اللہ آپ کو پکی بات پر قائم رکھے (یعنی آپ نے بہت ٹھوس اور پکی بات فرمائی) امام بوصیریؒ کا

یہ شعر اپنی جگہ ہر طرح مکمل ہے کہ دنیا کی ہر نعمت کا لالچ سرداران قریش نے بھی آنجناب کو دیا تھا۔ انہوں نے مال و دولت حکومت و جاہت۔ عیش و عشرت کے ذریعہ آپؐ کا دل لبھانا چاہا مگر آپ نے بے مثال بلندی کا مظاہر فرمایا اور کہا کہ میں اللہ کی طرف سے مامور بندہ ہوں مجھے آپ کے مال حکومت اور عزت کا حصول اس ذریعہ سے مقصود نہیں ہے۔

وَاَكَّدَتْ زُهْدَهٗ فِيهَا ضَرُوْرَتُهٗ
اِنَّ الضَّرُوْرَةَ لَا تَعْدُوْ عَلَى الْعِصَمِ

(امام بوصیریؒ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ) انسان کی بنیادی ضرورت ایسی چیز ہے کہ اس کو طلب کرنا اور اس مستفید ہونا پیغمبرانہ شان کے خلاف نہیں ہے اور نہ ہی ''معصوم'' ہونے کے منافی ہے۔

مگر آپؐ نے ان چیزوں میں بھی زہد اور بے رغبتی کا انداز رکھا لہٰذا ضروریات میں زہد اور بے رغبتی آپ کی بلندی کو مزید ثابت کرتی ہے جس کا گزشتہ شعر میں ذکر ہوا۔ تاہم معلم و مقصود کائنات ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی جو نعمت میسر ہوئی اس سے آپ نے انکار نہیں فرمایا آپؐ کی پیغمبرانہ بلندی کی یہ بھی ایک شان ہے اور سمجھنے والوں کے لئے آپؐ کی نبوت کی دلیل ہے کہ آپؐ نے بشری تقاضوں سے منہ نہیں موڑا۔ کسی حاسہ یا جسم کے کسی جائز مطالبہ کو مفلوج نہیں کیا کیونکہ آپ اس دنیا میں رہنے بسنے والے انسانوں کے لئے ''اسوہ کامل'' ہیں۔

وَكَيْفَ تَدْعُوْاِلَى الدُّنْيَا ضَرُوْرَةُ مَنْ
لَوْلَاهُ لَمْ تَخْرُجِ الدُّنْيَا مِنَ الْعَدَمِ

اور کس طرح دنیا کی طرف بلاتی اس ذات کی ضرورت کہ وہ مقدس ذات اگر نہ ہوتی تو خود دنیا عدم سے وجود کی طرف نہ لائی جاتی۔

یعنی آپؐ اس دنیا کی خلقت کے باعث ہیں آپؐ نہ ہوتے یہ کائنات نہ ہوتی۔ اپنے وجود کے لئے دنیا آپؐ کی طالب تھی آپؐ سبب ہیں باعث ہیں اس کائنات کی تخلیق کا۔ چنانچہ امام حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے حضرت آدمؑ نے جناب سرور کونین ﷺ کا نام نامی اسم گرامی محمدؐ عرش پر لکھا دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے آدم سے فرمایا اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔ نیز ایک اور روایت بیان کی جاتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں الہام کیا۔ چنانچہ انہوں نے پوچھا اے خدا تو نے مجھے ابو محمدؐ کی کنیت سے کیوں یاد کیا۔ کہا۔ آدم! سر اوپر اٹھاؤ۔ انہوں نے سر اٹھایا تو نور محمدیؐ کو

عرش کے پردوں میں چمکتا دیکھا' پوچھا یہ نور کس کا ہے فرمایا۔ یہ تمہاری اولاد میں سے ایک نبی کا نور ہے کہ آسمانوں میں جن کا نام احمدؐ اور زمین پر محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہے اگر وہ نہ ہوتا تو میں تجھے نہ پیدا کرتا اور نہ آسمانوں کو اور نہ زمین کو۔ حضرت سلمانؓ کی حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جناب ہادی عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس پیغام لائے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر میں نے ابراہیمؑ کو خلیل بنایا ہے تو آپ کو حبیب بناتا ہوں اور تمام مخلوق میں آپ سے عزیز تر اور کوئی نہیں میں نے دنیا اور اہل دنیا کو اس لئے پیدا کیا ہے تا کہ میں انہیں آپ کی شان وشوکت سے آگاہ کروں اگر آپؐ نہ ہوتے تو میں دنیا کو کیوں بناتا۔

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ
وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمٖ

محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سردار ہیں دونوں جہانوں کے اور جن وانس کے آقا ہیں اور عرب وعجم کے ملجا وماویٰ ہیں۔

یعنی جناب سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دونوں جہانوں کے سردار ہیں دنیا اور آخرت میں ہر کسی کا سہارا ہیں اور تمام انسانوں اور جنات کے نبی اور سربراہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام مجید میں خود اپنے لئے ''ربّ العالمین'' کا خطاب لاتے ہیں یعنی تمام جہانوں کے رب اور پالنے والے ہیں اب آسمان سے لے کر زمین، فضا، سمندر اور غرض جہاں جہاں کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہے اللہ تعالیٰ ان سب کا رب ہے انہیں پالنے والا ہے اسی طرح عالم برزخ میں بھی اللہ تعالیٰ شہداء کو رزق پہنچاتے ہیں جیسا کہ خود قرآن مجید میں صراحت سے مذکور ہے اور اس طرح عالم آخرت اور جنت و دوزخ میں بھی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو رزق فراہم فرمائے گا اور اپنی مخلوق کو پالے گا۔ کیونکہ وہ عالمین کا رب ہے تو جن عالمین کا رب اللہ ہے وہاں کی مخلوق کے لئے رحمت اور باعث رحمت جناب رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وما ارسلنک الا رحمۃ اللعالمین'' اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت اور رسالت حضرت آدمؑ سے لے کر قیامت تک عامۃ الخلق کے لئے قرار پائی اور تمام انبیاء اپنی امتوں سمیت آپؐ کی امت میں شمار ہوتے ہیں اور حضور سرورکائنات علیہ التحیۃ والتسلیم فرماتے ہیں کہ میں تمام انسانوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔

خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ جب جناب رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت مبارک ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک بڑا سا بادل دیکھا جس کی چمک میں میں نے گھوڑوں کا ہنہنانا' پردوں کی سرسراہٹ اور انسانوں کی گفتگو سنی پھر میں ایک شخص کو منادی کرتے سنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو تمام دنیا میں لے کر پھراؤ اور جنوں اور انسانوں کے ہر مقدس فرد اور فرشتوں اور پرندوں

اور وحشی جانوروں سے روشناس کراؤ۔ میں نے دیکھا کہ آپ نے سبز رنگ کا ایک ریشمی کپڑا جو اچھی طرح لپٹا ہوا تھا اور جس سے پانی ٹپک رہا تھا، مٹھی میں پکڑا ہوا ہے۔ میں نے ایک آدمی کو کہتے سنا رب کعبہ کی قسم آپ دنیا کے امام اور دنیا والوں کے لئے چراغ ہدایت ہیں۔ اور بادشاہان عالم کے تخت اوندھے ہو گئے ہیں اور مشرق کے جنگلی جانور مغرب کے جانوروں کو بشارت دینے گئے ہیں اور اس طرح سمندری جانور بھی ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے ہیں۔ دیگر مخلوقات کی طرح آپؐ عالم جنات کے بھی نبی ہیں اور ان کے لئے بھی رحمۃ اللعالمینؐ ہیں۔ اور جنات بھی نبوت محمدیؐ پر ایمان لائے تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عکاظ کے میلہ میں تبلیغ کے لئے تشریف لے جا رہے تھے۔ تو راستہ میں رات کے وقت مقام نخلہ میں قیام ہوا اور صبح کے وقت حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رفقاء کے ساتھ صبح کی نماز میں مصروف تھے اور قرآن مجید کی آیتیں جہر کے ساتھ، تلاوت فرما رہے تھے کہ اتفاق سے جنوں کی ایک جماعت کا جو اسی مقصد کے لئے تہامہ کی طرف آئی تھی اس مقام پر گذر ہوا۔ اس جماعت نے جب قرآن مجید کی آیتیں سنیں تو یکبار پکار اٹھی کہ یہی وہ نور حق ہے جو درخشاں ستاروں میں ہمیں نظر آتا ہے وہ قوم لوٹ کر باقی جنات کی قوم کے پاس گئی اور ان کو خاتم النبین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ظہور کی بشارت سنائی۔

نَبِيُّنَا الْاٰمِرُ النَّاهِيْ فَلَآ اَحَدٌ
اَبَرَّ فِيْ قَوْلِ لَا مِنْهُ وَلَا نَعَمِ

وہ ہمارے نبی ہیں، حکم دینے والے، روکنے والے آپؐ سے زیادہ سچا حق بات کہنے والا کوئی انسان نہیں ہے آپؐ کے ہاں کہنے اور نہیں کہنے دونوں میں آپؐ کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔

جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے امور ممنوعہ سے ہم کو منع فرماتے ہیں اور امور مشروعہ مثل فرائض و واجبات کی بجا آوری کا ہم کو حکم فرماتے ہیں یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ اور ان کے ان احکام کی ایک حتمی اور مسلمہ اتھارٹی ہے کیونکہ ایک تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر مامور ہیں اور انسانوں کو بلا چوں چراں آپؐ کی اطاعت کا پابند کیا گیا ہے۔ دوسرا یہ کہ آپؐ جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں وہ صرف منجانب اللہ وحی ہوتا ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپؐ خاتم النبین ہیں اور آپؐ پر دین مکمل ہو گیا ہے اب اس دین میں کسی تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا آپ کے فرمودات تمام امور میں حتمی اور آخری ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پابند کر دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو عطا فرما دیں وہ لے لو اور جس چیز سے منع فرما دیں اس سے رک جاؤ: وما اتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ

فاتّقوا۔ لہٰذا اس فرمان خداوندی کا تقاضا ہے کہ ہمارے تمام اعمال فرائض و واجبات اور اوامر و نواہی کی تعمیل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت ہی کی نیت سے ہونی چاہیے اور بتقاضائے محبت آپؐ کے تمام آداب و خصائل اور سنن عادیہ کو بھی شعار زندگی بنایا جائے اور اس میں بھی اتباع نبویؐ کی نیت اور عزم ہونا چاہیئے تا کہ ہمارا ہر عمل انشاء اللہ مقبول بھی ہو اور عند اللہ محبوب بھی۔ دنیا میں حیات طیبہ کا باعث بھی ہو اور آخرت میں آپ کی نسبت گرامی کی بدولت میزان عمل میں گراں بہا اور گراں قدر بھی ہو اور یہ نیت و عمل ایک اختیاری امر ہے اور امر اختیاری کا ہر شخص مکلف ہے اور یہ اس کے لئے نہایت آسان بھی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

هُوَ الْحَبِيْبُ الَّذِىْ تُرْجٰى شَفَاعَتُهٗ

لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَ هْوَالِ مُقْتَحِمِ

آپؐ وہ محبوب ذات ہیں جن کی شفاعت کبریٰ کا آسرا ہر پیش آنے والی ہولناک حالت میں کیا جاتا ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات بابرکات اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی محبوب ہے اور تمام جنوں و انس کے لئے بھی اور شفاعت کبریٰ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خصوصی وصف ہے یعنی آقائے نامدار حضرت محمد مصطفی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کے بھی خصوصی حبیب ہیں۔ اور تمام انسانیت کے لئے بھی حبیب ہیں۔ اور اس شان محبوبیت کے پیش نظر آنجناب سے شفاعت کی امید کی جاتی ہے اور آپ آسرا ہیں دنیا و آخرت میں پیش آنے والی تمام ہولناکیوں میں۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اپنی جسمانی بیماریوں سے شفاء حاصل کرنے کے لئے خود بھی کاشانہ نبویؐ پر حاضر ہوتے اور اپنی اولاد و دیگر عزیز و اقارب کی جسمانی تکالیف اور بیماریوں سے شفا چاہنے کے لئے بھی بدستور حاضر ہوتے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعاؤں سے ایسے شفایاب ہوتے کہ پھر وہ بیماری یا تکلیف زندگی بھر ان کے نزدیک نہ آتی۔ بخاری شریف میں مذکور ہے کہ غزوہ خیبر میں آپؐ نے دریافت کیا علیؑ کہاں ہیں صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کی آنکھیں دکھتی ہیں فرمایا: بلاؤ۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام آئے آپؐ نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن ڈالا اور دعا فرمائی آنکھیں ٹھیک ہوگئیں۔ حضور نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام بیماریوں کا روحانی علاج فرمانے کے ساتھ ساتھ ادویہ سے بھی علاج تجویز فرماتے تھے۔ جیسا کہ "طب نبویؐ اور جدید سائنس"، جیسی متعدد کتب آج کل مارکیٹ میں دستیاب ہیں۔ علاوہ ازیں صحابہ کرامؓ

آنجناب ؐ کو قحط کی صورت میں، بارش نہ ہونے، بارشیں زیادہ ہونے، آندھیوں اور زلزلوں کے وقت آسرا بناتے اور حضور ﷺ کے دامن عاطفت میں پناہ پکڑتے۔ اور حضور ﷺ کے اس جہان فانی سے منتقلی کے بعد صحابہ کرامؓ اور صلحائے امت اب تک بدستور قبر اطہر سے فیض حاصل کرتے رہے ہیں اور تمام مسلمان قیامت تک شفاعت حاصل کرتے رہیں گے۔ چنانچہ مناسک کی کتابوں میں مذکور ہے کہ جو شخص روضہ اقدس پر حاضر ہو اسے چاہئے کہ صلوٰۃ وسلام کے بعد سید دوعالم ﷺ سے شفاعت طلب کرتے ہوئے یوں کہے یارسول اللہ ﷺ میں جناب سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں اور آپؐ کا وسیلہ پکڑتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ میری موت آپؐ کی ملت اور آپ کی سنت پر فرمائے۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۳۳۷)

یہ تو ہے دنیا کی ہولناکیوں سے شفاعت۔ قیامت کی ہولناکیاں جن کا تصور بھی ہمارے لئے مشکل ہے۔ جس روز انبیاء علیھم السلام بھی گھبرا جائیں گے سرورکونین ﷺ اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ سرورکون ومکان ﷺ عرش کے دائیں جانب اعلیٰ مقام (مقام محمود) پر کھڑے ہوں گے جہاں دوسرا کوئی نہیں ہوگا آپ ؐ کو اس مقام پر دیکھ کر سب رشک کریں گے اور جناب شفیع المذنبین ﷺ نے فرمایا یہی وہ مقام ہے جہاں سے میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔ اور صاحب مواھب نے اس شفاعت کو پانچ اقسام پر تقسیم فرمایا ہے۔

۱۔ میدان حشر میں سختی اور مصائب میں کمی کرانا۔

۲۔ جنت میں اپنے غلاموں کو بلاحساب داخل کرانا۔

۳۔ جو لوگ بداعمالیوں کی وجہ سے مستحق جہنم ہو چکے ہوں گے ان کی شفاعت۔

۴۔ ان گناہ گاروں کو جہنم سے نکالنا جو دوزخ میں پکار رہے ہوں گے۔

۵۔ جنتیوں کے درجات میں ترقی کرانا۔

پس پیغمبر اعظم وآخر ﷺ تمام مخلوق جن وانس میں سے گناہ گاروں اور عصیاں شعاروں کی شفاعت فرمائیں گے۔ آپؐ کی ذات اقدس ہی شفاعت کے لئے متعین ہے۔ علامہ قرطبیؒ اور بعض دیگر مفسرین نے بھی لکھا ہے کہ جناب شفیع المذنبین ﷺ پانچ شفاعتیں فرمائیں گے۔

۱۔ شفاعت عامہ: جس سے مومن کافر اپنے اور بیگانے سب مستفیض ہوں گے۔

۲۔ بعض خوش نصیبوں کے لئے بغیر حساب کے جنت میں داخل کرنے کی شفاعت فرمائیں گے۔

۳۔ وہ موحد جو اپنے گناہوں کے باعث عذاب دوزخ کے مستحق قرار پائیں گے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے بخش دیئے جائیں گے۔

۴۔ وہ گناہ گار جنہیں دوزخ میں پھینک دیا جائے گا حضور شفاعت فرما کر ان کو وہاں سے نکالیں گے اور جنت میں پہنچائیں گے۔

۵۔ اہل جنت کے مدارج کی ترقی کے لئے سفارش فرمائیں گے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے ستائیس صحابہ کرامؓ سے حدیث شفاعت مروی ہونے کی تصدیق کی ہے لیکن ان صریح احادیث صحیحہ کے باوجود، معتزلہ اور خوارج نے شفاعت کا انکار کیا ہے۔ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہے بڑا بدبخت ہے وہ آدمی جو شفاعت کا منکر ہے۔

دَعَا اِلَى اللّٰهِ فَالْمُسْتَمْسِكُوْنَ بِهٖ
مُسْتَمْسِكُوْنَ بِحَبْلٍ غَيْرِ مُنْفَصِمٖ

اس ذات گرامیؐ نے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا سو جس نے ان کی اطاعت کی اور ان کی رسی (دین) پکڑ لی تو اس نے ایسی مضبوط رسی کو پکڑ لیا جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں۔

قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے وداعیاً الی اللہ باذنہ وسراجاً منیراً۔ (اور آپ) لوگوں کو اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے اور ایک روشن چراغ ہیں (سورۃ الاحزاب آیت ۴۵)۔ آپؐ لوگوں کو کفر کے اندھیروں سے نور ہدایت کی طرف بلانے والے ہیں اور جن خوش نصیبوں نے آپؐ کی آواز پر لبیک کہا انہوں نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیا کیونکہ ارشاد خداوندی ہے کہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (انساء آیت ۸) جس شخص نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ پس جس نے رسولؐ کی رسی کو پکڑا اس نے اللہ کی رسی کو پکڑا۔ اور یہ رسی اتنی مضبوط ہے کہ ٹوٹنے والی نہیں نہ یہ کمزور ہونے والی ہے گویا محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبین ہیں جس نے آپؐ کی ختم نبوت کا اقرار کر لیا اس نے نہ ٹوٹنے والی رسی کو پکڑ لیا اور دین محمدیؐ کبھی منسوخ ہونے والا نہیں اور قیامت تک قائم ہے۔

فَاقَ النَّبِيّٖنَ فِيْ خَلْقٍ وَّفِيْ خُلُقٍ
وَلَمْ يُدَانُوْهُ فِيْ عِلْمٍ وَّلَا كَرَمٖ

جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسن صورت اور حسن سیرت میں تمام انبیاءؑ پر فوقیت رکھتے ہیں اور کوئی نبی آپؐ کے علم و کرم یعنی تمام صفات ظاہریہ و باطنیہ میں آپ کے علو شان کو نہیں پہنچ سکتا۔

سلسلہ امامت کے چوتھے تاجدار حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اپنے والد ماجد سید الشہداء مظلومِ کربلا حضرت امام حسین علیہ السلام سے اور وہ اپنے والد گرامی شہنشاہِ ولایت امیر المومنین جناب حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام سے روایت فرماتے ہیں کہ امام الانبیاء حضرت محمد مصطفی احمد مجتبیٰ ﷺ نے فرمایا کہ میں آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار سال پہلے اپنے پروردگار کے حضور میں ایک نور تھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ کنت نبیا و آدم بین الجسد والروح۔ یعنی میں اس وقت نبی تھا جب حضرت آدمؑ روح اور جسم کے درمیان تھے یعنی ان کا پتلا بھی تیار نہیں ہوا تھا۔ اسی سلسلہ امامت کے پانچویں تاجدار باقر العلوم حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے حضرت سہیل بن سعد نے پوچھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو سب انبیاء سے تقدم کیسے ہو گیا حالانکہ آپ سب کے آخر میں مبعوث ہوئے تو انہوں نے جواب دیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی آدم سے یعنی ان کی پشتوں سے ان کی اولاد کو (عالم میثاق) میں نکالا اور ان سب سے ان کی ذات پر یہ اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب سے اول (جواب میں) بلیٰ (یعنی کیوں نہیں) محمد ﷺ نے کہا اور اسی لئے آپ کو سب انبیاءؑ سے تقدم ہے گو آپ سب سے آخر میں مبعوث ہوئے۔

امام ابوالحسن قابسیؒ فرماتے ہیں کہ فخر دو عالم ﷺ کو جس فضیلت عظمیٰ کے ساتھ نوازا گیا ہے اس سے کسی دوسرے نبی کو مشرف نہیں کیا گیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب و حکمۃ ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتومنن بہ ولتنصرنہ۔ الخ
>
> اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔ (سورہ آل عمران پ ۳)

بعض مفسرین کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے عہد لیا تھا کہ جب بھی وہ کسی نبی کے پاس وحی لے کر جائے تو اس کے سامنے نبی آخر الزمان ﷺ کا ذکر کرے اور ان کے فضائل و کمالات بیان کرنے کے بعد اس نبی سے یہ عہد لے کہ اگر وہ سید الرسل خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کا زمانہ پائے تو ان پر ایمان لانا ہو گا۔ مولائے کائنات شہنشاہ ولایت اسد اللہ الغالب حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جملہ انبیائے کرام علیہم السلام سے یہ عہد لیا کہ اگر وہ اپنی زندگی میں محمد رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پائیں تو انہیں نبی آخر الزمان

ﷺ پر ضرور ایمان لانا ہوگا اور ضرور انکی مدد کرنا ہوگی۔ معلم ومقصود کائنات ﷺ فرماتے ہیں:

انا سید الاولین والاخرین ولا فخر۔

میں اولین وآخرین کا سردار ہوں اور یہ بات بطور افتخار نہیں کہتا

اور کہیں فرمایا:

انا اتقی ولد ادم واکرمھم علی اللہ ولا فخر۔

میں اولاد آدم میں اتقی الناس اور اکرم الناس ہوں اور یہ بات بطور افتخار نہیں کہتا۔

حضور اکرم سرور کونین ﷺ کی ذات بابرکات عالی صفات تمام اخلاق وخصائل صفات جمال میں اعلیٰ واشرف واقویٰ ہے ان تمام کمالات محاسن کا احاطہ کرنا اور بیان کرنا انسانی قدرت وطاقت سے باہر ہے کیونکہ وہ تمام کمالات جن کا عالم امکان میں تصور ممکن ہے سب کے سب تاجدار دو عالم ﷺ کو حاصل ہیں۔ تمام انبیاء ومرسلین آپ کے آفتاب کمال کے چاند اور انوار جمال کے مظہر ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے حضور پر نور ﷺ کی ذات کریم رؤف الرحیم میں مکارم اخلاق محامد صفات اور ان کی کثرت وقوت اور عظمت کے لحاظ سے قرآن کریم میں مدح وثناء فرمائی ہے اور ارشاد ہے: ''انک لعلی خلق عظیم'' اور جناب ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ''کان خلقہ القرآن'' آپؐ کا اخلاق قرآن تھا۔

اسی طرح امام الانبیاء کی ذات اقدس تمام علوم میں تمام انبیاء سے افضل ہے اور قرآن مجید نے مطلقاً فرمایا ''وعلمک مالم تکن تعلم'' اے محبوبؐ جو نہ جانتے تھے ہم نے تمھیں سکھا دیا اور خود حضور ﷺ فرماتے ہیں ''انا مدینۃ العلم وعلی بابھا'' میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے۔ ''انا مدینۃ الحکمۃ وعلی بابھا'' میں حکمت کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے۔ امام نوویؒ کتاب ''تہذیب'' میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اخلاق وعادات کی تمام خوبیاں اور کمالات واعلیٰ صفات کی تمام قسمیں حضور اقدس ﷺ کی ذات گرامی میں جمع فرمادی تھیں۔ آپکو اللہ تعالی نے اولین وآخرین کے وہ تمام علوم جو آپ کے شایان شان تھے سے بہرہ ور فرمایا تھا اور آپ کو ایسے علوم عطا فرمائے گئے جو اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات میں کسی اور کو عطا نہیں کئے۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ کسی کا فہم اور کسی کا قیاس حضور سرکارِ دو عالم ﷺ کے مقام کی حقیقت اور آپؐ کے حال کی کنہ عظیم (بات کی تہہ) تک نہیں پہنچ سکتا۔

وَكُلُّهُمْ مِنْ رَسُولِ اللهِ مُلْتَمِسٌ
غَرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْرَشْفًا مِّنَ الدِّيَمِ

اور تمام انبیاء علیہم السلام حضور ﷺ سے ملتمس ہیں کہ آپ ؐ کے دریائے معرفت علم و حکمت میں سے ایک چلو یا آپ ؐ کے ابر کرم میں سے ایک قطرہ مل جائے۔

یعنی تمام انبیاء علیہم السلام آپ ؐ کے فیض کے طالب ہیں اور اس شعر کا فنی حسن یہ ہے کہ ''غرفاً من البحر'' یعنی ہاتھ سے چلو بھر کر لینے کو غرف کہتے ہیں اور ''رشفاً'' یعنی منہ سے پانی لینا جسے جرعہ یا گھونٹ کہتے ہیں اور ''دیم'' اس بارش کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جو بارش بغیر گرج چمک کے ہو۔ اور ''غرف'' دریا کے ساتھ اور ''رشف'' بارش کے ساتھ اس مناسبت کے لحاظ سے استعمال کیا گیا ہے کہ دریا کا پانی کھاری ہوتا ہے اس سے جسمانی طہارت غسل وضو کیا جاتا ہے تو دریا کے ساتھ چلو فرمایا اور بارش کا پانی شفاف اور شیریں ہوتا ہے اور تمام کثافتوں سے پاک ہوتا ہے اس پر رشف استعمال فرمایا کہ بارش کے قطرے براہ راست منہ میں آ سکتے ہیں تو حاصل کلام یہ ہے کہ حضور ﷺ کے علوم کی وسعت مانند سمندر کے ہے اور جود وسخا آپ کی مثل موسلا دھار بارش کے ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنے اپنے حصے کے علوم و کمالات اور معجزات معلم و مقصود کائنات ﷺ سے حاصل کئے۔

وَوَاقِفُوْنَ لَدَيْهِ عِنْدَ حَدِّهِمِ
مِنْ نُقْطَةِ الْعِلْمِ اَوْمِنْ شَكْلَةِ الْحِكَمِ

اور تمام انبیاء علیہم السلام دربار رسالت پناہ ؐ میں اپنی حد اور مرتبہ کے مطابق کھڑے ہیں اور انکی حد آپ کے علم سے نقطۂ علم یا اعراب حکمت کے برابر ہے۔

یعنی حضور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کو جو علم اور حکمتیں اللہ جل شانہ کی طرف سے عطا ہوئیں وہ اتنی وسیع اور کثیر ہیں کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے علوم اور حکمتیں ان سے وہی نسبت رکھتی ہیں جو کسی نقطہ یا اعراب کو کسی کتاب سے نسبت ہوتی ہے یعنی نہایت قلیل ابتدائے آفرینش سے لے کر قیام قیامت تک اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو جو فہم و فراست عطا فرمائی ہے حضور معلم و مقصودِ کائنات ﷺ کی عقل و رائے کے سامنے اس کی حیثیت و حقیقت اتنی بھی نہیں جتنی ریت کے ایک ذرہ کی دنیا بھر کے تمام ریگستانوں کے ذرات سے ہو تی ہے۔ اور چونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے درجات مختلف ہیں۔ پس بعض کو آپ ؐ کے علم و حکمت سے نقطہ کے برابر اور بعض کو اعراب کے برابر نسبت ہے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھے آسمانی مخلوق پر اور جملہ انبیائے کرام پر فضیلت دی گئی ہے پوچھا گیا کہ آسمانوں والوں پر فضیلت کس طرح معلوم ہوئی تو فرمایا کہ اہل آسمان سے باری تعالیٰ نے فرمایا تھا۔

ومن يقل منهم انى اله من دونه فذالك نجزيه جهنم ؕ كذالك نجزى الظلمين"(سورہ الانبیاء پ ۱۷)

اوران میں سے جو کوئی کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو ہم اسے جہنم کی سزادیں گے ہم ایسی ہی سزادیتے ہیں ستم کاروں کو۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فرمایا ہے:

انا فتحنا لک فتحامبیناً (سورۃ فتح پ ۲۶) بے شک ہم نے تیرے لئے روشن فتح فرمادی۔صحابہ کرامؓ عرض گذارہوئے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیگر انبیائے کرام علیہم السلام پر آپ کو کیا فضیلت حاصل ہے۔آپؐ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ جل شانہ نے ان کے بارہ میں فرمایا ہے:

وما آرْسَلْنَا من رسولٍ الابلسان قومہ لیبین لهم "

اورہم نے ہر رسول اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا کہ وہ انھیں صاف بتائے (سورہ ابراہیم پ ۱۳)

اور میرے متعلق اللہ رب العزت نے یہ فرمایا ہے:۔

"وما ارسلنك الا كافة للناس بشيراً ونذيراً"(سورہ سبا پ ۲۲)

آپ کی بعثت کا مقصد تمام انسانوں کے لئے بشارت دینے والا اور ڈرسنانے والا ہے دیگر انبیاء کے مقابلہ میں جس قدر خصائص نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا ہوئے وہ متعدد معتبر حدیثوں میں نام بنام خود زبان اقدس سے ادا ہوئے ہیں صحیحین میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا مجھ سے پہلے نبی خاص اپنی قوم میں بھیجے جاتے تھے۔اور میں تمام دنیا کے لئے بھیجا گیا ہوں چونکہ آپؐ خاتم النبین ہیں قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے مبعوث فرمائے گئے اس لئے آنجنابؐ کے علوم بھی اتنے ہی وافر اور اثر آفرین ہونے ضروری ہیں جو تمام انسانیت کے لئے تا قیامت کافی اور وافی ہوں اور انسانیت ان سے رشد و ہدایت حاصل کرتی رہے۔

فَهُوَ الَّذِیْ تَمَّ مَعْنَاهُ وَصُوْرَتُهُ

ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِيْباً بَارِئُ النَّسَمِ

پس آپکی ذات ہی ہے جو کمالات ظاہری اور فضائل باطنی میں درجہ کمال کو پہنچی ہوئی ہے پھر خالق کائنات نے آپ کو محبوب چن لیا۔

یعنی سرکار دو عالم ﷺ کی ذات گرامی خلق اور خُلق میں سب سے افضل اور تمام کمالات کی جامع ہے سب سے اشرف، اجمل اور اکمل ہے اور تمام کمالات ظاہری و باطنی اور فضائل ظاہری و باطنی میں مرتبہ کمال کی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے اور پھر اس پر مزید یہ کہ خالق کائنات نے آپ ﷺ کو اپنا حبیب بنایا ہے اور افضل المرسلین اور خاتم النبیین کر دیا۔ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ہر شخص یہ اعتقاد رکھنے کا مکلف ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا جسم مبارک جن اوصاف جمیلہ کے ساتھ متصف ہے کوئی دوسرا ان اوصاف میں حضور ﷺ جیسا نہیں ہوسکتا (شیم الحبیب) علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ حضور سرورِ کونین ﷺ کا پورا پورا جمال ظاہر نہیں کیا گیا ورنہ آدمی حضور ﷺ کو دیکھنے کی طاقت نہ رکھتے۔ آنحضرت ﷺ کے جمال مبارک کو کماحقہ تعبیر کرنا ناممکن ہے اور نورِ مجسم کی تصویر کشی قابو سے باہر ہے۔

اللھم صل وسلم وبارک علیٰ عبدک ورسولک وحبیبک سیدنا ومولانا وشفیعنا ومولانا محمد صاحب الوجہ الانور والجبین الازہر

نوٹ: میرے شیخ ومرشد سید نفیس الحسینی صاحب دامت برکاتہم وفیوضہم نے "سراپائے اقدس صلی اللہ علیٰ خیر خلقہ وآلہ وسلم" کے عنوان سے جو نعت مبارک لکھی ہے موقع کی مناسبت سے یہاں نقل کی جا رہی ہے۔

اے رسولِ امیں، خاتم المرسلیں، تجھ سا کوئی نہیں تجھ سا کوئی نہیں
ہے عقیدہ یہ اپنا بصدق و یقیں، تجھ سا کوئی نہیں تجھ سا کوئی نہیں
اے براہیمی و ہاشمی خوش لقب، اے تو عالی نسب، اے تو والا حسب
دُودمانِ قریشی کے دُرِّ ثمیں تجھ سا کوئی نہیں تجھ سا کوئی نہیں
دستِ قدرت نے ایسا بنایا تجھے، جملہ اوصاف سے خود سجایا تجھے
اے ازل کے حسیں، اے ابد کے حسیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
بزمِ کونین پہلے سجائی گئی، پھر تری ذات منظر پہ لائی گئی
سید الاولیں، سید الآخریں، تجھ سا کوئی نہیں تجھ سا کوئی نہیں
تیرا سکہ رواں کل جہاں میں ہوا، اس زمیں میں ہوا، آسماں میں ہوا
کیا عرب، کیا عجم، سب ہیں زیرِ نگیں، تجھ سا کوئی نہیں تجھ سا کوئی نہیں

تیرے انداز میں وسعتیں فرش کی ، تیری پرواز میں رفعتیں عرش کی
تیرے انفاس میں خلد کی یاسمیں ، تجھ سا کوئی نہیں تجھ سا کوئی نہیں

''سدرۃ المنتہیٰ'' رہگزر میں تری ''قاب قوسین'' گرد سفر میں تری
تو ہے حق کے قریں ، حق ہے تیرے قریں ، تجھ سا کوئی نہیں تجھ سا کوئی نہیں

کہکشاں ضو ترے سرمدی تاج کی ، زلف تاباں حسیں رات معراج کی
''لیلۃ القدر'' تیری منور جبیں ، تجھ سا کوئی نہیں تجھ سا کوئی نہیں

مصطفیٰ مجتبیٰ ، تیری مدح وثنا ، میرے بس میں نہیں دسترس میں نہیں
دل کو ہمت نہیں ، لب کو یارا نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں تجھ سا کوئی نہیں

کوئی بتلائے کیسے سراپا لکھوں ، کوئی ہے ! وہ کہ میں جس کو تجھ سا کہوں
توبہ توبہ ! نہیں کوئی تجھ سا نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں تجھ سا کوئی نہیں

چار یاروں کی شانیں جلی بھلی ، یہ صدیق ، فاروق ، عثماں ، علی
شاہد عدل ہیں یہ ترے جانشیں ، تجھ سا کوئی نہیں تجھ سا کوئی نہیں

اے سراپا نفیس انفس دوجہاں ، سرورِ دلبراں دل بر عاشقاں
ڈھونڈتی ہے تجھے میری جان حزیں ، تجھ سا کوئی نہیں تجھ سا کوئی نہیں

مُنَزَّہٌ عَنْ شَرِيْكٍ فِىْ مَحَاسِنِهٖ
فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِيْهِ غَيْرُ مُنْقَسِمٖ

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے پاک ہیں کہ آپ کی خوبیوں میں کوئی اور آپ کا شریک ہو پس جو ہر حسن جو آپ میں پایا جاتا ہے وہ غیر منقسم اور غیر مشترک ہے بلکہ آپ ؐ کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔

یعنی تمام خوبیوں کے آپ ؐ مستقل مالک ہیں اور آپ اس سے منزہ ہیں کہ آپکی خوبیوں میں بالذات کوئی اور آپ ؐ کا شریک ونظیر ہو۔ دیگر انبیاء علیہم السلام میں جتنی خوبیاں اور محاسن ہیں وہ آپ کی خوبیوں کا ظل ہیں کیونکہ وہ آپ ہی سے مستفاد ہیں یہ اشارہ ہے اس حدیث مبارک کی طرف جو حضرت جابر ؓ سے مروی ہے کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ ؐ پر فدا ہوں مجھ کو خبر دیجئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ

تعالیٰ نے کونسی چیز پیدا کی آپؐ نے فرمایا اے جابر اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبیؐ کا نور اپنے نور سے پیدا کیا پھر وہ نور قدرتِ الٰہیہ سے جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا سیر کرتا رہا اور اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم نہ بہشت تھی نہ دوزخ اور نہ فرشتہ تھا۔ اور نہ آسمان تھا نہ زمین اور نہ سورج تھا اور نہ چاند اور نہ جن تھا اور نہ انسان۔ پھر اس نور کو پھیلا کر اس سے لوح و قلم، عرش و کرسی، ملک و ملکوت اور تمام عالم و آدم پیدا کئے اور لفظ جوہر میں لطیف اشارہ ہے اس طرف کہ حقیقت حسن عدم انقسام میں مثل جوہر فرد کے ہے اور غیر منقسم اس لئے کہا کہ حقیقت حسن مصطفی ﷺ کے حصص و اجزاء نہیں کئے گئے بلکہ وہ تمام و کمال اوّلاً آپؐ ہی کی ذات مقدسہ پر منحصر رہے اور تمام عالم میں جو کچھ ہے وہ آپ کا پرتو اور سایہ ہے۔ ''صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما کثیرا کثیرا''

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّهِمْ
وَاحْکُمْ بِمَاشِئْتَ مَدْحًا فِیْهِ وَاحْتَکِمْ

وہ دعویٰ چھوڑ دے جو عیسائیوں نے اپنے نبی کی شان میں کیا ہے اور اس کے سوا آپؐ کی مدح میں جو تیرا جی چاہے قطعی دعویٰ کر۔

یعنی عیسائی جو دعویٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کرتے ہیں کہ وہ ابن اللہ ہیں یا تیسرے خدا ہیں ایسا دعویٰ نہ کر اور اس کے سوا یعنی ساقی کوثر ﷺ کو الٰہ ماننے کے علاوہ آپ کی مدح میں جس وصف کمال کا تیرا جی چاہے خوب خوب مدح بیان کر اس مدح مبارک کا قطعی دعویٰ کر اور اس پر خوب مستحکم اور استوار رہ۔ اور شافع محشر ﷺ کے معجزات و کمالات جو حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہیں زیادہ ہیں سن کر دیکھ کر بہک نہ جانا بلکہ نصاریٰ کے عقیدہ الوہیت کو چھوڑ کر باقی جو چاہو اپنے نبی مکرم ﷺ کی مدح کرو۔

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجهك المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقه
بعد از خدا بزرگ توئی قصه مختصر

اے صاحب حسن و جمال اور اے تمام انسانوں کے سردار! آپ کے چہرہ انور سے تو چاند روشن ہوا ہے آپ کی تعریف کا جیسا حق ہے کسی سے ادا نہیں ہو سکتی۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ خدا کے بعد آپ ہی ساری مخلوق سے اعلیٰ و افضل ہیں۔ ابو عبداللہ الرصاع مالکی نے تحفۃ الاخیار فی فضل الصلوۃ علی النبی المختار ﷺ میں رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے کے فضائل میں وارد تمام احادیث ذکر کر کے فرمایا کہ بعض ضعیف الایمان لوگ

بعض احادیث پر جرح وقدح کرتے رہتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیثیں صحاح میں وارد نہیں ہوئیں حالاں کہ ان کا یہ کہنا بدعقیدگی اور سید المرسلین ﷺ کی شریعت پر عیب لگانا ہے۔راہ صواب یہ ہے کہ جس بات کو اکثر علماء تسلیم کرلیں اسے تسلیم کرلیا جائے کیوں کہ آں جناب ﷺ کی امت کی عدالت اس بات سے ان کو منع کرتی ہے کہ وہ سید الرسل ﷺ پر جھوٹ بولیں حاشاوکلا! کہ علماء کرام جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمداً جھوٹ بولیں اور علماء کو یہ بھی معلوم ہے کہ ترغیب سے متعلق احادیث میں ان کی کیا کچھ قدرافزائی فرمائی گئی ہے یعنی پھر بلاشبہ تمام احادیث جس حقیقت پر متفق ہیں وہ یہ ہیں کہ نبی ﷺ پر درود بھیجنا کارفضیلت اور اللہ کے یہاں قابل قدر نیکی ہے اور اس کی بارگاہ میں آپ معزز اور مکرم ہیں اور بات قطعا برحق ہے کسی عقل مند کو اس میں شک نہیں ہوسکتا ہاں قدرے ثواب و بلندیٔ درجات کے بیان میں روایات میں اختلاف ہے (سعادت الدارین عربی صفحہ ۸۵)

وَانْسُبْ اِلٰی ذَاتِهٖ مَاشِئْتَ مِن شَرَفٍ
وَّانْسُبْ اِلٰی قَدْرِهٖ مَاشِئْتَ مِنْ عِظَمٖ

اس ذات بابرکات (ﷺ) کی طرف جو خوبیاں فضائل کمالات تو چاہے منسوب کردے اور آپؐ کی قدر عظیم کی طرف جو بڑائیاں تو چاہے نسبت کردے سب صحیح ہوں گی۔

یعنی جب اس امر کی آگاہی حاصل ہوچکی ہے کہ رحمت کائنات ﷺ کی ذات اقدس ہی باعث تخلیق کائنات ہے اور انبیاءؑ کو جو کمالات حاصل ہوئے ہیں وہ آپ ہی کی ذات مقدس کے آفتاب فیوض کا پرتو اور آپ ہی کے دریائے کرم وجود کا قطرہ ہیں تو اس ذات بابرکات کی طرف تمام خوبیاں اور صفات قابل تسلیم ہوں گی۔

جناب پیغمبر اعظم وآخر ﷺ جب غزوہ تبوک سے مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہوئے تو حضرت عباسؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مجھ کو اجازت دیجئے کہ کچھ آپ کی مدح کروں (چونکہ حضورؐ کی مدح خود طاعت ہے) اس لئے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہو اللہ تعالیٰ تمھارے منہ کو سالم رکھے چنانچہ انہوں نے جو شعر آپؐ کے سامنے پڑھے ان کا ترجمہ درج ذیل ہے ''زمین پر آنے سے پہلے آپؐ جنت کے سایہ میں خوشحالی میں تھے۔اور نیز ودیعت گاہ میں جہاں (جنت کے درختوں کے) پتے اوپر تلے جوڑے جاتے تھے۔یعنی آپؐ صلب آدمؑ میں تھے سو قبل نزول الی الارض کے جب وہ جنت کے سایوں میں تھے آپ بھی تھے اس کے بعد آپؐ نے بلاد (یعنی زمین) کی طرف نزول فرمایا اور آپ اس وقت نہ بشر تھے اور نہ مضغہ اور نہ علق۔بلکہ آپ (صلب آباء میں) محض ایک مادہ مائیہ تھے کہ وہ مادہ کشتی نوح میں سوار تھا اور حالت یہ تھی کہ

نسربت اوراس کے ماننے والوں کے لبوں تک طوفان غرق پہنچ رہا تھا۔اور وہ مادہ ایک صلب سے دوسرے صلب تک منتقل ہوتا رہا اور پھر یہ مادہ نار خلیل میں آیا اور جب آپؐ ان کی صلب میں مخفی تھے تو وہ کیسے جلتے پھر حضرت اسماعیلؑ کی صلب میں منتقل ہوا اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس مادہ نور کو جناب عبدالمطلب اور پھر ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ تک پہنچا دیا اور اس نسب شریف کو جاہلیت کی گندگی سے بچالیا اور جب آپؐ پیدا ہوئے تو زمین روشن ہوگئی اور آفاق منور ہو گئے۔" (ماخوذ العطور المجموعہ دارالبشائر اسلامیہ بیروت ص ۴۵)

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللهِ لَيْسَ لَهٗ
حَدٌّ فَيُعْرِبُ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمٖ

بے شک جناب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل کی کوئی حد نہیں کہ کوئی بولنے والا اپنی زبان و بیان سے ان کو اظہار کر سکے۔

گلشن اہل بیت علیہم السلام کے نخل سدا بہار یعنی حضرت امام جعفر صادقؑ نے آیت ویتم نعمتہ علیک۔ وعدہ الٰہی بابت اتمام نعمت فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا حبیب بنایا۔ آپ کی حیات مبارکہ کی قسم کھائی اور آپ کی شریعت مطہرہ سے دیگر شرائع کو منسوخ کر کے آپ کو بلند ترین مقام تک پہنچایا اور معراج میں آپ کی کمال حفاظت فرمائی یہاں تک کہ آپ نے کسی طرح آنکھ بھی نہ پھیری اور نہ آپ کی نظر حد سے بڑھی، آپ کو ہر سرخ و سفید یعنی جملہ بنی آدم کا نبی بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے مال غنیمت کو حلال قرار دیا آپ کو گناہ گاروں کی شفاعت کرنے والا اور شفاعت کا ماذون و مختار بنایا۔ اور آدمؑ کی ساری اولاد کا سردار بنایا۔ اور آپؐ کے ذکر کو اپنے ذکر سے اور آپ کی رضا کو اپنی رضا کے ساتھ ملایا اور آپ کو عقیدہ توحید کا ایک رکن قرار دیا ہے۔

فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل و کمالات اتنے لاتعداد ہیں کہ ان کا شمار کرنا ناممکن ہے اگر بالفرض درج ذیل عنوانات ہی کے تحت کوئی انسان فضائل و کمالات کو سپرد قلم کرے تو یقیناً ایک ایک موضوع پر ہزاروں صفحات لکھے جاسکتے ہیں مثال کے طور پر نبوت رسالت، خلت، محبوبیت، اصطفاء، اسراء، رویت باری تعالیٰ، قرب و دنو، وحی، شفاعت عاصیاں، وسیلہ، درجات رفیعہ، مقام محمود، براق، معراج اعظم، ساری کائنات کی طرف بعثت، تمام انبیاء کا امام بنا کر نماز پڑھانا، انبیاء کرام اور انکی امتوں پر شاہد ہونا، بنی آدم کی سرداری، لواء الحمد، بشارت و نظارت، مالک عرش و فرش کا قرب خاص، اطاعت، امانت، ہدایت، ساری

کائنات کیلئے رحمت ہونا، عطیہ رضا، سوال، حوض کوثر، کلام الٰہی کا سننا، اتمام نعمت، اگلے پچھلوں کی مغفرت کا باعث، شرح صدر، مخلوق کا بوجھ ہلکا کرنے والا، رفعت ذکر، تائید ایزدی سے سرفراز، صاحب سکینہ، تائید ملائکہ، صاحب کتاب وحکمت وسبع مثانی وقرآن عظیم، امت کا تزکیہ کرنا، مخلوق کو خالق کی طرف بلانا، اللہ اور ملائکہ کا صلوۃ بھیجنا، خدا نے اس کے نام (حیات کی قسم کھائی)، اجابت دعا، جمادات کا آپؐ سے کلام کرنا، مردوں کو زندہ کرنا، بہروں کو سنانا، انگلیوں سے پانی کے چشمے بہانا، چاند کو شق کرنا، سورج کا لوٹانا، قلب اعیان، ابر کا سایہ کرنا، کنکریوں کا تسبیح پڑھنا اور لوگوں کے شر سے آپ کو محفوظ رکھنا وغیرہ۔ ایسے کمالات ہیں جن کا کسی سے احاطہ نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ رب العزت کے سوا کسی میں یہ طاقت ہی نہیں کہ کمالات مصطفویہؐ کا احاطہ کر سکے۔ علاوہ بریں آپ کے وہ فضائل وکمالات بھی ہیں جو خدائے ذوالجلال نے یوم آخرت اور اس کے بعد کے لئے آپ کی ذات مقدسہ کے لئے ذخیرہ کر چھوڑے ہیں یہ وہ نعمتیں ہیں کہ عقل ان کو سمجھنے سے قاصر ہے اور ان کی حقیقت کی جانب پرواز کرنے سے مرغان وہم گمان کے پر جل جاتے ہیں۔ اور جس طرح اللہ رب العالمین نے سورہ لقمان میں اپنے لئے ارشاد فرمایا:

ولو ان ما فی الارض من شجرۃٍ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحرٍ ما نفدت کلمات اللہ۔

روئے زمین کے سب درخت قلمیں بن جائیں اور سمندر اور ان کے علاوہ سات سمندر سیاہی بن جائیں (تاکہ کلمات الٰہی کو لکھ سکیں) تو اس کے کلمات ہرگز ختم نہیں ہوں گے۔

یعنی یہ قلمیں گھس کر ختم ہو جائیں اور ان سیاہیوں کا آخری قطرہ تک ختم ہو جائے لیکن جہانِ ہستی کے اسرار وحقائق ابھی باقی ہوں گے۔ یقیناً اسی طرح اللہ رب العالمین کے محبوب اور باعث تخلیق کائنات شافع محشر رحمۃ اللعالمینؐ کے فضائل وکمالات، جلال وجمال کے تفصیلی بیانات بھی احاطہ تحریر میں لانا بھی بہت مشکل ہیں۔ اور انسان کے بس کی بات نہیں۔

لَوْ نَاسَبَتْ قَدْرَہٗ اٰیَاتُہٗ عِظَمًا
اَحْیَی اسْمُہٗ حِیْنَ یُدْعٰی دَارِسَ الرِّمَمِ

اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر ومنزلت کے مساوی ان کے معجزات عظیم کوئی دیکھتا تو ان کا نام نامی اسم گرامی بوسیدہ ہڈیوں کو بھی زندہ کر دیتا۔

یعنی اگر حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات عظیم کا ظہور آنجناب کے مرتبہ اور عزوشرف کے مطابق

ہوتا تو جب اور جس وقت حضور ﷺ کا مقدس و مطہر نام مبارک لیا جاتا بوسیدہ اور گلی سڑی ہڈیوں میں بھی جان آ جاتی۔ بعض شارحین نے آیات سے اسمائے شریفہ مراد لئے ہیں اور شعر کے معنی یوں کئے ہیں کہ اگر آنحضرت ﷺ کی قدر و منزلت اسمائے شریفہ سے کامل مشابہت رکھتی تو جیسے خود ذات بابرکاتؐ سے احیائے اموات کا معجزہ ظہور میں آیا ایسا ہی اسم مبارک سے مردہ تو کیا بوسیدہ اور گلی سڑی ہڈیوں میں بھی جان آ جانی چاہیے کیونکہ حضور سرور دو عالم ﷺ سے تو احیائے اموات (مردوں کو زندہ کرنا) سے بڑھکر معجزات ظہور میں آئے یعنی درختوں اور پتھروں کا بولنا۔ سلام کرنا جو بکثرت احادیث صحیحیہ سے ثابت ہیں مردہ میں تو زندہ ہونے کی صلاحیت بلحاظ ایام حیات موجود تھی مگر درختوں اور پتھروں کا بولنا، سلام کرنا اور حکم ماننا اعلیٰ درجہ کے معجزات ہیں کیونکہ ان چیزوں کو حیات ظاہر سے کبھی تعلق ہی نہیں رہا۔

عہد رسالتمآب ﷺ میں ایک انصاری نوجوان فوت ہوگیا اس کی ایک اندھی اور بڑھیا ماں تھی اس نوجوان کی تکفین کی گئی اور اسکی ماں سے تعزیت کی گئی پوچھا میرا بیٹا مر گیا ہے کہا ہاں۔ کہنے لگی! اے خدا تو جانتا ہے کہ میں نے تیرے لئے اور تیرے نبیؐ کے لئے اس امید پر ہجرت کی تھی کہ تو ایسی مصیبتوں میں میری مدد کرے گا اور مجھ پر ایسی مصیبت نہیں ڈالے گا۔ لوگ وہیں کھڑے تھے کہ اس (مردہ شخص) نے منہ سے کپڑا الٹ دیا اور زندہ ہوگیا ہم نے بھی کھانا کھایا اور اس نے بھی (بیہقی بحوالہ شرح شفاء جلد اول ص ۵۰۔۴۴۹)

طبری خطیب بغدادی ابن عساکر، ابن شاہین جیسے جلیل القدر محدثین نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ ایک دن حضورؐ نبی اکرم ﷺ بڑے غمزدہ اور افسردہ تھے آپ حجون کی وادی میں تشریف لے گئے کچھ دیر وہاں ٹھہرے جب واپس تشریف لائے تو چہرہ مبارک پر فرحت و شادمانی کے آثار نمایاں تھے۔ جب حضرت عائشہ نے وجہ پوچھی تو فرمایا میں نے اپنے رب سے آج یہ سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری التجا کو شرف قبول بخشا، میری والدہ کو زندہ کیا وہ قبر سے باہر آئیں اور مجھ پر ایمان لائیں پھر وہ اپنے مزار پر انوار میں واپس چلی گئیں۔ ایک دوسری روایت میں والدین کریمین کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو زندہ کیا وہ مجھ پر ایمان لائے پھر اپنے مزارات میں واپس چلے گئے۔

علمائے حق کا یہ مسلک ہے کہ حضور معلم و مقصودِ کائنات فخر موجودات ﷺ کے والدین کریمین کا دامن عصمت کبھی کفر و شرک سے داغدار نہیں ہوا وہ ساری عمر اپنے جد کریم حضرت ابراہیم خلیل اللہ ﷺ کے دین حنیف پر پوری طرح ثابت قدم رہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور یوم قیامت پر ان کا پختہ ایمان تھا۔ امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں بیشک انبیاء کرام کے اباؤ اجداد کافر نہیں ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے

ہیں کہ میری وہ ذات ہے جو آپ کو دیکھتی ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور جب آپ سجدہ کرنے والوں کی پیشانیوں میں منتقل ہوتے رہے اسکا معنی یہ ہے کہ حضور ﷺ کا نور ایک سجدہ کرنے والے کی پیشانی سے دوسرے سجدہ کرنے والے کی پیشانی میں منتقل ہوتا رہا اس سے یہ واضح ہوا کہ حضور رحمت دارین ﷺ کے جملہ آباؤ اجداد مسلمان تھے (سیرت حلبیہ ص ۱۰۳)

یوں تو بہت سے جلیل القدر محدثین نے جناب امام الانبیاء ﷺ کے والدین کریمین کے اثباتِ ایمان پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، جن میں علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب بہت معروف ہے۔ علاوہ ازیں علامہ شاہ علی انور القلندر نے بھی الدر الیتیم فی ایمان آباء النبی الکریم تصنیف فرمائی ہے تاہم تفسیر احکام القران کے مصنف قاضی ابو بکر ابن عربی جو مسلک مالکیہ کے جلیل القدر آئمہ میں سے ہیں۔ ان کے ایک فتویٰ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جب قاضی ابو بکر ابن عربی سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ آپکا اس شخص کے بارہ میں کیا خیال ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے آباؤ اجداد کے بارہ میں یہ کہتا ہے کہ وہ فی النار ہیں آپ نے جواب دیا جو شخص یہ کہتا ہے وہ ملعون ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وہ لوگ جو اذیت پہنچاتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو، لعنت بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ ان پر دنیا و آخرت میں پھر کہا اس سے بڑی اذیت کیا ہے کہ حضور ﷺ کے والدین کے بارہ میں یہ کہا جائے حضور شافع محشر ساقی کوثر ﷺ کے سارے آباؤ اجداد اپنے اپنے زمانہ میں اپنے اپنے ہم عصروں سے ہر لحاظ سے اعلیٰ اور افضل تھے۔ دین ابراہیمی پر ثابت قدم تھے۔ عقیدہ توحید پر قائم تھے اور مکارم اخلاق کے زندہ پیکر تھے۔

حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے بھی ایک رسالہ تقدیس والدی المصطفیٰ لکھا تھا جس کا تذکرہ تفسیر مظہری میں موجود ہے اور اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے اور ملا برخوردار ملتانی کا رسالہ ارشاد الغبی فی ایمان آباء النبی مطبوعہ مطبع ہاشمی میرٹھ کا بھی اردو ترجمہ بازار سے دستیاب ہے۔

اللھم صل وسلم اشرف الصلوٰۃ والتسلیم علیٰ حبیبک سیدنا ومولانا وشفیعنا ونبینا محمد عبدک و رسولک صاحب المقام المحمود الذی قلت فی حقہٖ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محمودا۔

لَمْ یَمْتَحِنَّا بِمَا تَعْیَ الْعُقُوْلُ بِهٖ
حِرْصًا عَلَیْنَا فَلَمْ نَرْتَبْ وَلَمْ نَهِمٖ

حضور ﷺ نے ہم کو ایسی چیزوں سے نہ آزمایا جن کو سمجھنے اور دریافت کرنے سے ہماری عقلیں عاجز آ جاتیں کیونکہ آنجناب کو ہماری اصلاح مطلوب تھی اس لئے ہم کسی حکم کو قبول کرنے میں

شک میں نہ پڑے۔

یعنی حضور نبیٔ کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو دین لے کر مبعوث ہوئے وہ اتنا آسان سادہ اور فطرت کے مطابق ہے کہ اس دین مبین کو سمجھنے میں ہمیں حیران وسرگردان ہونے کی ضرورت پیش نہ آئی اور نہ دین میں ایسی سختیاں ڈالیں کہ ہم ان کی تعمیل سے تھک جاتے۔ نیز اپنے کردار وافعال سے احکام کی ایسی جامع اور بلیغ وضاحت فرمائی کہ ان کے سمجھنے میں کسی کو کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ قرآن مجید فرقان حمید کی سورہ مجادلہ کی آیت ”یاایھا الذین اٰمنوا اذا انا جیتم الرسول فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقۃ“ نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ کو اس حکم سے تنگی پیش آئی لیکن جناب امیر المومنین علیہ السلام نے اس پر عمل فرما کر ایک دینار صدقہ فرما کر حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے علیحدگی میں بات کرنے کا وقت لیا اور ازاں بعد یہ آیت مبارکہ منسوخ فرمادی گئی اور حضرت امیر المومنینؑ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید میں ایک آیت ایسی ہے جس پر میرے سوا کسی نے عمل نہیں کیا نہ مجھ سے پہلے کسی نے عمل کیا اور نہ میرے بعد کوئی کرے گا۔ (تفسیر معارف القرآن ج ۸ ص ۳۴۷) اس آیت مبارکہ کا شان نزول اور نسخ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کے اوصاف مبارکہ میں سے ایک ہے کیوں کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ میری وجہ سے اس امت پر تخفیف ہوئی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔

أَعْيَى الْوَرٰى فَهْمُ مَعْنَاهُ فَلَيْسَ يُرٰى
لِلْقُرْبِ وَالْبُعْدِ فِيْهِ غَيْرُ مُنْفَحِمِ

مخلوقات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حقیقت سمجھنے سے عاجز ہوگئی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نزدیک و دور کوئی ایسا نہیں ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حقیقت سمجھنے سے عاجز اور لاجواب نہ ہو۔

یعنی حضور فخر دو عالم سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کمالات ظاہری و باطنی اور حقیقت محمدیؐ کو سمجھنے سے تمام عالم عاجز ہے۔ صحابہ کرامؓ جو قریب ہیں اور باقی تمام امت جو دور و بعید ہے دونوں ساکت اور عاجز ہیں اور انہیں معلوم نہیں کہ حضورؐ کیا ہیں اور کس مقام و قرب کے اہل ہیں سلسلہ امامت کے چھٹے تاجدار امام جعفر صادق علیہ السلام المتوفیٰ ۱۴۸ھ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی اطاعت سے عاجز دیکھ کر اس بات کی معرفت عطا فرمائی تا کہ وہ سمجھ پائیں کہ خدمت کے ذریعے وہ منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے تو اپنے اور ان کے درمیان اپنی تخلیق کے شاہکار کو واسطہ بنایا جو صورت کے لحاظ سے خود ان کی جنس میں سے ہے اور جس کی خوبی یہ ہے کہ سراپا رحمت و رافت ہے اسے مخلوق کی جانب ایسا مکمل سفیر اور نمائندہ بنا کر بھیجا کہ اسکی اطاعت

کو اپنی اطاعت اور اسکی موافقت کو اپنی موافقت قرار دیتے ہوئے اللہ رب العزت نے فرمایا ''من یطع الرسول فقد اطاع اللہ'' ۔علامہ قرطبیؒ کا قول ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کمال حسن ظاہر ہی نہیں ہوا، ورنہ صحابہ کرامؓ میں یہ تاب کہاں تھی کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف نظر بھر کر بھی دیکھ سکتے ۔کیونکہ اس ذات مقدس کو سب سے پہلے ربوبیت کا اقرار کرا کر عبدیت کاملہ اور پھر رسالت سے سرفراز فرمایا اور جب انسانیت کی ہدایت کے لئے رسول بنا کر مبعوث کرنا چاہا تو روح مبارک کو بشریت کا جامہ پہنا کر اور بشری لوازمات (ماسوٰی ایسی باتوں کے جو شان نبوت کے منافی ہیں) کے ساتھ ایسے خصائص سے نوازا کہ خدائی مخصوص صفات مثلاً الوہیت، ربوبیت، حمدیت، یکتائی، کبریائی کے علاوہ جو صفات کمال عطا کی جا سکتی تھیں ان سب کو جسد اطہر میں ودیعت رکھ کر اللہ تعالیٰ نے اپنے کمالات اور محاسن کا مظہر بنا کر بشری نظام کے مطابق پیدا فرمایا۔اور مافوق البشر خصوصیات بھی عطاء فرمائیں ۔مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم فرماتے ہیں ۔

؎ رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریت ۔۔۔۔۔۔نہ جانا کون ہے کچھ بھی کسی نے جز ستار

كَالشَّمْسِ تَظْهَرُ لِلْعَيْنَيْنِ مِنْ بُعُدٍ
صَغِيْرَةً وَّ تُكِلُّ الطَّرْفُ مِنْ اَمَمٍ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مثال سورج کی طرح ہے کہ بظاہر دور اور چھوٹا نظر آتا ہے اور جب آنکھ کھول کر دیکھو تو قرب و بُعد دونوں نظر کو خیرہ کر دیتے ہیں ۔

یعنی آپؐ کا حال عدم ادراک، کیفیت کمالات ظاہریہ و باطنیہ میں آفتاب کے مثل ہے کہ وہ دور سے ایک قوس یا آئینہ معلوم ہوتا ہے اور نہایت دوری کی وجہ سے اسکی صحیح مقدار اور حجم معلوم نہیں ہوسکتا اور سورج کو نزدیک سے تو دیکھا ہی نہیں جا سکتا اور عقل اور آنکھیں اسکی پوری حقیقت دریافت نہیں کر سکتیں ایسا ہی حال جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہے کہ ظاہر بین حضرات آپ کو مانند ایک جسم ہی کے دیکھتے ہیں اور آپ کی حقیقت واقعیہ معلوم نہیں کر سکتے اور اس طرح صاحبان کشف و شہود کی آنکھیں بوجہ غایت قرب و درخشانی دیکھنے سے قاصر ہیں غرضیکہ نزدیک دور کے دیکھنے والے دونوں حقیقتِ محمدیہؐ دریافت کرنے سے قاصر ہیں ۔

اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں ارشاد فرماتے ہیں ''وداعیاً الی اللہ باذنہ وسراجاً منیراً'' ۔(اے محبوب ہم نے آپ کو بھیجا ہے) داعی بنا کر اپنے حکم سے اور روشن چراغ بنا کر ۔قرآن مجید میں سورج کو بھی چراغ کہا گیا ہے چنانچہ قرآن مجید کی سورہ نوح میں ارشاد فرمایا گیا ہے ۔''وجعل القمر فیھن نوراً وجعل الشمس

سراجاً" (اوران میں چاند کو نور بنایا اور سورج کو چراغ بنایا)

جناب معلم و مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات ظاہر و باطن اور مقامات نبوت و خاتمیت کی لطیف ترین کیفیات کو جب کہ استدلال و بیان سے فہموں کے قریب کر دیا جانا ممکن نہ تھا تو ان کی تفہیم و بیان کے لئے تمثیلی راستہ اختیار کیا گیا ہے اور مادی محسوسات میں اس تمثیل و تشبیہ کے لئے ایک ایسی چیز کا انتخاب کیا گیا جو اپنے مادی اوصاف و کمالات کے لحاظ سے یکتائے عالم اور بے مثال ہے جس کی نظیر سلسلہ مادیت میں نہ علویات میں تھی نہ سفلیات میں نہ آسمانوں میں تھی اور نہ زمینوں میں۔ گویا وہ کمالات کے لحاظ سے ایک گو نہ یکتائی، وحدانیت اور خاتمیت لئے ہوئے ہے اور جناب باعث تخلیق کائنات بھی ساری مخلوق میں بے نظیر اور بے مثال ہیں۔ اور انسانی عقلیں اس جدید سائنسی دور میں بھی سورج کی ہیئت کو سمجھنے سے قاصر ہیں اس طرح حقیقت محمدیہ کو بھی سمجھنے سے عقلیں عاری ہیں اور یہ سب بطور تمثیل ذکر کیا گیا ہے ورنہ اس سراج منیر کے مقابلہ میں یہ سورج چراغ مردہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ وہ تو سرور دو عالمؐ کے ایک حکم سے واپس آ گیا چنانچہ اسماء بنت عمیسؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کا نزول ہو رہا تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی گود میں آپ نے سر مبارک رکھا ہوا تھا انہوں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی اور اسی اثناء میں سورج غروب ہو گیا آپؐ نے دریافت فرمایا علیؑ! تم نے عصر کی نماز پڑھی ہے انہوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی اے خدا! یہ (علیؑ) تیری اور تیرے رسولؐ کی اطاعت میں مصروف تھا اس لئے سورج کو لوٹا دے۔ اسماء راوی ہیں کہ میں نے سورج کو غروب ہوتے دیکھا پھر میں نے اسے بعد از غروب طلوع ہوتے دیکھا اور اس کی کرنیں پہاڑوں پر اور زمین پر پڑیں، یہ واقعہ جنگ خیبر کے دوران بمقام صہباء پیش آیا۔

وَكَيْفَ يُدْرِكُ فِي الدُّنْيَا حَقِيْقَتَهُ
قَوْمٌ نِيَامٌ تَسَلَّوْا عَنْهُ بِالْحُلُمِ

کیونکر کوئی جان سکتا ہے دنیا میں حقیقت محمدیہ کو جب لوگ خواب غفلت میں سو رہے تھے۔

یعنی صحابہ کرامؓ اولیائے مقربین اور تمام خلق حقیقت رسالت پناہ سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دریافت نہیں کر سکتے تو ارباب غفلت جو مبتلائے قساوت قلبی اور منہمک شہوات نفسانی ہیں اور دریافت حقیقت سے محروم ہیں اور اپنے خواب و خیال پر قانع ہیں حقیقت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں کس طرح دریافت کر سکتے ہیں۔ جبکہ وہ خواب غفلت میں سو رہے ہیں اور نیند کو موت کے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ کہ یہ بھی موت ہی کی ایک قسم ہے چنانچہ ارشاد باری

تعالیٰ ہے: ''اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا (سورہ زمر آیت ۴۲) اللہ لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کرلیتا ہے اور جو نہیں مرے سوتے میں ان کی روحیں قبض کرلیتا ہے۔''

یعنی نیند کے وقت حیات کو معطل کر دیا جاتا ہے اور ادراک نہیں رہتا اور جناب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ سونے کے وقت انسان کی روح اس کے بدن سے نکل جاتی ہے مگر ایک شعاع روح کی بدن میں رہتی ہے جس سے وہ زندہ رہتا ہے اور فرمایا کہ نیند کی حالت میں جو روح انسانی اس کے بدن سے نکلتی ہے تو بیداری کے وقت آنکھ جھپکنے سے بھی کم مقدار وقت میں بدن میں واپس آ جاتی ہے (معارف القرآن ج ۷ ص ۵۲۳) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''النوم اخ الموت۔ نیند موت کا بھائی ہے'' ۔سلطان المشائخ علامہ شبلی علیہ الرحمۃ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمایا کہ جو سویا وہ غافل ہوا اور جو غافل ہوا وہ محجوب ہوا۔ لہٰذا نیم مردہ شخص یا خواب غفلت کا شکار حقیقت دنیا جاننے سے قاصر ہے اور جو ذات گرامی باعث تخلیق کائنات ہو اسکی حقیقت سویا ہوا شخص کس طرح جان سکتا ہے جس ذات گرامی کا جلوہ آسمانوں پر بھی ہو اور حشر کے دن بھی اس کے نام کا ڈنکا ہو۔ جو سید الاولین وسید الآخرین امام الانبیاء ہو اسکی حقیقت جاننا عام انسان کے بس کی بات نہیں۔

فَمَبلَغُ الْعِلْمِ فِیْهِ اَنَّهٗ بَشَرٌ
وَّاَنَّهٗ خَیْرُ خَلْقِ اللّٰهِ کُلِّهِمٖ

ہمارا مبلغ علم بس صرف اتنا ہے کہ وہ بشر ہیں اور یہ کہ وہ تمام مخلوق بشمول انسان، فرشتہ افضل و اعلیٰ ہیں۔

یعنی ہمارے علم کی زیادہ سے زیادہ انتہا یہ ہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر عظیم ہیں اور تمام مخلوق میں سب سے اعلیٰ و افضل ہیں۔ افضل المخلوقات اور سید الکائنات ہیں لیکن بات اس سے کہیں زیادہ آگے ہے اللہ رب العالمین نے سید الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ہر خیر وخوبی اور جملہ کمالات ومحاسن کا جامع بنایا اور ان سب کو جسد اطہر میں ودیعت رکھ کر اپنے کمالات کا پورا پورا مظہر بنایا اور کائنات کے تمام محاسن وکمالات کو سمیٹ کر اس کو خلاصۂ کائنات میں جمع فرمادیا اب عالم میں ہر خیر وخوبی یہیں سے تقسیم ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے: ''انما انا قاسم واللہ یعطی، یعنی بے شک میں تو تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والے ہیں۔'' لفظ بشر مفہوماً اور مصداقاً متضمن بکمال ہے کیونکہ آدم علیہ السلام کو بشر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ'' (سورہ ص: ۷۵) کس چیز نے باز رکھا تمھیں اس کو سجدہ کرنے سے جسے میں نے پیدا کیا اپنے دونوں ہاتھوں سے۔

اے ابلیس! جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا اس کو سجدہ کرنے سے تجھے کس نے روکا کیونکہ اس پیکر خاکی کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ لگنے کی عزت نصیب ہوئی اس لئے اسے بشر کہا گیا۔ اس خاک کے پتلے کی اس سے بڑھ کر عزت افزائی کیا ہو سکتی ہے۔ نیز یہی بشر ہے جو آپ کے الفاظ میں کمال و استجلاء کے لئے مظہر بنایا گیا ہے اور ملائکہ بوجہ نقص مظہریت، کمال سے محروم ٹھہرے۔ یہ دونوں چیزیں اگر ذہن نشین ہو تو بشر کہنا عین تعظیم و تکریم ہے مگر (چونکہ اس کمال تک ہر کس و ناکس سوائے اہل تحقیق و اہل عرفان رسائی نہیں رکھتا لہٰذا اطلاق لفظ بشر میں خواص بلکہ اخص الخواص کا حکم عوام سے علیحدہ ہے۔ خواص کے لئے جائز اور عوام کے لئے بغیر زیادت لفظ دال بر تعظیم ناجائز ہے۔

مفتی مدینہ علامہ خرپوتی رحمۃ اللہ علیہ شارح قصیدہ بردہ شریف اپنی شرح میں رقم طراز ہیں کہ امام بوصیریؒ قصیدہ مبارکہ سناتے سناتے جب اس مصرع پر آئے اور دربار رسالت میں عرض کیا۔ ''فمبلغ العلم فیہ انہ بشر''۔ تو مصرع ثانی کے لئے خاموش ہو گئے تو سرکار دو عالم ﷺ کی طرف سے ارشاد ہوا: اقراء، پڑھ۔ ''فقال الامام انی لم اوفق للمصرع الثانی لھذا البیت یارسول اللہ''۔ حضورؐ مجھ سے مصرع ثانی موزوں نہیں ہو سکا خاصکر اس بیت کا۔ فقال علیہ السلام قل یا امام۔ اے امام کہہ ''وانہ خیر خلق اللہ کلھم''۔ تو امام بوصیریؒ نے فوراً یہ مصرع درج کیا اور بار بار ہر بیت کے آخر میں ذوق و شوق کے ساتھ وانہ خیر الخلق کلھم پڑھتے رہے۔

وَكُلُّ اٰيٍ اَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا
فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُّوْرِهٖ بِهِمْ

تمام معجزات جو انبیاء کرام علیھم السلام لائے وہ معجزات ان کو صرف حضور پرنورؐ کی بدولت ہی حاصل ہوئے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو ایسی خوبیوں سے مختص فرمایا ہے جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں اور اگر کسی پیغمبر کو کوئی خاص فضیلت عطا کی گئی تو عین بعین ویسا ہی وصف حضور سرور کائنات ﷺ کو عطا فرمایا گیا۔ علامہ ابن مرزوق رقمطراز ہیں کہ انبیا علیھم السلام میں سے ہر نبی کا معجزہ آپ کے نور کی بنا پر عطا ہوا۔ اسی طرح آدم کی تخلیق کا اصلی مدعا ان کی پشت سے حضور اکرم ﷺ کی تخلیق تھی اس بنا پر آپ اصل مقصود تھے اور آدمؑ وسیلہ۔ رہا فرشتوں کا حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنا تو اس کے بارہ میں امام فخر الدین رازیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ فرشتوں کو آدم کے سجدے کا حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ ان کی پیشانی میں نور محمدیؐ عیاں تھا۔ حضرت ادریسؑ کو بلند مقام پر اٹھایا گیا تو اس کے مقابلے میں جناب نور

جسم ﷺ کو اس مقام تک معراج نصیب ہوئی جس پر پہلے کوئی نبی اور رسول نہیں پہنچا تھا۔اس طرح نوح علیہ السلام اور مومنوں کو نجات بخشی اور طوفان سے بچایا۔حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ آپ کی امت آسمانی عذابوں سے محفوظ رہی۔ارشاد خداوندی ہے۔''وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم''۔حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ دنیا میں خدائی عبادت، توحید اور بت شکنی کی حیثیت سے منفرد ہیں اس کے مقابلے میں رسول کریم ﷺ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے خدائی ہیبت سے کعبۃ اللہ کے ارد گرد تین سو ساٹھ بت توڑے تھے۔آپ ؐ ہر بت کو ٹھونکا دیتے وقت۔''قل جاء الحق وزھق الباطل''۔ پڑھتے تھے اور بت گر پڑتا۔اگر موسیٰؑ کو خدا نے یہ معجزہ عطا کیا کہ ان کا عصا اژدھائے غیر ناطق بن گیا تو آپ ﷺ کو ستون مسجد کے رونے کا معجزہ عطا ہوا۔حضرت موسیٰؑ کے معجزات میں بحیرۂ احمر کا پھٹنا ہے اس کے مقابلے میں حضور انور ﷺ کا معجزہ شق القمر ہے۔حضرت موسیٰؑ کا تصرف اس دنیا تک محدود تھا۔اور حضور ﷺ کا تصرف آسمانی دنیا میں رونما ہوا۔حضرت ہارونؑ فصاحت سے ممتاز تھے اور ہمارے رسول اکرم ﷺ فصاحت و بلاغت کے اس درجہ پر تھے جو سب سے بلند ہے۔اور جس سے انکار ممکن نہیں۔حضرت یوسفؑ کو جسمانی حسن کا کچھ حصہ دیا گیا تھا حضور انور ﷺ کو جامع حسن دیا گیا تھا۔حضرت داؤدؑ کے معجزات میں فولاد کو نرم کرنا تھا وہ جب لوہے کو ہاتھ لگاتے تو نرم ہو جاتا۔اس کے بالمقابل حضور ﷺ کے ہاتھ میں خشک لکڑی ہری ہو گئی تھی۔اور اس کے پتے نکل آئے تھے۔حضرت سلیمانؑ کے معجزات میں پرندوں کا بولنا، شیاطین کی تسخیر، ہوا کی تسخیر وغیرہ شامل ہیں تو ہمارے آقا سید یوم النشور ﷺ کو اس سے زیادہ عطا ہوا۔وحشی جانوروں اور پرندوں کا آپ سے بولنا، آپ کے ہاتھوں میں کنکروں کا تسبیح پڑھنا، پتھروں کا بولنا، ہرنی کی گفتگو، بھیڑئے کی گفتگو، اونٹ کی شکایت اور زہریلے گوشت کا بولنا تو ہر کسی کو معلوم ہے۔حضرت عیسیٰؑ کا معجزہ در بارۂ تندرستی اکمہ وابرص (مادرزاد اندھے اور کوڑھی) اور مردوں کو زندہ کرنے سے متعلق ہے اس کے مقابلے میں آقائے دو جہاں ﷺ نے آنکھ کو جو اپنی جگہ سے نکل گئی تھی اس کی جگہ پر رکھ کر تندرست کر دیا بلکہ پہلے سے بہتر بنا دیا۔حضرت عیسیٰؑ اگر مردوں کو زندہ کر دیں تو بکری کے گوشت کے ٹکڑے جو آگ میں بھون دیئے گئے ہوں درخواست کریں کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ مجھے نہ کھائیں مجھ میں زہر ملایا گیا ہے۔الغرض تمام انبیاء علیہم السلام کو عطا کئے گئے معجزات حضور خاتم النبین ﷺ کے معجزات کا پرتو ہیں۔

فَاِنَّهٗ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا
يُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آفتاب فضل و کمال ہیں اور باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام اس آفتاب نبوتؐ سے استفادۂ نور حاصل کر کے ہدایت کی روشنی تاریکیوں میں پھیلاتے ہیں۔نظام شمسی میں سورج کی جسامت دوسرے تمام سیاروں کی مقابلے میں بہت بڑی ہے اور تمام سیارے، ستارے بشمول زمین سورج کے گرد اپنے مقررہ مدار میں گردش کرتے ہیں اور تمام اجرام فلکی سورج ہی سے اکتساب نور کرتے ہیں۔اس طرح آقائے دو جہاں محفل انبیاء میں سورج کی ہی حیثیت رکھتے ہیں اور خود اللہ جل شانہٗ وتقدس نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سراجاً منیراً کا لقب عطا فرمایا ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام سے اس بات کا میثاق لیا کہ اگر انہوں نے جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا زمانہ پایا تو وہ آپ کی امداد کریں گے۔مولائے کائنات جناب علی المرتضیٰؑ شیر خدا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک جملہ انبیائے کرامؑ سے یہ عہد لیا کہ اگر وہ اپنی زندگی میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا زمانہ پائیں تو انھیں نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ضرور ایمان لانا ہوگا اور ضرور ان کی مدد کرنا ہوگی۔اپنی امت سے بھی اس بات کا عہد لینا ہوگا اور جس طرح اصل روشنی سورج ہی کی ہوتی ہے چاند اور دیگر ستاروں سیاروں کا نور اور ان کی چمک نور شمس ہی سے مستفاد ہے اس طرح دیگر انبیاءؑ بھی اکتساب نور نبوت محمدیؐ سے ہی کرتے ہیں اور اس نور سے اپنے اپنے زمانوں میں نور ہدایت کو عام کیا اور کفر و شرک کی تاریکیوں کو ختم کیا۔اللھم صل علیٰ محمدٍ والہٖ الف الف مرۃ

حَتّٰى اِذَا طَلَعَتْ فِي الْكَوْنِ عَمَّ هُدَا
هَا الْعَالَمِيْنَ وَاَحْيَتْ سَائِرَ الْاُمَمِ

جب خورشید طلوع ہوا اور کون و مکان روشن ہو گئے اور آپ کے نور ہدایت سے تمام امتیں زندہ ہوگئیں۔

یعنی جب سورج طلوع ہوتا ہے تو رات کا اندھیرا دور ہوتا جاتا ہے اور پھر ذرہ ذرہ چمکنے لگتا ہے اس طرح جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیدائش مبارک سے ہی کفر کے ایوانوں میں زلزلے آنا شروع ہو گئے اور جب آنجناب رونق افزاء دہر ہوئے تو تشریف آوری کے باعث زمین پرنور ہوگئی۔اور فضائیں جگمگا اٹھیں۔ اور اعلان نبوتؐ سے عرب کے خود سر لوگ جہالت کی تاریکیوں اور کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے دولت ایمان سے سرفراز ہو کر راہ ہدایت پر گامزن ہوئے۔اور جب سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔تو مدینہ طیبہ کی بچیوں نے وفور شوق سے یہ ترانا گایا۔

طلع البدر علینا۔من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

ایھا المبعوث فینا۔جئت بالامر المطاع

جئت شرفت المدینۃ۔مرحبا یا خیر داع

الفت ومحبت کے ترجمان اس لاثانی گیت کے حسین الفاظ جب سماعتوں سے ٹکرارہے ہوں گے سننے والوں کی محسوسات کا کیا عالم ہوگا اور ان ساعتوں کی دلربائی اور سعادت کا عالم کیا ہوگا۔جب جلال ایمان سے مہکتے اور قابل صد رشک اس ترانے کے اشعار اس وجدان سے سنے جارہے ہوں کہ انہیں رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں ورود مسعود فرماتے وقت خود سماعت فرمایا ہے؟ آپ ہمیشہ ہر مسلمان کے دل میں بدر کامل بن کر چمکتے رہے اور چمکتے رہیں گے۔اور ہمارے قلوب آپؐ کی نورانیت سے جگمگ کرتے رہیں گے۔بفضل اللہ تعالیٰ۔

اَکرِمْ بِخَلْقِ نَبِیٍّ زَانَہٗ خُلُقٌ

بِالْحُسْنِ مُشْتَمِلٍ بِالْبِشْرِ مُتَّسِمٖ

نبی ﷺ کی سرشت وصورت کس قدر دل آویز ہے جسے آپؐ کے خلق عظیم نے زینت دی ہے کہ وہ سرتاپا جامۂ حسن میں لپٹی ہوئی ہے کہ چہرہ زیبا سے آثار مسرت وبشاشت ظاہر ہیں۔

حضور نبی اکرم نور مجسم ﷺ کے جما مبارک کو کماحقہ، تعبیر کردینا ناممکن ہے اور نور مجسم کی تصویرکشی قابو سے باہر ہے کیونکہ ذات باری تعالیٰ جو منبع حسن و جمال ہے اور جس کو حسن پسند ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ارشاد ہے ”ان اللہ جمیل یحب الجمال“ یعنی اللہ تعالیٰ خود جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے تو اس خالق و مالک اللہ نے جس ذات اقدس کو اپنے حبیب بنانا تھا تو ظاہر ہے کہ اس کو کس قدر حسن دیا گیا ہوگا۔علامہ مناویؒ فرماتے ہیں کہ ہر شخص یہ اعتقاد رکھنے کا مکلف ہے کہ حضور خاتم المرسلین ﷺ کا جسم مبارک جن اوصاف جمیلہ کے ساتھ متصف ہے کوئی دوسرا ان اوصاف میں حضور رحمت اللعالمین ﷺ جیسا نہیں ہوسکتا۔ اس جمال جہاں آراء کے حسن جمال کو آپ کے لاڈلے نواسوں جگر بند مصطفی و ریحان دل مرتضیٰ قرۃ العین جناب زہراؑ ابو محمد حسنؑ بن علیؑ کرم اللہ وجہہ اور شمع آل محمدؑ از علائق خلائق ومظلوم کرب وبلا جناب سید الشہداء ابو عبداللہ امام حسینؑ نے امت کے قلوب کو عشق مصطفی میں گرمانے کے لئے افشاں کیا ہے امام حسنؑ کی حدیث کو بعینہ نقل کرنے کی بجائے یہاں صرف حلیہ مبارک خصوصاً چہرہ انور کے اوصاف ذکر کئے جاتے

ہیں۔سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت عظیم المرتبہ اور جلیل القدر تھے۔چہرہ مبارک ماہ بدر(چودھویں کے چاند) کی طرح چمکتا تھا یہ حسن اور خوبروئی اس طرح سے تھی کہ گورے رنگ کے اندر کچھ سرخی دمکتی تھی جس سے کمال درجہ ملاحت پیدا ہوگئی تھی اور پیارے رخسار مبارک نہایت شفاف ہموار اور سبک تھے۔حضور فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی کشادہ تھی اور ابرو خمدار باریک اور گنجان تھے دونوں ابرو جدا جدا تھے اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہ تھے۔حضور ہادی عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک کانوں کی لو تک تھے اور سر مبارک کے بیچ میں مانگ نکلی رہتی تھی۔اور بال مبارک ہلکی سی پیچیدگی لئے ہوئے یعنی بل دار تھے حضور محسن اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں مبارک بڑی اور خوش رنگ تھیں جن کی پتلی نہایت سیاہ اور ان کی سفیدی میں سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے اور پلکیں دراز تھیں آپ کے حسن سے نگاہ سیر نہ ہوتی تھی حضور سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بینی مبارک پر ایک چمک دار نور تھا۔جس کی وجہ سے بینی مبارک بلند معلوم ہوتی تھی۔حضور رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دہن مبارک موزونیت کے ساتھ فراخ تھا اور دندان مبارک باریک آبدار تھے اور سامنے کے دانتوں میں ذرا فصل بھی تھا جس سے تکلم اور تبسم کے وقت ایک نور نکلتا تھا۔آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریش مبارک بھرپور اور گنجان بالوں کی تھی جس نے آپ کو اور بھی زینت دے دی تھی۔جو ہیبت اور عظمت کو بڑھاتی تھی جناب امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن مبارک ایسی پتلی اور خوبصورت تھی جیسے مورتی کی گردن نہایت ہی مہارت سے تراشی گئی ہو۔صفائی اور چمک میں چاندی جیسے تھی۔امام المتقین جناب امیر المومنین علی المرتضی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضور فخر دو عالم کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور آپ نبیوں کے ختم کرنے والے تھے۔حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے چہرہ انور کی جو تعبیر فرمائی ہے اس کے پہلے شعر کا یہ ترجمہ ہے۔
اور آپ سے زیادہ حسین میری آنکھ نے نہیں دیکھا اور آپ سے زیادہ جمیل آج تک کسی عورت نے نہیں جنا۔آپ ہر عیب سے محفوظ پیدا کئے گئے گویا کہ جیسا آپ نے چاہا تھا اسی طرح آپ کو پیدا فرمایا گیا ہے۔

كَالزَّهْرِ فِيْ تَرَفٍ وَالْبَدْرِ فِيْ شَرَفٍ
وَالْبَحْرِ فِيْ كَرَمٍ وَالدَّهْرِ فِيْ هِمَمٍ

ذات گرامی آقائے کل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لطافت ونظافت میں مثل شگوفہ ہے اور بلندی عظمت میں مثل ماہ کامل کے ہے اور سخاوت و بزرگی میں مثل بحر ناپیدا کنار اور عالی ہمتی میں دوام اور زمانہ کی مانند۔

یعنی حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات عالی صفات لطافت اور نظافت میں اس شگوفہ کی مانند ہے جو سرسبز ڈالیوں میں چمکتا ہے اور علو رفعت اور منزلت میں چودھویں کے چاند کی طرح ہے اور نفع رسانی خلائق

اور جودوسخا میں اس سمندر کی طرح ہے جو جواہرات اور موتیوں سے دنیا کو مالا مال کر دیتا ہے اور ہمت زمانہ یہ ہے کہ ہر ناقص کو اس کی غایت کمال تک پہنچا دیتا ہے۔ اور ممکنات کو ظہور میں لاتا ہے۔ اور عجائب و غرائب امور ظاہر کرتا ہے یہی شان جناب رسالت پناہ ﷺ کی ہے کہ ہر مستفیض کو اس کے کمالات ظاہر و باطن میں درجہ کمال تک پہنچا دیتے ہیں اور بشر کو ملائکہ سے افضل بنا دیتے ہیں مقصود ان ظاہری تشبیہات سے بات کا سمجھنا اور قریب الفہم کرنا ہے وگرنہ احوال عالم کو کیا نسبت ہو سکتی ہے اس ذات مقدس کے کمالات سے جس کا وجود ہی آپ کا طفیلی ہے اور حدیث انسؓ میں مرفوعاً مروی ہے کہ حضور پیغمبر اعظم و آخر ﷺ نے ارشاد فرمایا ''انا اجود بنی آدمؑ'' میں بنی آدم میں سب سے زیادہ سخی ہوں حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول ﷺ کا سخاوت میں جواب نہیں اور رمضان المبارک میں تو آپؐ کا دریائے کرم انتہائی طغیانیوں پر آجاتا تھا۔ جب جبرئیلؑ آپ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوتے تو آپ کو تیز چلنے والی ہوا سے زیادہ سخی دیکھتے تھے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا اور اس وقت جناب رسول ﷺ کے پاس اتنی بکریاں تھیں جن سے دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ بھری ہوئی تھی آپؐ نے وہ ساری بکریاں اسے عطا فرما دیں۔ جب وہ شخص اپنے قبیلے میں پہنچا تو قبیلے والوں سے کہنے لگا بھائیو! مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمد ﷺ اتنی سخاوت کرتے ہیں کہ مال کے ختم کا اندیشہ دل میں لاتے ہی نہیں۔ آپ نے صفوان بن سلیم کو سو اونٹ مرحمت فرمائے بلکہ اتنے ہی دوسری دفعہ اور اتنے ہی تیسری دفعہ۔ اور آپؐ کی سخاوت کا یہ عالم تو اعلان نبوت سے پہلے بھی تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت عباسؓ کو اتنا سونا مرحمت فرمایا کہ وہ اسے اٹھا نہ سکے۔ سرور کون مکان ﷺ کے جود و سخا کے بے شمار واقعات کتبِ سیرت میں مذکور ہیں۔

كَأَنَّهُ وَهُوَ فَرْدٌ فِي جَلَالَتِهِ
فِي عَسْكَرٍ حِيْنَ تَلْقَاهُ وَفِي حَشَمِ

وہ عظیم ہستی حضور ﷺ اپنے جلال و جمال میں یکتا ہیں اور ایسا جلال کہ جب وہ اکیلے ہوں تب بھی محسوس ہوتا ہے کہ عظیم لشکر کے سردار ہیں۔

یعنی پیکر حسن و جمال ﷺ اپنے جلال و حشمت میں ایسے یگانہ ہیں کہ جب وہ اکیلے ہوں تب بھی محسوس ہوتا ہے کہ ایک عظیم لشکر میں جلوہ افروز ہیں۔ ابتدائی اشعار میں جناب رحمت للعالمین ﷺ کے خلق عظیم اور نرم خوئی کا تذکرہ تھا ان اشعار میں ان امور کا تذکرہ ہے کہ خلق عظیم کا مالک ہونے کے باوجود اللہ جل شانہٗ نے

اپنے محبوب کو خصوصی ہیبت اور رعب عطا فرمایا ہوا تھا۔ حضرت براء بن عازب ؓ سے کسی آدمی نے سوال کیا کہ تم جنگ حنین کے روز حضور ﷺ کو چھوڑ کر فرار پر مجبور ہو گئے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نہیں ڈرے تھے میں نے سرورِکون ومکان ﷺ کو ایک سفید رنگ کے خچر پر سوار دیکھا جس کی رکاب ابو سفیان بن حارث ؓ نے تھام رکھی تھی۔ آپ برابر آگے بڑھ رہے تھے اور بار بار فرماتے تھے۔ ''انا النبی لا کذب'' حضرت براء ؓ کے علاوہ دوسرے حضرات نے فرمایا ہے کہ کمال جرأت واستقلال کے باعث اس وقت نبی کریم ﷺ خچر سے اتر کر پیدل ہو گئے تھے۔ شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب میدان کارزار گرم ہو جاتا گھمسان کا رن پڑتا تو ہم رسول اللہ ﷺ کی پناہ لیا کرتے تھے۔ ایسے مواقع پر تمام مجاہدین کی نسبت آپ کفار کے زیادہ نزدیک ہوتے تھے۔ چنانچہ جنگ بدر میں بھی ہم آپ کی پناہ میں تھے۔ حالانکہ آپ لشکر کفار کے بالکل قریب پہنچے ہوئے تھے۔ ابو جہل نے کسی یتیم کا مال قبضے میں کر لیا تھا۔ اور جب وہ یتیم اپنا مال لینے ابو جہل کے پاس آیا تو ابو جہل نے اسے دھکے دے کر نکال دیا۔ یتیم مایوس ہو کر لوٹا تو اکابر قریش نے بطور استہزاء اسے حضور ﷺ کے پاس بھیج دیا کہ اگر وہ سفارش کریں تو تیرا کام بن جائے گا۔ انہیں معلوم تھا کہ ابو جہل حضور ﷺ کا جانی دشمن ہے وہ سفارش کیسے مانے گا؟ اور وہ بھی جانتے تھے کہ اگر حضور ﷺ کی خدمت میں اس یتیم نے عرض کی تو حضور ؐ اسے مایوس بھی نہیں فرمائیں گے۔ غرض وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رحمت کائنات ﷺ فوراً اس یتیم کے ساتھ ابو جہل کے پاس تشریف لے گئے۔ ابو جہل نے نبی مکرم ﷺ کو تشریف لاتے دیکھ کر تعظیم کی اور کھڑا ہو گیا۔ نبی کریم رؤف رحیم ﷺ نے اس یتیم کی سفارش کی تو ابو جہل نے فوراً تمام مال اس یتیم کے حوالہ کر دیا۔ اس بات پر قریش نے ابو جہل کو شرم دلائی اور کہا کہ تو نے مذہب بدل لیا تو ابو جہل کہنے لگا۔ خدا کی قسم میں نے مذہب نہیں بدلا لیکن میں نے حضور ﷺ کے دائیں بائیں برچھی بردار دیکھے تو مجھے اس بات کا خوف ہوا کہ اگر تعمیل نہ کروں گا تو یہ برچھیوں سے مجھے مار دیں گے۔ حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ امام الانبیاء ﷺ صورت اور سیرت میں سب سے بہتر اور شجاعت وسخاوت میں سب سے ارفع واکمل تھے۔

كَاَنَّمَا اللُّؤْلُؤُ الْمَكْنُوْنُ فِىْ صَدَفٍ

مِنْ مَّعْدِ نَىْ مَنْطِقٍ مِّنْهُ وَمُبْتَسَمٖ

گویا کہ آپ کے دندان مبارک چمکتے ہوئے موتی ہیں جو اپنی صدف میں پنہاں ہیں جو تکلم اور تبسم کے باوجود اپنی رعنائی برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

یعنی حضور نبی اکرم ﷺ کے دندان مبارک ایسے گوہر تابدار، ان نفیس موتیوں کی طرح ہیں جو ابھی تک صدف میں ہیں اور معدنی کانوں سے باہر نہیں نکلے اور ان کی اصلی چمک دمک ہاتھوں کے استعمال سے متاثر نہیں ہوئی ہے گویا درمکنون اپنے صدف میں جھلک مار رہے ہیں۔ ابن ابی ہالہ کہ روایت کی رو سے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے دندان مبارک آبدار اور جدا جدا تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اگلے دو دانت مبارک چمکیلے اور روشن تھے اور امام الانبیاء ﷺ گفتگو فرماتے تو یوں معلوم ہوتا گویا ان سے نور نکل رہا ہے۔ حضرت ابو رصانہؓ سے روایت ہے کہ میں نے، میری ماں نے اور میری خالہ نے نبی رحمت ﷺ سے بیعت کی جب ہم گھر لوٹے تو میری ماں اور خالہ کہنے لگیں اے بیٹے! ہم نے حضور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ سے زیادہ خوبصورت چہرے والا، صاف ستھرے کپڑوں والا، نرم گفتگو کرنے والا کوئی انسان نہیں دیکھا اور یوم معلوم ہوتا تھا گویا آپؐ کے منہ مبارک سے نور نکلتا ہے۔ حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس شخص کو خوب جانتا ہوں جو سب سے اول جنت میں داخل ہوگا۔ اور اس سے بھی واقف ہوں جو سب سے آخر میں جہنم سے نکالا جائے گا الخ۔ حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اس شخص کا مقولہ نقل فرما کر ہنسے یہاں تک کہ آپؐ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ حضور سید یوم النشور ﷺ کا اکثر اوقات تبسم اور مسکرانا ہی ہوتا تھا ہنسنے کی نوبت بہت کم آتی تھی۔ حضرت عامر بن سعیدؓ کہتے ہیں کہ میرے والد حضرت سعدؓ فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ غزوہ خندق کے دن ہنسے حتیٰ کہ آپؐ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔

لَا طِیبَ یَعْدِلُ تُرْباً ضَمَّ اَعْظُمَہٗ

طُوْبیٰ لِمُنْتَشِقٍ مِّنْہُ وَمُلْتَثِمِ

دنیا کی کوئی خوشبو اس خاک پاک سے اعلیٰ و افضل نہیں ہے جس مبارک مٹی سے جسم اطہر مس ہے اور خوش نصیب او رمبارک ہیں وہ جنہوں نے اس کی خوشبو سونگھی اور بوسہ دیا۔

حضور معلم و مقصود کائنات ﷺ کا اجمل المخلوقات اور بدر البدور ہونا تو مسلم ہے لہذا ان کے لئے طبعی خوشبو لازم ہے اور اسی لئے حضور ﷺ کے جسم اطہر سے خود بخود خوشبو مہکتی تھی گو حضور اکرم ﷺ خوشبو کا استعمال نہ فرمائیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور ﷺ کے پسینہ مبارک کی خوشبو سے زیادہ عمدہ کوئی خوشبو میں نے نہیں سونگھی۔ اور بعض صحابہؓ آنجناب کا پسینہ مبارک بطور خوشبو کے استعمال فرماتے تھے اور ابو العلیؓ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ جس گلی سے حضور انور ﷺ گزرتے تھے اس گلی کو خوشبو سے مہکتا

پا کر مجھ لیا جاتا تھا کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر اس راستہ ہوا ہے۔ اسی طرح دنیا کی کوئی خوشبو اس خاک پاک سے زیادہ بہتر اور معطر نہیں ہو سکتی۔ جس خاک پاک پر جناب رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ افروز ہیں اور اقامت گزیں ہیں۔ وہ قبر اطہر سات آسمانوں حتیٰ کہ عرش مجید اور کعبۃ اللہ سے بھی افضل ہے کیوں نہ ہو احادیث شریف میں آیا ہے کہ ہر متنفس کی پیدائش اس خاک سے ہے جس میں دفن ہوتا ہے تو وہ خاک اطہر جس میں رحمت دارین سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس جلوہ افروز ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اطہر کا جزو ہونا تو بلاشبہ تمام عالم میں سب سے افضل ہے اور وہ کتنے خوش نصیب ہیں جنہوں نے اس خاک اقدس کو سونگھا اور بوسہ دیا جیسا کہ سیدۃ النساء العالمین جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا نے اپنے مرثیہ میں ارشاد فرمایا ہے جس کا ترجمہ پیش خدمت ہے:

''مجھ پر ایسی مصیبتیں ڈال دی گئی ہیں کہ اگر ان کو دنوں پر ڈالا جاتا تو وہ راتوں میں تبدیل ہو جاتے۔ جو ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربت اقدس کو سونگھ لیتا ہے تو اسے کبھی کسی خوشبو کو سونگھنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی''۔

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی ایسی ہی ایک حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت فرمائی کہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے اجر وثواب کے حصول کے لئے مدینہ طیبہ میں میری زیارت کی وہ میری پناہ میں آ گیا۔ اور میں قیامت میں اس کا شفیع ہوں گا اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا قبر مبارک پر چہرہ رکھنا بھی ثابت ہے امام احمد روایت نقل فرماتے ہیں کہ ایک دن مروان بن حکم خبیث آیا تو دیکھا کہ ایک شخص اپنا چہرہ قبر نبوی ﷺ پر رکھے ہوئے ہے۔ مروان ملعون ابن ملعون نے اس کی گردن پکڑ کر اٹھایا اور کہا تم جانتے ہو کہ کیا کر رہے ہو؟ اس شخص نے کہا ہاں جانتا ہوں لیکن تم جان لو! میں کسی پتھر کے سامنے نہیں آیا ہوں بلکہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا ہوں۔ میں نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا کہ جب تک دین کے محافظ اس کے اہل ہوں گے اس پر کوئی غم نہ کرنا لیکن جب اسکے والی اور حاکم نااہل ہونے لگیں تو دین کی تباہی پر غم کرنا۔ قبر مبارک پر اپنے چہرہ رکھنے والے یہ بزرگ بہت بڑے جلیل القدر صحابی حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہیں (انوار الباری شرح صحیح بخاری ج ۱۳ ص ۵۷ بحوالہ وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۱۰)

راقم السطور مہر حسین عفی عنہ عرض گزار ہے کہ مدینہ طیبہ حاضری کے وقت مسجد نبوی ﷺ کی زیارت کی الگ نیت کرنی چاہیے اور روضہ اطہر اور قبر اطہر کی زیارت کی الگ نیت کرنی چاہیے تاکہ دوہرا ثواب اور

دوہری شفاعت حاصل ہوسکے۔

اَبَانَ مَوْلِدُہٗ عَنْ طِیْبِ عُنْصُرِہٖ
یَا طِیْبَ مُبْتَدَاِمِنْہُ وَمُخْتَتَمٖ

حضور سرور کونین ﷺ کے زمانِ ولادت نے آپکی عمدگی و لطافت اور طہارت کو ظاہر کر دیا اور اے خوشبوؤ! آؤ دیکھو حضور ﷺ کی جائے ولادت اور مدفن اقدس دونوں کیسے پاک اور خوشبو دار ہیں۔

اللہ تعالیٰ خود اپنے محبوب کے حسن و جمال کی قسمیں کھا رہا ہے اور جناب سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب مجھے حمل مبارک کے چھ ماہ گزر گئے تو میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جس نے مجھ سے کہا کہ آمنہؑ! تمہارے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ افضل العالمین ہے جب وہ پیدا ہو تو محمد ﷺ نام رکھنا اور یہ راز کسی سے نہ کہنا جب مجھے وہ صورت حال پیش آئی جو عورتوں کو آتی ہے تو نہ مردوں کو اس حالت کا علم تھا اور نہ عورتوں کو، میں اکیلی تھی اور جناب عبدالمطلب طواف کو گئے ہوئے تھے میں نے ایک دھماکہ کی آواز سنی کہ میں ڈر گئی پھر میں نے یوں محسوس کیا کہ سفید پرندوں نے اپنے بازوؤں سے میرے دل کو چھوا تو خوف اور درد جاتا رہا پھر میں نے غور کیا تو مجھے سفید رنگ کا شربت پیش کیا گیا جو میں پی گئی اور میں نے اپنے اندر زبردست خدائی تجلی محسوس کی بعد میں مَیں نے کئی بلند و بالا عورتیں جو عبد مناف کی عورتوں کی طرح تھیں دیکھیں جو مجھے گھیرے ہوئے تھیں اور میں حیران تھی کہ انہیں میرے بارے میں کس نے بتایا ہے وہ کہنے لگیں کہ ہم میں فلاں خاتون آسیہ زوجہ فرعون اور فلاں مریم دختر عمران ہے اور باقی بہشت کی حوریں ہیں میں ابھی اسی حال میں تھی کہ سفید ریشمی چادر زمین و آسمان کے درمیان تان دی گئی میں نے ایک شخص کو کہتے سنا لوگوں کی نگاہ آپ پر نہ پڑنے دو پھر میں نے کچھ لوگوں کو فضا میں کھڑا دیکھا جن کے ہاتھوں میں چاندی کے لوٹے تھے پھر میں نے پرندوں کا ایک غول دیکھا جنہوں نے میرے حجرے کو گھیر لیا ان کی چونچیں زمردکی تھیں اور بازو یاقوت کے تھے اللہ نے میرے آنکھوں سے پردہ اٹھا دیا چنانچہ میں نے مشرق و مغرب کا مشاہدہ کیا اور تین جھنڈے گڑے دیکھے ایک مشرق میں ایک مغرب اور ایک کعبہ کی چھت پر اس حال میں مجھے دردِ زہ شروع ہوا اور آپ کی ولادت ہوئی دیکھا کہ آپ سجدہ میں پڑے ہیں اور آپ نے اپنی انگلیاں یوں آسمان کی طرف اٹھائی ہوئی ہیں جیسے کوئی عجز و نیاز سے زاری کرتا ہے پھر میں نے آسمان سے سفید بادل آتا دیکھا جس نے آپ کو ڈھانپ لیا۔ اور میری نگاہوں سے چھپا لیا پھر میں نے سنا ایک منادی کرنے والا کہہ رہا تھا کہ آپ کو مشرق و مغرب میں ہر طرف گھماؤ، سمندروں میں لے جاؤ تا کہ آپ کے نام، اوصاف اور شکل

وشباہت سے واقف ہو جائیں۔ پھر وہ آپ سے فوراً علیحدہ ہو گئے۔

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ جب آپ کی ولادت ہوئی تو "رضوان" نے آپ کے کان میں کہا! اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کو مبارک ہو انبیاء کے تمام علوم آپ کو عطا کئے جارہے ہیں۔ آپ ان سب سے زیادہ عالم اور زیادہ مضبوط دل والے ہیں۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ آپ بوقت ولادت چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہے تھے اور خالص کستوری کی خوشبو آ رہی تھی اور جناب آمنہ سلام اللہ علیہا سے روایت ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی تو آپ کے ساتھ ایک ایسا نور تھا جس سے مشرق ومغرب چمک اٹھے طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت بیان کی ہے کہ ملک الموت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک حضرت علی المرتضیٰ ؑ کی گود میں تھا اس نے اجازت طلب کی اور سلام کہا۔ حضرت علی ؑ نے کہا تم واپس چلے جاؤ کہ ہمیں فرصت نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ ملک الموت ہیں خوشی سے آ سکتے ہیں۔ اندر آ کر کہنے لگے خدا نے آپ کو سلام کا تحفہ بھیجا ہے مجھے بتایا گیا ہے کہ نہ اس سے پیشتر اور نہ بعد میں ملک الموت نے کبھی بھی اہل بیت کو سلام کہا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات کے مطابق جناب علی المرتضیٰ ؑ، حضرت ابن عباس ؓ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر سے نہایت دل آویز خوشبو آ رہی تھی۔ جناب امیر المومنین حیدر کرار علیہ السلام سے لوگوں نے کمال حفظ وفہم کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ جب میں نے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دیا تو پانی کا ایک قطرہ چشم مبارک پر رہ گیا تھا تو مجھ کو گوارا نہ ہوا کہ اس کو زمین پر گرادوں اس لئے میں نے اسکو پی لیا اور میرے کمال حفظ وفہم کا سبب ہے۔

يَوْمٌ تَفَرَّسَ فِيْهِ الْفُرْسُ اَنَّهُمْ
قَدْ اُنْذِرُوْا بِحُلُوْلِ الْبُؤْسِ وَالنِّقَمِ

یوم ولادت مبارک کو اہل فارس نے اپنی فراست سے جان لیا کہ ان کے زوال اور مصیبت کے دن آ گئے ہیں۔

حضور معلم ومقصود کائنات کی ولادت مبارک پر جو عجائبات سامنے آئے ہیں امام بوصیری ؒ نے اس شعر میں اور اگلے چند اشعار میں ان کا تذکرہ فرمایا ہے اس شعر میں فارس کے آتش کدہ کا بجھ جانا بتلایا گیا ہے جو ولادت مبارک سے ایک ہزار سال قبل سے بدستور جل رہا تھا۔ فارس کا مذہب مجوسیت تھا۔ جس کا دائرہ عراق سے لے کر ہندوستان کی سرحد تک محیط تھا اور عرب کی پہلی ہمسایہ سلطنت فارس تھی جس کے تمدن کا ستارہ اوج

کمال پر تھا اور یہ لوگ آگ کی پوجا کرتے تھے۔ جس صبح سعادت کو جناب باعث تخلیق کائنات سرور دو عالم ﷺ اس جہاں میں جلوہ افروز ہوئے اہل فارس کا آتشکدہ فوراً بجھ گیا۔ اہل فارس کے کاہنوں نجومیوں اور ارباب حکومت نے محسوس کرلیا کہ دنیائے عالم میں کوئی انقلاب ضرور برپا ہوا ہے جس سے ان کا یہ آتشکدہ بجھ گیا۔

وَ بَاتَ اِیْوَ انُکِسْرٰی وَھُوَ مُنْصَدِعٌ

کَشَمْلِ اَصْحَابِ کِسْرٰی غَیْرَ مُلْتَئِمٖ

کسریٰ (شاہ ایران) کا محل پھٹ کر رہ گیا اور پھر درست نہ ہوسکا جس طرح کسریٰ کا لشکر منتشر ہونے کے بعد پھر منظم نہ ہوسکا۔

ایران کے بادشاہ کو کسریٰ اور روم کے بادشاہ کو قیصر کہا جاتا تھا جب کہ یمن کے بادشاہ کو تُبع اور مصر کے بادشاہ کو فرعون کے نام سے پکارا جاتا تھا اور ترکی کے بادشاہ کو خاقان کہتے ہیں اور حبش کے بادشاہ کو نجاشی کہتے ہیں۔

ایران کے بادشاہ کسریٰ کا محل نوے برس میں تعمیر ہوا اس پر سونے کے پانی کا رنگ کیا گیا تھا زبرجد اور دیگر قیمتی موتیوں سے اس پر نقاشی کا کام تھا اور قیمتی جواہرات جڑے گئے تھے۔ جس مقدس رات میں جناب سرور دو عالم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی اس رات اس محل پر زلزلہ طاری ہوگیا اور تمام محل پھٹ گیا اور محل کے چودہ کنگرے گر گئے اس خطرناک صورت حال نے اس کا صبر وسکون چھین لیا اس نے شاہی دربار لگایا اور اہل دربار کو مخاطب ہو کر کہا کہ تم جانتے ہو آج میں نے کیوں تمھیں یہاں طلب کیا ہے انہوں نے کہا نہیں اسی اثناء میں اسے اطلاع دی گئی کہ اس کے آتش کدوں سے آگ بجھ گئی حالانکہ جب سے اہل ایران نے آتش پرستی قبول کی تھی اس وقت سے آج تک کبھی آگ نہیں بجھی تھی یہ اطلاع سن کر اس کے غم واندوہ کی کوئی حد نہیں رہی۔ اسی اثناء میں اس کے دربار کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) نے کہا اللہ تعالیٰ بادشاہ کو سلامت رکھے میں نے آج ایک ڈراؤنا خواب دیکھا ہے میں نے دیکھا ہے کہ آگے آگے سرکش اونٹ ہیں اور ان کے پیچھے پیچھے عربی گھوڑے ہیں جنہوں نے دریائے دجلہ کو عبور کیا اور ہمارے ملک میں پھیل گئے کسریٰ نے پوچھا۔ اے موبذان! اس بارہ میں تمہارا کیا خیال ہے اس نے کہا یوں معلوم ہوتا ہے کہ جزیرہ عرب میں کوئی حادثہ رونما ہوا ہے چنانچہ کسریٰ کی طرف سے ایک خط نعمان بن منذر کو لکھا گیا جس میں ہدایت کی گئی کہ شاہی دربار میں کسی ایسے عالم اور حاذق آدمی کو بھیجا جائے جو اس کے سوالوں کے جواب دے سکے چنانچہ مشہور زمانہ کاہن عبدالمسیح کو دربار بھیجا گیا۔ بادشاہ اور موبذان (قاضی

القضاۃ) نے اپنی اپنی بات اسے بتائی اس نے کہا کہ شام کی سرحد کے قریب میرا ایک ماموں رہتا ہے جس کا نام سطیح ہے وہ ان سوالات کے جواب دے سکتا ہے کسریٰ نے اسے کہا کہ اس کے پاس جاؤ اور جواب لے کر آؤ۔ جب عبدالمسیح اپنے ماموں سطیح کے پاس پہنچا تو وہ بستر مرگ پر موت کا انتظار کر رہا تھا۔ عبدالمسیح نے اس سے تمام ماجرا اور خواب بیان کی۔ سطیح نے کہا اے عبدالمسیح جب تلاوت کثرت سے کی جائے گی اور عصا والا ظاہر ہوگا اور سماوہ کی وادی بہنے لگے گی اور ساوہ کا بحیرہ خشک ہو جائے گا اور فارس کی آگ بجھ جائے گی تو یہ شام سطیح کا نہیں رہے گا۔ اور محل کے گرنے والے کنگروں کی تعداد کے مطابق ان کے بادشاہ تخت نشین ہوں گے۔ ہر آنے والی چیز آ کر رہتی ہے جب عبدالمسیح واپس کسریٰ کے پاس آیا اسے تعبیر سے آگاہ کیا جب اس نے سنا کہ ہمارے خاندان میں ابھی چودہ بادشاہ اور ہوں گے تو اس کا خوف و ہراس دور ہو گیا اور کہنے لگا کہ ابھی ہماری حکومت طویل عرصہ تک رہے گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجیب انداز ہیں کہ ان چودہ میں سے دس کی حکومتیں چار سال کے اندر ختم ہو گئیں۔ اور باقی چار کا عہد حکومت حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں اختتام پذیر ہوا کیونکہ ان کا آخری بادشاہ یزدجرد آپ کے زمانہ میں مقتول ہوا۔ تین ہزار ایک سو چونسٹھ سال حکومت کرنے کے بعد کسریٰ کی حکومت کا آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا اور سرکار دو جہاں ﷺ کا یہ مبارک ارشاد چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود آفتاب جہاں تاب کی طرح چمک رہا ہے اور انشاء اللہ تا ابد چمکتا رہے گا۔

اِذا ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہٗ۔ جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی اور کسریٰ نہیں ہوگا۔

وَالنّارُ خَامِدَةُ الْاَنْفَاسِ مِنْ اَسَفٍ
عَلَيْهِ وَالنَّهْرُ سَاهِي الْعَيْنِ مِنْ سَدَمٍ

مجوسیوں کے آتش کدوں کی آگ آہ سرد کھینچ کر بالکل سرد ہو گئی اور نہر فرات کی آنکھ یعنی منبع بہنے سے رک گیا۔

حضور سرور کائنات فخر موجودات ﷺ کے میلاد مبارک کے وقت آتش مجوس جو ہزاروں سال سے برابر روشن تھی اسے مجوسیوں کے مذہب کے بطلان کا یقین ہو گیا اور وہ آگ ایک سرد آہ بھر کر ٹھنڈی ہو گئی اور نہر فرات جو کوفہ کے قریب ہے اور جس پر نوشیروان نے پل باندھ کر اس کے گرد عالیشان عمارات، کنائس اور آتشکدے تعمیر کرائے تھے ایسی حیران ہوئی کہ اپنا بہاؤ چھوڑ کر ساوہ کے گھاٹ میں جو دمشق اور عراق کے درمیان ہے جا بہنے لگی۔

وَسَاءَ سَاوَةَ اَنْ غَاضَتْ بُحَيْرَتُهَا
وَرُدَّ وَارِدُهَا بِالْغَيْظِ حِيْنَ ظَمِیْ

اور غمگین ہو گئے اہل ساوہ کہ ان کے دریا کا پانی خشک ہو گیا اور اہل ساوہ تشنگی میں غصہ سے واپس لوٹے۔

جس رات فخر دو عالم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی ساوہ کے قریب ایک جھیل خشک ہو گئی۔ یہ جگہ تیرہویں صدی عیسوی میں بھی القزوینی نے دیکھی تھی۔ زرتشتیوں کے عقائد حشر و نشر میں جھیل کنسوہ (کساویہ) کی بڑی اہمیت ہے اور ساوہ وسطی ایران کا ایک شہر ہے اور یہ اس سڑک پر واقع ہے جو قزوین سے قم کو جاتی ہے یورپی سیاحوں میں سے مارکوپولو کا بیان ہے کہ ساوہ ہی وہ شہر تھا جہاں سے تین مجوسی بادشاہ بیت اللحم کی طرف روانہ ہوئے اور وہیں ایک مربع شکل کے مقبرے میں مدفون ہیں۔ بحیرہ ساوہ کے دونوں اطراف پر کنیسہ اور شاندار بازار تھے اور مجوس اس جگہ کو متبرک خیال کرتے تھے تو جب ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد مصطفی احمد مجتبیٰ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تو دیگر مقامات کفر کی طرح یہاں بھی انقلاب آیا اور بحیرہ ساوہ کا پانی خشک ہو گیا اور اس پانی کو متبرک خیال کرنے والے اپنے غصہ میں جلتے ہوئے واپس ہو گئے۔

كَاَنَّ بِالنَّارِ مَا بِالْمَاءِ مِنْ بَلَلٍ
حُزْنًا وَّبِالْمَاءِ مَا بِالنَّارِ مِنْ ضَرَمِ

گویا کہ آتش غم میں آگ نے پانی سے نمی حاصل کی اور پانی نے آگ سے حرارت حاصل کر کے خشکی اختیار کر لی۔

چونکہ جناب خاتم النبیین ﷺ کی آمد سے تمام ادیان باطلہ مٹنے مقصود تھے تو یہ سلسلہ ولادت باسعادت سے ہی شروع ہو گیا کہ مجوسیوں کی معبود آگ بجھ گئی اور پانی کی پوجا کرنے والوں کے لئے ان کے متبرک مقام بحیرہ ساوہ کا پانی خشک ہو گیا گویا معبودان باطلہ ختم ہونے شروع ہو گئے تو امام بوصیریؒ نے قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں زلزلے اور ان کے چودہ کنگرے گرنے۔ مجوسیوں کے آتش کدے سرد ہونے اور بحیرہ ساوہ کے خشک ہونے کے مضامین کو بیان فرما کر بطور تتمہ بیان فرمایا ہے کہ ہادی عالم امام برحق ﷺ کی تشریف آوری سے کفر مبہوت ہونا شروع ہو گیا اور کفار سے پہلے کفار کے معبودان باطلہ ختم ہونا شروع ہو گئے کہ کفار کو بہ آسانی یقین آ جائے کہ ہم جن چیزوں کی پرستش کر رہے ہیں وہ تو خود زوال پذیر ہیں اصل اور حقیقی معبود تو خدائے وحدہٗ لاشریک ہے۔

وَالْجِنُّ تَهْتِفُ وَالْاَنْوَارُ سَاطِعَةٌ
وَالْحَقُّ يَظْهَرُ مِنْ مَّعْنًیً وَّمِنْ کَلِمِ

اور جنات ظہور حضورؐ کی آوازیں کر رہے ہیں اور انوار بلند ہو کر چمکنے لگے اور حق ظاہر ہو گیا قرآن مجید سے اور حضورؐ کے ارشادات گرامی سے۔

سابقہ اشعار اور اس شعر میں ایک گہرا لطیف ربط ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ھو الذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہٖ (سورۃ فتح) وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت کا سامان (یعنی قرآن) دیا سچا دین (یعنی اسلام) دے کر (دنیا میں) بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے"۔ والجن تھتف سے مراد جنات کی بشارتیں ہیں مواہب اللدینۃ میں ہے کہ وقت ولادت باسعادت مشرق کے جن مغرب کے جنوں کو مغرب کے جن مشرق کے جنوں کو حضور ﷺ کی ولادت کی بشارت دے رہے تھے۔ "جن" کے لغوی معنی چھپی ہوئی مخلوق ہے اور اس نظر نہ آنے والی مخلوق کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے جبکہ انسان مٹی اور ملائکہ نور سے بنائے گئے ہیں ابلیس بھی جنوں میں سے تھا چنانچہ جب اسے حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے کے لئے کہا گیا تو اس نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور آدمؑ مٹی سے۔ اسلام سے پہلے بھی جنوں کے تذکرے موجود تھے۔ حضرت سلیمانؑ کی حکومت جنوں پر بھی تھی۔ قرآن مجید کی سورہ نمبر ۷۲ کا نام "سورۃ الجن" ہے، جو مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں ۲۸ آیتیں ہیں۔ جنات اجسام بھی ہیں اور ذی روح بھی اور انسان کی طرح عقل و شعور بھی رکھتے ہیں۔ حضور خاتم النبیین ﷺ کی ولادت باسعادت کے ساتھ ہی جنات کو آسمانی خبریں سننے سے شہاب ثاقب کے ذریعہ روک دیا گیا تو جنات نے باہم مشورہ کیا کہ یہ حادثہ جو ہم پر آسمانی خبروں کے ممنوع ہو جانے کا پیش آیا ہے یہ کوئی اتفاقی بات معلوم نہیں ہوتی بلکہ دنیا میں کوئی نئی چیز پیش آئی ہے اور یہ طے ہوا کہ زمین کے مشرق و مغرب اور ہر کونہ میں جنات کے وفود جائیں اور اس امر کی تحقیق کریں کہ کیا نئی چیز پیش آئی ہے تو اس موقع پر قلب سلیم رکھنے والے جنات اور تورات زبور اور انجیل پر ایمان رکھنے والے جنات جنہوں نے ان آسمانی کتابوں میں حضور ﷺ کی بشارات دیکھ اور سن رکھی تھیں انہوں نے ایک دوسرے کو مبارک باد پیش کی کہ جناب خاتم الانبیاء ﷺ اس جہان میں تشریف فرما چکے ہیں اور تمام ادیان پر غالب دین ظاہر ہونے والا ہے اور دنیا میں حق کا بول بالا ہونے والا ہے۔

عَمُوْا وَصَمُّوْ فَاِعْلَانُ الْبَشَائِرِ لَمْ
تُسْمَعْ وَبَارِقَۃُ الْاِنْذَارِ لَمْ تُشَمِ

منکرین نبوت اندھے اور بہرے ہو گئے اور نہ خوش خبریوں کا اعلان سنا اور نہ ڈرانے والی بجلیاں دیکھ سکے۔

یعنی کفار باوجود ظہور دلائل نبوت کے ایمان نہ لائے اور قبول حق سے اندھے اور بہرے ہو گئے جیسا کہ قرآن مجید فرقان حمید میں اللہ جل شانہٗ فرماتے ہیں: ''وہ دل رکھتے ہیں جن میں سمجھ نہیں اور آنکھیں جن سے دیکھتے نہیں اور وہ کان جن سے سنتے نہیں وہ تو چوپاؤں (جانوروں) کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہی و غفلت میں پڑے ہیں''۔ یعنی منکرین نبوت کتنے بد بخت ہیں کہ آسمانوں پر خوشیاں منائی جا رہی ہیں فرشتے ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے ہیں جنگلی جانور، سمندری مخلوق اور دریاؤں کی مچھلیاں حتیٰ کہ جنات جیسی سرکش قوم ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے ہیں امام برحق ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری پر خوشیاں منا رہے ہیں اور معجزات ظاہر ہو رہے ہیں لیکن مشرکین مکہ اپنی ازلی بدبختی سے اندھے اور بہرے ہو گئے ہیں۔ نہ انھیں معجزات دکھائی دیتے ہیں نہ انہیں حق بات سنائی دیتی ہے حتیٰ کہ وہ ڈرانے والی بجلیوں کو دیکھنے سے قاصر ہیں۔ اور ان کے قلوب پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔

مِنۡ بَعۡدِ مَآ اَخۡبَرَ الۡاَقۡوَامَ کَاهِنُهُمۡ
بِاَنَّ دِيۡنَهُمُ الۡمُعۡوَجَّ لَمۡ يَقُمِ

کاہنوں کی جماعت کے بتا دینے کے بعد یہ قبول حق سے اندھے ہوئے کہ تمھارا کج دین اب قائم نہیں رہے گا۔

یعنی یہ بات زیادہ تعجب خیز ہے کہ جن کاھنوں کی باتوں پر وہ یقین کامل رکھتے تھے اور ان کی ہر بات اور خبر کو درست اور سچا تسلیم کرتے تھے ان کاھنوں نے انہیں اس بات سے صاف صاف اور علی الاعلان مطلع کر دیا تھا کہ اب تمھارا یہ ٹیڑھا اور کج دین قائم نہیں رہے گا۔ جزیرہ عرب میں بسنے والے قبائل کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے جاہل معاشرہ میں کاھنوں کو بڑا اہم مقام حاصل تھا۔ قبائل کے سردار اور حکمران اپنے پیچیدہ معاملات میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے اور باہمی تنازعات کا فیصلہ کرنے کے لئے ان کو اپنا حکم تسلیم کرتے ان سے فیصلہ کراتے ان سے فیصلہ آخری اور حتمی ہوتا۔ فریقین میں سے کوئی بھی ان کے فیصلہ سے سرتابی کی جرات نہیں کرسکتا تھا۔ امام نووی شارح صحیح مسلم نے کاھن کی جو تشریح کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کاھنوں کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم:۔ یہ کہ کوئی جن کسی انسان کے ماتحت ہو اور وہ ماتحت جن آسمانی باتیں چوری چھپے سن کر اپنے دوست انسان کو بتا دے مگر نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد کاہنوں کی یہ قسم ختم ہو گئی۔

دوسری قسم:۔ وہ جن اپنے انسان دوست کو ان واقعات سے آگاہ کردے جو کسی ملک یا علاقہ میں ظہور پذیر ہوئے ہوں اور یہ امر محال نہیں۔

تیسری قسم:۔ یہ وہ لوگ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے ایک مخصوص قوت وودیعت کردی ہوتی ہے اور یہ لوگ اسباب اور مقدمات کی مدد سے مخفی امور پر استدلال کرتے ہیں۔ (شرح صحیح مسلم ص ۷۰۲ ص ۱۷۲)

علامہ ابن خلدون نے بھی اپنی تاریخ کے مقدمہ میں کاھنوں پر بڑی تفصیلی بحث فرمائی ہے۔

حضور سرور کائنات ﷺ کی پیدائش مبارک سے لے کر بعثت تک جزیرہ عرب کے کاھن اپنی اپنی اقوام کو نبی آخرالزمان ﷺ کے متعلق مسلسل آگاہ کرتے رہے مگر تعجب ہے کہ ان کی ہر بات کو حرف آخر ماننے کے باوجود مشرکین مکہ راہ ہدایت سے اندھے اور بہرے رہے اور دولتِ ایمان سے فیض یاب نہ ہوسکے۔

وَبَعۡدَ مَاعَا یَنُوۡ فِی الۡاُ فُقِ مِنۡ شُھُبٍ

مُنۡقَضَّۃٍ وَفۡقَ مَافِی الۡاَرۡضِ مِنۡ صَنَمٖ

آسمان کے کناروں سے شہاب ثاقب گرتے دیکھنے کے بعد اور بتوں کو بھی زمین پر گرتا دیکھ کر (کفار منکر رسالت ہی رہے)۔

یہ شعر بھی پچھلے شعر کا ہی مضمون بیان کر رہا ہے کہ منکرین نبوت راہ ہدایت سے ایسے اندھے اور غافل ہو چکے ہیں کہ وہ اپنی آنکھوں سے افق کے کناروں سے شہاب ثاقب گرتا دیکھ رہے ہیں اور کفار نے خود بتوں کو بھی اوندھے منہ زمین پر گرا ہوا دیکھ لیا ہے مگر ایمان نہ لائے علامہ خرپوتیؒ نے اپنی شرح قصیدہ بردہ شریف میں لکھا ہے کہ روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نافذ ہوتا جسے حاملین عرش سن کر تسبیح کرتے اور ان سے نیچے ملائکہ بھی تسبیح کرتے تو باقی فرشتے وجہ دریافت کرتے تو انہیں اس حکم کی خبر دی جاتی یہاں تک کہ آسمان دنیا کے فرشتوں تک یہ خبر عام ہو جاتی تو شیاطین جو آسمان دنیا کے قریب اڑ کر چھپے رہتے تھے وہ اس خبر کو اڑالاتے اور کاہنوں کو بتا دیتے تو جتنی خبر وہ صحیح دیتے وہ بالکل صحیح ہوتی لیکن اکثر زائد کچھ ملا کر کہتے وہ کذب خالص ہوتا۔ یہ کیفیت زمانہ جہالت میں تھی لیکن جناب امام الانبیاء ﷺ کی ولادت سعادت ہوئی تو شیاطین کے راستے بند ہو گئے اور جو شیاطین اوپر جانے کی کوشش کرتے انہیں شہاب ثاقب کے ذریعہ رجم کیا جاتا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "فمن یستمع الاٰ ن یجدلہٗ شھابًا رصداً"۔ اب شیاطین جو سننے جائیں وہ شہاب رصد پاتے ہیں۔ "وجعلنا ھارجوما للشیٰطین" بھی اسی واقع

کی طرف اشارہ ہے اور اسی طرح بوقت ولادت مبارکہ حضور باعث تخلیق کائنات ﷺ روئے زمین کے تمام بت اوندھے گر پڑے۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب کے واقعہ میں ہے کہ جب وہ کعبہ میں گئے تو وہاں پڑے ہوئے تمام بت سرنگوں تھے اور سب سے بڑا بت ھُبل منہ کے بل گر پڑا اور اس کے اندر سے آواز آئی کہ آمنہ نے محمد (ﷺ) کو جنم دیا۔ اور قریش کے ہر ایک فریق کا ایک بت (پتھر کا بنا ہوا معبود) تھا وہ ہر سال وہاں حاضر ہوتے اور عید مناتے ایک شب وہ بت اپنی جگہ سے جدا ہو کر سرنگوں ہو گیا لوگوں نے اس کو سیدھا کیا لیکن وہ پھر سرنگوں ہو گیا اور اس کے اندر سے آواز آئی کہ پیغمبر آخرالزمان ﷺ پیدا ہوئے اور ان کے نور سے مشرق سے مغرب تلک روشن ہو گیا اور تمام بت منہ کے بل گر پڑے۔

حَتّٰی غَدَا عَنْ طَرِیْقِ الْوَحِیْ مُنْهَزِمٌ
مِنَ الشَّیَاطِیْنِ یَقْفُوْا اِثْرَمُنْهَزِمٖ

حتیٰ کہ وحی کے راستوں سے شیاطین ایسے بھاگے کہ وہ بھاگتے ہوئے ایک دوسرے پر گر رہے تھے۔

یعنی شیاطین پر شہاب ثاقب کی ایسی بارش ہوئی کہ وہ سر پر پاؤں رکھ کر نہایت تیز رفتاری سے واپس بھاگنے شروع ہو گئے اور پریشانی کے عالم میں ایک دوسرے کو روندتے دوڑتے جا رہے تھے اور ہر ایک کو اپنی جان بچانے کی فکر تھی۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ کہ شہاب ثاقب جس شیطان کو لگ جاتا ہے تو وہ ہمیشہ کے لئے ہلاک ہو جاتا ہے اور جو زخمی ہوتا وہ دیوانہ ہو جاتا ہے اور اردو میں چھلاوہ اسی کو کہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

کَاَنَّهُمْ هَرَباً اَبْطَالُ اَبْرَهَةٍ
اَوْ عَسْکَرٌ بِالْحَصٰی مِنْ رَاحَتَیْهِ رُمِیْ

گویا شیاطین بھاگنے میں لشکر ابرہہ کی مانند تھے یا اس لشکر کی مانند جن پر حضورؐ کے دست مبارک سے کنکریاں پھینکی گئیں۔

یعنی شیاطین شہاب ثاقب مارے جانے کی وجہ سے اور ان کے خوف سے ایسے حواس باختہ ہو کر بھاگے جیسا کہ ابرہہ کا لشکر جو کعبۃ اللہ شریف پر حملے کے وقت بھاگا تھا اور لشکر قریش کفار کے مشابہ جن پر جناب سید المرسلین ﷺ نے کنکریوں کی مٹھی پھینکی اور کفار تاب نہ لاتے ہوئے آنکھیں ملتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اس واقعہ کو یوں بیان فرماتے ہیں ”ومارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ“۔

جب یمن کا فرماں روا ابرہہ کعبۃ اللہ شریف گرانے کے ناپاک ارادہ سے مکہ آیا تو اپنا ایک خاص

قاصد جس کا نام ''حباطہ الحمیری'' تھا اہل مکہ کی طرف بھیجا اور کہا کہ مکہ شہر کا جو رئیس ہے اس سے جا کر ملاقات کرو اور کہو کہ ہم تم سے جنگ کرنے نہیں آئے ہیں۔ بلکہ صرف کعبہ کو گرانے آئے ہیں۔ یہ شخص حضرت عبدالمطلب کے پاس لایا گیا اور اس نے اپنا مدعا بیان کیا حضرت عبدالمطلب نے کہا بخدا ہم بھی اس کے ساتھ جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے مگر یہ اللہ تعالیٰ کی حرمت والا گھر ہے اس گھر کو اس کے خلیل ابراہیمؑ نے تعمیر کیا ہے وہ خود اسکی حفاظت کا بندوبست کرے گا۔ پھر حضرت عبدالمطلب ابرہہ سے ملاقات کے لئے روانہ ہوئے حضرت عبدالمطلب صاحب حسن و جمال تھے چہرے سے وجاہت اور شرافت کے آثار نمایاں تھے جبین مبارک پر نور محمدیؐ چمک رہا تھا۔ ابرہہ نے جب دیکھا تو بڑی تعظیم کی اور آداب بجالایا۔ اپنے ترجمان سے کہا کہ ان سے پوچھو کیوں تشریف لائے ہو۔ آپ نے فرمایا کہ تمھارے سپاہیوں نے میرے دو سو اونٹ پکڑ لئے ہیں وہ مجھے واپس کر دو اس نے کہا کہ یہ اپنے اونٹوں کی بات کرتے ہیں۔ مگر اس گھر کے بارہ میں کچھ نہیں کہتے جس کو گرانے کے لئے میں آیا ہوں۔ آپ نے جواب دیا کہ میں اونٹوں کا مالک ہوں مجھے ان کی فکر ہے اس گھر کا بھی ایک مالک ہے وہ خود بہتر حفاظت فرمالے گا۔ ابرہہ بڑے غرور سے کہا کہ میری زد سے کعبہ کو کوئی نہیں بچا سکتا۔

ابرہہ سے ملاقات کے بعد حضرت عبدالمطلب واپس آئے تو قریش کو تمام حالات سے آگاہ کیا اور انہیں حکم دیا کہ مکہ سے نکل جائیں مبادا ابرہہ کا لشکر شہر میں داخل ہو کر ان کو ہدف ستم بنائے۔ پھر حضرت عبدالمطلب نے بارگاہ الٰہی میں حفاظت کعبہ کے لئے دعا فرمائی اور جب قریش حرم سے نکل گئے تو حضرت عبدالمطلب نے کہا بخدا میں اللہ کے حرم سے ہرگز نہیں نکلوں گا تاکہ اس کے علاوہ کسی اور کے پاس عزت تلاش کروں میں تو اللہ تعالیٰ کے بدلے میں اور کسی چیز کا متمنی نہیں ہوں۔

دوسرے دن صبح ابرہہ نے مکہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اپنے لشکر کو تیار کیا خود اپنے ہاتھی پر جس کا نام محمود تھا سوار ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہوا تو ہاتھی بیٹھ گیا انہوں نے ہاتھی کو اٹھانے کے لئے بڑے حیلے کئے اور اسے مارا مگر پھر بھی اس نے اٹھنے کا نام نہ لیا۔ جب اس کا رخ یمن کی طرف کیا گیا تو وہ اٹھ کر بھاگنے لگا پھر شام کی طرف رخ کیا پھر بھی بھاگنے لگا لیکن پھر جب مکہ کی طرف منہ کیا تو پھر بیٹھ گیا۔ اسی اثناء میں ابابیل کی ایک ٹکڑی سمندر سے اڑتی ہوئی آ پہنچی ہر پرندے کی چونچ اور پنجوں میں ایک ایک کنکری مسور یا چنے کے دانوں کے برابر تھی جس کے سر پر وہ کنکری گرتی اس کے فولادی خود کو چیر کر اس کے جسم سے پار ہو جاتی۔ لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور انہیں واپس بھاگنے کا راستہ مل نہیں رہا تھا ابرہہ پر ایک ایسی بیماری کا حملہ

ہو گیا کہ اس کا ایک ایک انگ گل گل کر گرنے لگا اس کے جسم میں پیپ اور خون سرایت کر گیا جس سے غضب کی بو آتی تھی اور وہ ایک غضب ناک موت سے دو چار ہوا۔"نعوذ باللہ من غضبہ وعذابہ"

سورہ فیل میں اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے یہی وہ مبارک سال ہے جس میں فخر موجودات باعث تخلیق کائنات معلم ومقصود کائنات محسن انسانیت پیغمبر اعظم وآخر ﷺ کی ولادت باسعادت سے انسانیت کے خزاں گزیدہ گلستان میں بہار آئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو جنگوں میں لشکر کفار پر اپنی مٹھی میں کنکریاں لے کر پھینکیں۔ پہلے غزوہ بدر میں اور دوسری بار غزوہ حنین میں۔اس بارہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ومارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ" (سورہ انفال) جب آپ نے کنکریاں پھینکیں وہ آپ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکیں تھیں۔

اس واقعہ کی تفصیل امام ابن جریر طبریؒ اور بیہقیؒ وغیرہ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے نقل کی ہے کہ معرکہ بدر کے دن جب مکہ کے ایک ہزار جوانوں کا لشکر ٹیلہ کے پیچھے سے میدان میں آیا تو مسلمانوں کی قلت وضعف اور اپنی کثرت وقوت پر فخر کرتا ہو متکبرانہ انداز سے سامنے آیا تو اس وقت جناب رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی کہ یا اللہ یہ تیرے جھٹلانے والے قریش فخر وتکبر کرتے آرہے ہیں آپ نے جو فتح کا وعدہ مجھ سے فرمایا اس کو جلد پورا فرما۔تو جبرئیل امین نازل ہوئے اور عرض کیا کہ آپ ایک مٹھی خاک لے کر دشمن کی طرف پھینک دیں۔ چنانچہ آپؐ نے ایسا ہی کیا جس کا اثر یہ ہوا کہ پورے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور کچھ کفار قتل ہو گئے اور کچھ بھاگ گئے۔

غزوہ حنین میں اسلامی لشکر کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ گئی تو کچھ لوگوں کو اس پر غرور واعجاب سا ہوا۔اس اعجاب کے نتیجہ میں مسلمانوں کو تادیب اور سرزنش کے لئے ابتداء میں شکست سے دو چار ہونا پڑا اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ابوسفیان جس نے فتح مکہ کے بعد بظاہر اسلام قبول کیا تھا اور اس کے دل میں مسلمانوں کے خلاف حسد وعناد کی چنگاریاں ابھی تک دہک رہی تھیں وہ اپنے ان جذبات کو نہ چھپا سکا اور برملا کہنے لگا کہ اب مسلمانوں کے قدم جمنے نہیں پائیں گے اور مسلمانوں کو سمندر کے سوا کوئی چیز نہیں روک سکتی مگر اس حالت میں بھی جناب رسول اللہ ﷺ اپنی جگہ پر مضبوطی سے قائم تھے۔حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت جناب سرور کونین ﷺ کے پاس موجود تھا میں بڑا تنومند قوی اور بلند آواز شخص تھا۔آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ مسلمانوں کو واپس بلاؤ چنانچہ میں نے لوگوں کو واپس بلایا اے سمرۃ والو۔اے بقرہ والو! اس پر لوگ جمع ہونے شروع ہو گئے جب سو کے لگ بھگ آدمی جمع ہو گئے تو آپ نے دشمن پر حملہ بول دیا اور مٹھی بھر

مٹی لے کر دشمن پر پھینکی اور فرمایا رب محمدؐ کی قسم وہ ہار گئے حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ کا مٹھی بھر مٹی پھینکنا تھا کہ کفار کی شکست کا آغاز ہو گیا ان کی تلواریں کند ہو گئیں ۔اور کفار شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے ۔

نَبَذَا بِهٖ بَعْدَ تَسْبِيحٍ بِبَطْنِهِمَا
نَبْذَ الْمُسَبِّحِ مِنْ اَحْشَاءِ مُلْتَقِمٖ

جس وقت حضورؐ نے وہ کنکریاں پھینکیں تھیں وہ دست اقدس میں تسبیح پڑھ رہی تھیں جیسے حضرت یونسؑ تسبیح پڑھتے ہوئے مچھلی کے پیٹ سے نکلے

یعنی جب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمن پر پھینکنے کے لئے بحکم خدا کنکریاں اٹھائیں تو وہ تسبیح پڑھ رہی تھیں جیسے حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں تسبیح کر رہے تھے اور جب یونسؑ کی تسبیح" لا الہ الاانت سبحانک انی کنت من الظالمین" کی برکت سے اس مچھلی نے حضرت یونسؑ کو اپنے شکم سے باہر اگل دیا اور آپ نے اس ظلمت کدہ (اندھیرے) شکم سے نجات پائی اسی طرح دست اقدس حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنگریزوں کا تسبیح کرتے ہوئے نکل کر دشمن کی طرف جانا لشکر اسلام کی فتح کا موجب ہوا۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مٹھی بھر کنکریاں اپنے دست اقدس میں لیں تو انہوں نے آپ کے ہاتھوں میں تسبیح پڑھنا شروع کر دی اور ہم نے خود اپنے کانوں سے ان کا تسبیح پڑھنا سنا جناب امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہم مکہ مکرمہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے تو آپ اس کے ایک جانب تشریف لے گئے پس جو درخت اور پہاڑ آپ کے سامنے آتا وہی سلام کرتا السلام علیک یا رسول اللہ۔

جَاءَتْ لِدَعْوَتِهِ الْاَشْجَارُ سَاجِدَةً
تَمْشِي اِلَيْهِ عَلٰى سَاقٍ بِلَا قَدَمٖ

جب آپؐ نے درختوں کو بلایا تو وہ مثل سجدہ کرتے ہوئے آپ کی طرف اپنے تنوں پر بلا قدم چلتے ہوئے حاضر ہوئے ۔

یعنی جب حضور سرور کون و مکان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درختوں کو طلب کیا تو وہ بغیر قدموں کے اپنے تنوں پر چلتے ہوئے حاضر ہو گئے ۔اس شعر میں ایک بڑے معجزے کا ذکر ہے جو متعدد دفعہ ظاہر ہوا حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نے حضور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معجزہ طلب کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس درخت سے جا کر کہہ دو کہ تجھے اللہ کا رسولؐ بلاتا ہے ۔حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ درخت یہ حکم سنتے ہی زمین کو چیرتے اپنی جڑیں گھسیٹتے اور مٹی اڑاتے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گیا اور عرض گزار ہوا۔ السلام علیک یا رسول اللہ۔ اعرابی نے کہا کہ

آپ اس درخت کو اپنی اصلی جگہ پر لوٹ جانے کا حکم دیجیے چنانچہ درخت اپنی جگہ لوٹ گیا۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر بنؓ عبداللہ سے ایک طویل حدیث میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو قضائے حاجت کی ضرورت محسوس ہوئی لیکن نزدیک کوئی درخت نہیں تھا۔ آپ نے دیکھا کہ ایک درخت میدان کے اس کنارے پر ہے اور دوسرا اس کنارے پر۔ آپؐ ایک درخت کے پاس تشریف لے گئے۔ اور اس کی ایک ٹہنی کو پکڑ کر فرمایا۔ اللہ کے رسولؐ کا حکم مان۔ چنانچہ وہ درخت اس طرح آپؐ کے ارشاد کی تعمیل کرنے لگا جس طرح اونٹ کو نکیل ڈال کر مجبور کر لیا جاتا ہے پھر آپؐ دوسرے درخت کے پاس تشریف لے گئے اور اسے بھی اس طرح لے آئے یہاں تک کہ دونوں درخت میدان کے وسط میں پہنچ گئے اب آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ خدا کے حکم سے مل جاؤ پس وہ دونوں درخت باہم مل گئے۔ اسی طرح حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ ایک غزوہ میں رسول اللہ نے فرمایا کہ کیا تمھیں کوئی ایسی جگہ نظر آتی ہے جہاں اللہ کا رسولؐ قضائے حاجت کے لئے بیٹھ سکے! میں عرض گزار ہوا۔ یارسول اللہ ﷺ ایسی تو کوئی جگہ دکھائی نہیں دیتی۔ فرمایا کیا کوئی درخت یا پتھر نظر آتا ہے؟ عرض کی ہاں چند کھجوریں تو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر نظر آرہی ہیں آپؐ نے فرمایا کہ ان سے جا کر کہدو کہ رسول اللہ ﷺ تمھیں اپنی قضائے حاجت کے لئے طلب کرتے ہیں اور اس طرح جو پتھر نظر آئے اسے بھی کہہ دینا۔ راوی فرماتے ہیں میں نے جا کر ایسا ہی کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے اپنے حبیب ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں نے ان درختوں کو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے کے قریب ہونے لگے یہاں تک کہ آپس میں مل گئے اور پتھر بھی آپس میں اکھٹے ہونے لگے اور کھجوروں کے پیچھے ان کا ڈھیر لگ گیا جب آپ قضائے حاجت سے فارغ ہو گئے تو مجھے حکم دیا کہ ان سے اپنی اپنی جگہ چلے جانے کے لئے کہدو۔ قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں نے کھجوروں کو دیکھا کہ ہر درخت ایک دوسرے سے جدا ہو کر اپنی اپنی جگہ پر چلا گیا اور اس طرح سارے پتھر بھی۔

كَاَنَّمَا سَطَرَتْ سَطْرًا لِمَا كَتَبَتْ
فُرُوْعُهَامِنْ بَدِيْعِ الْخَطِّ فِي اللَّقَمِ

گویا وہ درخت ایک سیدھی سطر کھینچتے ہوئے آرہے تھے اور ان کی شاخیں مابین السطور خوبصورتی پیدا کررہی تھیں۔

یعنی حضور باعث تخلیق کائنات سرورفخر موجودات ﷺ کے بلانے پر وہ درخت بلاکسی پس وپیش بالکل سیدھی لائن میں بغیر دائیں بائیں حرکت کئے غایت تعظیم کی خاطر حاضر خدمت ہو گئے اس خوبصورت شعر

میں ایک نہایت حکیمانہ نکتہ ہے کہ جب حضور سرورکائنات ﷺ کے طلب فرمانے پر بے جان درخت سیدھے چلے آتے ہیں تو انسان بدرجہ اولیٰ اس بات کے مکلف ہیں کہ حضور ﷺ کی ہر حالت میں پیروی کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بار بار قرآن مجید میں اس کا حکم فرمایا ہے۔ اور صرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے سے کوئی دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوسکتا جب تک اللہ کے آخری رسول ﷺ کی رسالت پر ایمان نہ لائے۔

مِثْلُ الْغَمَامَةِ اَنّٰی سَارَ سَائِرَةً
تَقِيْهِ حَرَّ وَطِيْسٍ لِّلْهَجِيْرِ حَمِيْ

بادلوں کی طرح چلنے والی چیز آپ پر سایہ فگن رہتی اور دوپہر کی گرمی سے آپ کو بچانے کے لئے ابر آپ کے ساتھ رہتا۔

یعنی حضور سرورکون مکان ﷺ جہاں کہیں بھی تشریف لے جاتے بادلوں کی طرح ایک سایہ ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتا گویا جملہ اشیاء عالم علوی یا سفلی ہر وقت حاضر تھیں اور ہر چیز آپ کے تابع فرمان تھی۔ بیہقی اور ابونعیم راوی ہیں کہ جب حضور خاتم النبیین ﷺ بارہ سال کی عمر میں اپنے چچا حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ساتھ سفر شام میں جارہے تھے کہ بحیرا راہب نے گرجے سے آپ کو قافلے کے ساتھ آتے دیکھا کہ سفید بادل آپؐ پر سایہ کئے ہوئے تھے پھر آپؐ ایک درخت کے سایہ تلے اتر پڑے اور بادل نے آپ پر سایہ کیا ہوا تھا اور ٹہنیاں آپؐ پر جھکی ہوئی تھیں بحیرا آیا اور آپؐ سے ملاقات کی وہ آپ سے مختلف اشیاء اور خوابوں وغیرہ کے بارے میں استفسار کرتا رہا یہ سب باتیں بحیرا کی معلومات کے عین مطابق تھیں پھر اس نے مہر نبوت کو آپ کے کاندھوں کے درمیان ملاحظہ کیا۔

اَقْسَمْتُ بِالْقَمَرِ الْمُنْشَقِّ اِنَّ لَهٗ
مِنْ قَلْبِهٖ نِسْبَةً مَّبْرُوْرَةَ الْقَسَمِ

میں شق شدہ چاند کی قسم کھاتا ہوں کہ اسے نورانیت میں قلب پاک مصطفی سے نسبت ہے اور میری یہ قسم مبرور ہے۔

یعنی ماہ شکستہ کی سچی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ چاند کو قلب اطہر سے ایک نسبت ہے اور جو اس نسبت کی قسم کھاوے وہ سچا ہے کیونکہ یہ نسبت چار پانچ طریق سے ثابت ہے۔ اول یہ کہ چاند میں نورانیت ہے اور قلب اطہر بھی منبع انوار ہے۔ دوم جس طرح چاند نور شمس سے مستفیض ہو کر سارے عالم کو اندھیری راتوں میں منور کرتا ہے اسی طرح جناب معلم و مقصود کائنات ﷺ اپنے مبدء فیض سے استفادہ نور کر کے کفر و شرک کے گھٹا

ٹوپ اندھیروں کو منور فرمارہے ہیں۔سوم یہ کہ جناب صادق المصدوق ﷺ کی انگلی مبارک کے اشارہ سے چاند کے دوٹکڑے ہوگئے۔اورواقعہ شق قمر پیش آیا اسی طرح آنحضرت ﷺ کو شق صدر ہوا۔چہارم یہ کہ شق صدر کے بعد التیام ہوا اسی طرح شق قمر کے بعد بھی التیام ہوا۔پنجم یہ کہ معجزہ شق القمر جس کی تصدیق خود اللہ تعالیٰ نے قرآن حمید میں ” وانشق القمر“ کہہ کر فرمائی جسکی تفصیل درج ذیل ہے اوراس شق قمر کا واقعہ صحیح بخاری۔صحیح مسلم۔جامع ترمذی۔مسند احمد بن حنبل۔مسند طیالسی۔مستدرک حاکم دلائل بیہقی اور دلائل ابونعیم میں بہ تصریح مذکور ہے صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔حضرت انس بن مالکؓ۔حضرت جبیر بن مطعمؓ۔مولائے کائنات جناب حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام اور صاحب سر النبیؐ حضرت حذیفہ بن یمانؓ وغیرہ نے اس واقعہ کی روایت کی ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ منیٰ میں تھے کہ چاند پھٹ گیا اوراس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کی طرف چلا گیا آپؐ نے فرمایا گواہ رہو۔صحیح مسلم اور جامع ترمذی کی روایت ہے کہ اہل مکہ نے آنحضرت ﷺ سے کوئی نشانی طلب کی وہ آپؐ سے معجزہ کے طالب تھے تو آپؐ نے ان کو شق قمر کا معجزہ دکھایا اور چاند دوٹکڑے ہوکر نظر آیا۔کفار مکہ کے لئے ہدایت کی نشانیوں میں سے یہ سب سے آخری اور فیصلہ کن نشان شق قمر تھا۔

”لولاک لما“ عنوان ترا فرمان خدا فرمان ترا
پیغام خدا فرمان ترا، ایمان خدا ایمان ترا
تیری محبت دین مرا، اور دین تیرا آئین میرا
ہر لفظ پہ تیرے یقین مرا، عرفان خدا عرفان ترا

یا رسول اللہ وانت باب العطا والجود
یا أملی بك الاله علی طول المدی یهب

آپؐ ہی جود و کرم ہیں اے میرے سہارا! آپ کے توسل سے اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے بندوں کو نوازتا ہے۔

وَمَا حَوَى الْغَارُ مِنْ خَيْرٍ وَّ مِنْ كَرَمٍ
وَكُلُّ طَرْفٍ مِّنَ الْكُفَّارِ عَنْهُ عَمِيْ

اورکس شان سے احاطہ کیا غار ثور نے منبع فضائل و کرم کا کہ کافروں کی آنکھیں انھیں دیکھنے سے اندھی تھیں۔

یعنی جب امام الانبیاء بحکم الہیٰ مکۃ المکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ جارہے تھے تو غار ثور میں کفار

کی ایذارسانی سے بچنے کے لئے داخل ہوئے تو اس غار کی کتنی عظمت بڑھ گئی کہ منبع فضل و کرم و باعث تخلیق کائنات فخر موجوداتؐ اس میں تشریف فرما ہوئے اور کفار مکہ تلاش میں اس غار تک پہنچ گئے لیکن اللہ جل شانہٗ نے ان کے قلوب اور آنکھیں ایسی اندھی کر دیں کہ باوجود یہ کہ ہر چیز انہیں نظر آتی تھی مگر آپ انہیں نظر نہ آئے۔ تفصیل اس واقعہ کی یوں ہے کہ جب بیعت عقبہ ثالث ختم ہوگئی تو حضور نبی انور ﷺ نے صحابہ کو ہجرت مدینہ کا حکم فرمایا۔ پس لوگ آہستہ آہستہ نکل گئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امر کی اجازت مل جائے ادھر جب کفار مکہ کو اطلاع ملی کہ مسلمان ایک ایک کر کے مکے سے جا چکے ہیں تو انہیں اس بات پر تشویش ہوئی کہ اگر مسلمانوں کو ایک ٹھکانہ مل گیا اور خود حضور ﷺ مکے سے نکل گئے تو ہمارے دائرہ اثر سے نکل جائیں گے اور باہر رہ کر قوت حاصل کر لیں گے تو کسی وقت بھی ہمارے مدمقابل آسکتے ہیں۔ چنانچہ قریش مکہ ایک پبلک ہال دارالندوہ میں مشورہ کے لئے جمع ہوئے۔ جب لوگ دارالندوہ کے دروازہ پر پہنچے تو دروازہ پر ایک اجنبی شخص کو دیکھا جس نے ریشمی جبہ زیب تن کیا ہوا تھا شکل وصورت میں اور وضع قطع میں کسی قبیلہ کا سردار معلوم ہوتا تھا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ اے شیخ آپ کس قبیلہ کے سردار ہیں۔ اس نے کہا کہ میں اہل نجد کا سردار ہوں میں نے اس امر کے بارہ میں سنا جس کو طے کرنے کے لئے آپ یہاں اکٹھے ہوئے ہیں۔ میں بھی حاضر ہوگیا تا کہ تمہاری گفتگو سنوں اور مجھے امید ہے کہ میں تمہیں کوئی اچھی رائے اور بہتر مشورہ دوں گا۔ چنانچہ وہ ان قریش مکہ کے ہمراہ اس پبلک ہال میں داخل ہوا۔ اس مجلس مشاورت میں شریک ہونے والے افراد کے لئے ضروری تھا کہ وہ کسی قریشی قبیلہ کے رئیس ہوں اور ان کی عمریں چالیس سال سے متجاوز نہ ہوں۔ صرف ابوجہل کو پیغمبر اسلام کی خصوصی دشمنی اور عداوت کی بنا پر اس شرط سے مستثنیٰ رکھا گیا تھا۔ جب تمام لوگ اپنی اپنی آراء وتجاویز پیش کر چکے تو شیخ نجدی جو کہ انسانی شکل میں ابلیس لعین موجود تھا اس نے کہا کہ تم لوگ اس شخص (پیغمبر اسلامؐ) کی شیریں کلامی اور دلنشین انداز تکلم سے تو اچھی طرح باخبر ہو، اگر تم انہیں یہاں سے نکال دو گے تو وہ کسی دوسرے قبیلہ کے پاس جا کر رہائش پذیر ہو جائیں گے اور لوگوں کو اپنا شیدائی اور گرویدہ بنالیں گے پھر ان کا لشکر جرار تم پر حملہ آور ہو کر تمہیں تہس نہس کر دے گا اس پر ابوجہل نے کہا کہ میرے ذہن میں ایک تجویز آئی ہے اس پر غور کرو تو ساری محفل پر سناٹا چھا گیا ابوجہل نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہم ہر قبیلہ سے ایک نوجوان چنیں جو بہادر ہو عالی نسب ہو اپنے قبیلہ کا سردار ہو پھر ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک تیز تلوار دیں پھر وہ مل کر یکبارگی

شخص واحد کی طرح حملہ کر کے ان کو قتل کر دیں اس طرح ہمیں اس مصیبت سے نجات مل جائے گی اس تجویز کی حکمت اس نے یہ پیش کی کہ جب قریش کے ہر قبیلہ کا ایک نامی گرامی نوجوان ان کے قتل میں شریک ہوگا تو ان کا خون تمام قبائل میں منتشر ہو جائے گا اور بنو ہاشم تمام قریش قبیلوں سے تو قصاص یا بدلہ نہیں لے سکیں گے ۔ یہ سن کر ابلیس جو شیخ نجدی کے روپ میں وہاں موجود تھا اس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور کہنے لگا کہ اب مزید کسی رائے کی ضرورت نہیں ۔ سب حاضرین نے اس کی تائید کی اور اس تجویز پر متفق ہو گئے ادھر خالق کائنات نے بذریعہ وحی اسکی اطلاع اپنے حبیب مکرم ﷺ کو کر دی ۔ ''واذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک ویمکرون ویمکر اللّٰہُ واللہ خیر المکرین ۔ (سورۃ انفال: ۳۰)

ترجمہ: اور یاد کرو جب خفیہ تدبیریں کر رہے تھے آپؐ کے بارے میں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا تاکہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو شہید کر دیں یا آپ کو جلاوطن کر دیں وہ بھی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے'' ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو آج رات یہاں سے ہجرت فرمانے کی اجازت عطا فرمائی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کی آج رات آپ اپنے بستر پر آرام نہ فرمائیں اور اپنی جگہ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کو سلا دیں چنانچہ حبیب رب العالمین ﷺ نے اپنے حبیب فاتح خیبر جناب علی المرتضیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ آج رات آپ میرے بستر پر میری سبز چادر اوڑھ کر سو جائیں ۔ جناب علی المرتضیٰ علیہ السلام نہات اطمینان اور سکون سے آپ کے بستر پر سو گئے اور حضرت علی المرتضیٰؑ پہلے وہ آدمی جنہوں نے اپنی جان حضور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ پر قربانی کے لئے پیش کی ۔ یہ بات آسان نہ تھی یہ کام وہ شخصیت کر سکتی تھی جو جناب نبی اکرم ﷺ سے حد درجہ الفت و جاں سپاری کا تعلق رکھتی ہو اور اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ پر قربان کرنے کا جذبہ صادقہ رکھتی ہو کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ جب کفار مکہ کو پتہ چلے گا کہ ان کا اصل ہدف (رسول اللہ ﷺ) ان کے ہاتھ سے نکل گیا تو وہ اپنے تسکین نفس کی خاطر ان کی جگہ پر لیٹے ہوئے شخص کی بوٹی بوٹی کر دیں گے ۔ لیکن فاتح خیبر مولود کعبہ جناب علی المرتضیٰ علیہ السلام ان باتوں کو خاطر میں نہیں لائے اور بستر رسولؐ پر نہایت اطمینان سے گہری نیند سو گئے امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ جب شب ہجرت حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام بستر رسول پر سوئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام (بغرض محافظت) آپ کے سرہانے تھے اور حضرت میکائیل علیہ السلام پائنتی اور حضرت جبرئیل ندا کرتے تھے کہ مبارک ہو مبارک ہو کون ہے مثل تیرے اے ابو طالب علیہ السلام کے بیٹے کہ خدا تیری ذات پر ملائکہ سے فخر کرتا ہے پھر یہ

آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ ''ومن یشری نفسہ ابتغآء مرضات اللہ۔الخ۔کہ آدمیوں میں ایک ایسا شخص بھی ہے جو اپنی جان کو رضائے الٰہی کے لئے بیچ ڈالتا ہے الخ۔''

الغرض ہادی عالم سرورکون ومکان ﷺ قریش مکہ کے زبردست محاصرہ کے باوجود گھر سے نکل گئے اللہ تعالیٰ نے کفار کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور کوئی بھی آپ کو نہ دیکھ سکا۔آپ سورۃ یٰسین کی تلاوت فرماتے ہوئے سب کے سر پر خاک ڈال کر چلے گئے۔اتنے میں کفار کے پاس سے ایک شخص گزرا اس نے پوچھا یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو۔کہنے لگے ہم محمد (ﷺ) کے انتظار میں ہیں وہ کہنے لگا خدا نے تمھیں رسوا کیا ہے وہ تو نکل کر چلے گئے ہیں اور تمھارے سروں پر خاک ڈال گئے ہیں چنانچہ جب انہوں نے اپنے سروں پر ہاتھ پھیرا تو واقعی بات درست تھی چنانچہ جس شخص کے سر پر ایک کنکری بھی پڑی وہ میدان بدر میں قتل ہوا۔حضور ﷺ طلوع صبح سے پہلے غار ثور میں جلوہ افروز ہوئے۔

فَالصِّدْقُ فِي الْغَارِ وَالصِّدِّيْقُ لَمْ يُرِيَا
وَهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَابِا الْغَارِ مِنْ اَرِمٖ

سراپا صدق غار میں جلوہ افروز تھے اور ساتھ صدیق بھی تھے جو سانپ کے ڈسنے سے متورم نہ ہوئے اور کفار کہہ رہے تھے کہ غار میں کوئی نہیں۔

یعنی مجسم صدق وصفا جناب صادق المصدوق ﷺ غار ثور میں رونق افروز تھے اور ان کے ساتھ ان کے جان نثار صحابی حضرت ابوبکرؓ بھی موجود تھے اور کفار ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار ثور کے منہ تک آ گئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دل اندھے کر دیئے تھے اور وہ کہہ رہے تھے کہ غار میں کوئی نہیں۔جب حضور سرورکائنات ﷺ رات کی تاریکی میں بحکم خدا ہجرت کے لئے نکل کھڑے ہوئے تو غار ثور کی طرف چل دئے جو ازحد دشوار گزار پہاڑیوں کے درمیان میں ایک چوٹی پر واقع ہے یہ غار ثور کے نام سے مشہور ہے جو اس وقت مکہ شہر سے تقریباً تین میل کی مسافت پر جنوبی سمت میں واقع تھا جب حضور سرورکائنات فخر موجودات ﷺ غار کی طرف تشریف لے جا رہے تھے تو حضرت ابوبکرؓ پیچھے سے جا ملے لیکن جب آنحضرت ﷺ نے ان کی آہٹ محسوس کی تو اس خیال سے کہ شاید کفار مکہ کا کوئی آدمی میرے تعاقب میں یہاں تک آ پہنچا ہے۔تو حضور پرنور ﷺ نے تیز تیز قدم اٹھائے اور تیز چلنے سے حضور ﷺ کے جوتے مبارک کا تسمہ ٹوٹ گیا اور پائے اقدس کا انگوٹھا مبارک بھی زخمی ہو گیا۔حضرت ابوبکرؓ کھانسے تو پیغمبر اسلام ﷺ پہچان کر ٹھہر گئے یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ آئے تو دونوں غار میں داخل ہوئے۔قرآن مجید فرقان حمید کی آیت مبارکہ ''اذا

خرجه الذین کفروا" الخ میں "اخرجہ" میں واحد کی ضمیر بھی بتلا رہی ہے کہ کفار مکہ نے جناب سرور کونین ﷺ کو اکیلے ہی نکالا اور باعث تخلیق کائنات ﷺ اکیلے ہی روانہ ہوئے۔

(تفسیر درمنثور مطبوعہ بیروت ج ۳ ص ۲۴۰۔کنز العمال ج ۸ ص ۳۳۳۔طبع حیدرآباد دکن۔
خصائص امام نسائی ص ۳۳۔تہذیب خصائص نسائی ص ۳۵۔طبع دارلکتب العلمیہ بیروت۔
تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۰۰ وص ۱۰۱ مطبعہ الاستقامۃ۔ بالقاھرہ مصر۔سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۳۸ مطبع مصطفی الباب الحلبی مصر)

حضور سرور کونین ﷺ جب حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ غار کے دہانے پر پہنچے تو حضرت ابوبکرؓ پہلے غار کے اندر تشریف لے گئے اور وہاں اپنے ہاتھوں سے جھاڑو دیا جگہ صاف فرمائی اور غار میں موجود تمام سوراخ وغیرہ اپنی چادر پھاڑ کر بند کر دیئے لیکن ایک سوراخ پھر بھی باقی رہ گیا۔دل میں خیال کیا کہ اسے اپنی ایڑی رکھ کر بند کرلوں گا۔ ہر طرح مطمئن ہو جانے کے بعد عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ اندر تشریف لایے۔خود اس سوراخ پر ایڑی رکھ کر بیٹھ گئے محبوب کائنات ﷺ نے اپنا سر مبارک آپ کی گود میں رکھا اور استراحت فرما ہو گئے۔اسی اثناء میں ایک سانپ نے حضرت ابوبکرؓ کی ایڑی پر ڈس لیا۔حضور رحمت کائنات ﷺ نے اپنا لعاب دہن مبارک وہاں لگایا جس سے تکلیف فوراً ختم ہوگئی۔ادھر قریش مکہ ماہر کھوجیوں کے ہمراہ پاؤں کے نشانات دیکھتے دیکھتے اس غار کے دہانے تک پہنچ گئے۔جب قدموں کی آہٹ سنائی دی تو حضرت ابوبکرؓ نے جھک کر دیکھا تو کفار کی جماعت غار کے منہ پر کھڑی ہے تو حضرت ابوبکرؓ بے چین ہو گئے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا "لاتحزن ان اللہ معنا" اور حضرت ابوبکرؓ کو مطمئن کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو ان فرشتوں کی کمک سے جو دکھائی نہیں دیتے تھے امداد فرمائی تاکہ غار میں آپ کی حفاظت کریں اور کفار کے منہ آپ کی جانب سے موڑ دیں۔اور انکی آنکھیں حضور ﷺ کو نہ دیکھ سکیں۔ایک روایت میں ہے کہ آپ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ انہیں تو اندھا کر دے پس وہ اندر داخل نہ ہو سکے اور دائیں بائیں بھٹکتے رہے۔

ظَنُّو الْحَمَامَ وَظَنُّو الْعَنْكَبُوتَ عَلَى
خَيْرِ الْبَرِيَّةِ لَمْ تَنْسُجْ وَلَمْ تَحِمْ

مشرکین نے گمان کیا کبوتر کو اور گمان کیا مکڑی کو کہ یہ اشرف المخلوقات پر ہر گز انڈے دینے اور جالا تاننے والے نہیں۔

یعنی کفار مکہ نے غار کے منہ پر کبوتروں کے انڈے اور مکڑی کا جالا دیکھ کر یہ گمان کرلیا کہ یہاں کوئی انسان نہیں ہے اگر کوئی غار میں داخل ہوتا تو کبوتروں کا گھونسلہ گر جاتا اور انڈے ٹوٹ جاتے اور مکڑی کا یہ جالا صحیح سالم نہ رہتا۔ اللہ رب العالمین جو دلوں کا بھید جاننے والے ہیں کو یہ معلوم تھا کہ کفار مکہ میرے محبوب ﷺ کے تعاقب میں ادھر ضرور آئیں گے تو اللہ تعالیٰ نے جو بہتر تدبیریں کرنے والا ہے اپنی قدرت کاملہ سے ایسے انتظامات پیدا فرما دیئے کہ کفار مکہ تلاش کرتے کرتے غار تک پہنچ جاتے لیکن نہ غار کے اندر داخل ہوتے اور نہ ہی غار میں جھانکتے اللہ جل شانہٗ نے اپنی قدرت کاملہ سے غار کے دہانہ کے قریب ایک خاردار درخت اگا دیا اسکی بلندی انسانی قد کے برابر تھی۔ اسکی شاخیں بڑی گنجان اور خاردار تھیں اس درخت کی موجودگی میں کسی شخص کا غار کے اندر جانا ناممکن تھا نیز غار کے دہانے کے قریب جنگلی کبوتروں کے ایک جوڑے نے گھونسلہ بنالیا اور وہاں انڈے بھی دے دیئے اور ان انڈوں کو سینے کے لئے مادہ کبوتر ان پر ڈیرہ جما کر بیٹھ گئی۔ مواہب اللدنیہ کے شارح علامہ زرقانی لکھتے ہیں کہ ''حرم مکہ میں جو کبوتر ہیں یہ کبوتروں کے اس جوڑے کی نسل سے ہیں اس خدمت جلیلہ کا انہیں یہ صلہ دیا گیا کہ ان کی نسل بھی منقطع نہیں ہوئی چودہ صدیوں سے باقی ہے اور حرم شریف میں انہیں پناہ ملی ہوئی ہے۔ ساتھ ہی غار کے منہ پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک گھنا جالا تن دیا۔ دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ جالا برسوں پرانا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ماہر کھوجی جب پاؤں کے نشانات دیکھ کر سراغ لگاتا یہاں تک آتا تو کبوتروں کو اپنے گھونسلہ میں بیٹھا دیکھ کر گمان کرلیتا کہ اس غار میں برسوں سے کوئی داخل نہیں ہوا۔ امیہ بن خلف جیسا دشمن جب اس غار کے دہانے پر پہنچا تو اس کے ایک ساتھی نے اس سے کہا کہ اندر داخل ہو کر تسلی کرلو۔ امیہ بن خلف کہنے لگا کہ غار کے اندر جانے کی ضرورت نہیں اس غار کے دروازہ پر مکڑی نے جو جالا بنا ہوا ہے وہ تو محمد (ﷺ) کی پیدائش سے بھی پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے محبوب ﷺ کی حفاظت کے لئے اسباب تھے اور یہ چیز معجزات میں سے ہے۔

وِقَايَةُ اللهِ اَغْنَتْ عَنْ مُّضَاعَفَةٍ
مِّنَ الدُّرُوْعِ وَعَنْ عَالٍ مِّنَ الْاُطُمِ

اللہ تعالیٰ کی حمایت وحفاظت نے آپ کو دہری بنی ہوئی زرہ کے پہننے اور بلند قلعوں میں پناہ لینے سے بے پرواہ کردیا تھا۔

یعنی حضور سرور کائنات خاتم النبیین ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی حفاظت میں لے لیا تھا اور آپکی

حفاظت کا باقاعدہ ذمہ اٹھا لیا۔صحابہ کرامؓ جناب امام الانبیاء ﷺ کی محافظت کے لئے دن رات نگرانی رکھتے اور آپس میں بہ تقسیم اوقات حجرہ مطہرہ کا پہرہ دیتے پھر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ" واللہ یعصمک من الناس" نازل فرمائی تو جناب سید الاولین والاخرین ﷺ نے قبہ اقدس سے سر مبارک باہر نکالا اور فرمایا۔ اے لوگو! اپنے اپنے گھروں میں آرام کرو میری محافظت میرے رب نے اپنے ذمہ لے لی ہے چنانچہ اس شعر میں اسی قرآنی آیت کی طرف اشارہ ہے۔ایک حدیث میں حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب مجھے تبلیغ و رسالت کے احکام ملے تو میرے دل میں اس کی بڑی ہیبت تھی کہ ہر طرف سے لوگ میری تکذیب اور مخالفت کریں گے پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو سکون و اطمنیان حاصل ہو گیا۔تاہم جنگ و جہاد میں عارضی طور سے کوئی تکلیف پہنچ جانا اس کے منافی نہیں۔

مَاسَامَنِی الدَّھْرُ ضَیماً وَّاسْتَجَرْتُ بِہٖ
اِلاَّ وَنِلْتُ جَوَارًا مِّنْہُ لَمْ یُضَمِ

جب کبھی زمانے نے مجھے تکلیف دی تو میں حضور رحمۃ للعالمین ﷺ سے امان وحمایت کا طلبگار ہو اور زمانہ کے ظلم سے محفوظ رہا۔

یعنی امام بوصیریؒ ایک طرز خاص میں اپنا وہ تقرب خاص فرما رہے ہیں جو ان کے اور سید یوم النشور ﷺ کے مابین ہے۔یعنی جب کبھی مجھے گردش لیل ونہار میں کوئی تکلیف چاہے وہ مالی ہو،بدنی ہو آئی ہے تو میں اپنے آقا و مولا رحمت کائنات ﷺ کی طرف طالب امن وامان اور حفظ وحمایت ہوا تو فی الفور میں اپنی دعائے استعانت میں مستجاب الداعواۃ نکلا اور میری مرادیں پوری ہوگئیں منجملہ کہ جب مجھے فالج نے بے بس کر دیا تو میں بتوسل مولائے کائنات ﷺ ایک ہی رات میں شفایاب ہو گیا۔اصل شعر پر جو بحث ہے وہ قابل غور ہے شرح خرپوتی میں ماسامنی ہے اور شرح شیخ زادہ میں ماضامنی الدھر ہے اسی بنا پر علامہ خرپوتیؒ فرماتے ہیں کہ بعض نسخوں میں "ماضامنی الدھر" ہے اور وہ ضیم سے ماخوذ ہے جس کے معنی یہ بنیں گے کہ مجھ پر زمانہ نے ظلم کیا مگر اس پر یہ اعتراض ہوتا کہ ظلم کو زمانہ کے ساتھ منسوب کرنا شرعاً ممنوع ہے کیونکہ حضور امام الانبیاء تاجدار مدینہ ﷺ نے فرمایا زمانہ کو برا نہ کہو کہ زمانہ وہی ذات کبریائی ہے تو اس کی تاویل اس طرح کی جاسکتی ہے کہ مدبر امور عالم کو برا نہ کہو۔تو اس طرح ماسامنی بھی پڑھا جاسکتا ہے اور ماضامنی بھی اور استجرت کے حاصل معنی التجاء و استعانت کے لئے ہیں بہ میں جو ضمیر ہے یہ حضور ﷺ کی طرف راجع ہے۔

وَلَا الْتَمَسْتُ غِنَی الدَّارَیْنِ مِنْ یَّدِہٖ

اِلاَّ اسْتَلَمْتُ النَّدٰی مِنْ خَیْرِ مُسْتَلِمٖ

اور نہیں طلب کی میں نے تونگری دنیاوآخرت کی آپ سے مگر آپ کی عطائیں اتنی زیادہ ہیں کہ قریب ہونے سے بھی مرادیں حاصل ہوجاتی ہیں۔

یعنی آپ کے جودوسخااور دست کرم کی عطاؤں کا یہ عالم ہے کہ بغیر مانگے بھی اتنا عطا فرماتے ہیں کہ دنیاوآخرت کی تمام مرادیں وسعت رزق،صحت بدن اور مصائب وشدائد دور ہوجاتے ہیں۔مولود کعبہ فاتح خیبر جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ جب بھی جناب امام الانبیاء حضرت محمد مصطفی ﷺ کے اوصاف حمیدہ بیان فرماتے تو اجود الناس کفا اور اصدق الناس لہجۃ کے الفاظ استعمال کرتے۔حضرت انس ؓ سے ایک مرفوع روایت میں مذکور رہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں انسانوں میں فیاض ترین انسان ہوں۔اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے محبوب پیغمبر اعظم وآخر ﷺ کو تمام خوبیوں میں درجہ کمال تک پہنچایا وہاں اپنے پیارے حبیب کو عطا واحسان کی صفت بھی کمال درجہ کی عطا فرمائی اور ہمارے لئے ہمدردی دل سوزی اور ہماری بھلائی کی حرص بھی عطا کی۔اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رحمت دوعالم ﷺ کی شان میں فرماتے ہیں ”لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم“۔(اے لوگو) تمہارے پاس ایک ایسے رسول تشریف لائے ہیں جو تمہارے جنس سے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے اور وہ تمہارے فائدے کے بہت ہی آرزومند ہیں اور تمہاری خیر خواہی اور نفع رسانی کی خاص تڑپ انکے دل میں ہے۔اور قرآن مجید فرقان حمید میں دوسری جگہ فرمایا گیا کہ ”النبی اولیٰ بالمومنین من انفسہم“ یعنی نبی ﷺ کو مسلمانوں کے ساتھ ان کے نفوس (جانوں) سے بھی زیادہ تعلق ہے۔حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ کے سامنے دست سوال دراز کیا تو حضور ﷺ کے دست جودوسخا نے اس کو اتنی بکریاں عطا فرمائیں جن سے دو پہاڑوں کے درمیان کی وسیع وادی بھر گئی اسی طرح حضرت عباس ؓ پر حضور سرور کون ومکان ﷺ کا سحاب کرم برسا۔انہوں نے عرض کی یارسول اللہ میں بہت زیر بار ہوں غزوہ بدر کے بعد میں نے اپنا فدیہ بھی ادا کیا اور اپنے بھتیجے عقیل کا فدیہ بھی اس لئے مجھے کچھ عطا فرمائیے۔حضور نبی کریم رحمۃ للعالمین ﷺ کے پاس سونے چاندی کا ایک ڈھیر لگا تھا۔حضرت عباس ؓ نے اپنی چادر بچھادی اور اس ڈھیر سے سونا چاندی اٹھا اٹھا کر اپنی چادر میں رکھنے لگے جب وہ اپنے دل کی حسرت پوری کر چکے تو گٹھری باندھی اور وہ اتنی وزنی تھی کہ اسے اٹھا نہ سکے۔ایک دفعہ بارگاہ رسالت میں نوے ہزار درہم پیش کیئے گئے۔حضور ﷺ نے فرمایا ان کو چٹائی پر رکھ دو۔پھر محبوب رب العالمین ﷺ اسے تقسیم کرنے کے

لئے خود کھڑے ہوئے جو شخص بھی آیا اس کی جھولی بھر کر اسے واپس کیا یہاں تک وہ درہم ختم ہو گئے اس کے بعد ایک سائل آیا اس نے طلب کا دامن پھیلایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا میرے پاس اب تو کوئی چیز نہیں ہے البتہ ایسا کرو کہ فلاں دوکاندار کے پاس جا کر اپنی ضرورت کی چیزیں میرے نام پر خرید لو جب دوکاندار میرے پاس آئے گا تو میں یہ رقم اسے ادا کر دوں گا۔ حضرت عمر بن خطاب ؓ بھی خدمت اقدس میں حاضر تھے عرض کی یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات کا مکلف نہیں کیا جس کی آپ میں قدرت نہیں ہے۔ نبی رحمت ﷺ کو یہ بات پسند نہ آئی ایک انصاری وہاں حاضر تھے انہوں نے عرض کی اے اللہ کے پیارے رسول ؐ آپ بے دھڑک خرچ کریں اور یہ اندیشہ نہ کریں کہ آپ ؐ کا رب جو عرش کا مالک ہے وہ آپ کو تنگ دست کر دے گا۔ آپ یہ بات سن کر مسکرانے لگے اور خوشی کے آثار رخ انور پر نمایاں ہونے لگے اور فرمایا مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے۔

لَا تُنْكِرِ الْوَحْيَ مِنْ رُّؤْيَاهُ اِنَّ لَهٗ
قَلْبًا اِذَا نَامَتِ الْعَيْنَانِ لَمْ يَنَمِ

جو وحی خواب میں آپ ؐ پر نازل ہوئی اس کا انکار نہیں کرنا چاہیے کہ آنجناب کا قلب اطہر نہیں سوتا جب آپکی آنکھیں سوتی ہیں۔

اس شعر میں اس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے کہ حضور پرنور ﷺ فرماتے ہیں کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے اور حضرات انبیاء علیھم السلام کے خصائص میں یہ بات شامل ہے کہ انبیاءؑ کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں چنانچہ قرآن مجید فرقان حمید کی آیت مبارکہ ''انی اریٰ فی المنام'' کے بعد ''افعل ما تومر'' سے واضح ہے کہ انبیاء کے خواب وحی ہیں اس لئے کہ ''افعل ما تومر'' میں جس چیز کو امر فرمایا گیا وہ وہی تو ہے جس کو منام (خواب) میں دیکھا تھا یعنی انبیاءؑ جس چیز کو نیند میں دیکھتے ہیں وہ امر اور حکم بھی وحی ہوتا ہے ام المومنین حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔ اور نوم انبیاءؑ کے بارہ میں جمہور محدثین کرام کا مسلک یہ ہے کہ وہ ناقض وضو نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے رات اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ ؓ کے گھر پر بسر کی۔ آنحضرت ﷺ نماز عشاء ادا فرما کے حضرت میمونہ ؓ کے گھر تشریف لائے اور چار رکعت نماز ادا فرمائی اور پھر سو گئے رات کے آخری حصہ میں بیدار ہوئے اور وضو فرما کر نماز تہجد اور فجر کی سنتیں ادا فرمائیں اس کے بعد پھر سو گئے یہاں تک کہ مؤذن نے آپ کو اطلاع دی اور آپ نے جا کر نماز فجر ادا کی لیکن وضو نہیں فرمایا جناب امام

الانبیاء ﷺ کا قلب اطہر ہمیشہ بیدار رہا ہے اور اسکی حکمت یہ بھی ہے کہ قرآن مجید کا نزول آپ ؐ کے قلب اطہر پر ہوا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''فانہ نزلہ علیٰ قلبک باذن اللہ'' (بقرہ ص ۹۷) بے شک اس نے قرآن کریم کو اتارا آپ کے دل پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ۔اس لئے نیند کی حالت میں بھی حضور ﷺ کو باہر کی باتوں کا ادراک رہتا تھا اور سرکار دو عالم ﷺ کی صرف آنکھیں سوتی تھیں قوت سماع اور قلب اطہر بیدار رہتا تھا۔ اور آپ کی عبادت اور دوسرے تمام حالات نیند اور بیداری میں یکساں تھے اس لئے صحابہ کرام ؓ جناب رسول کریم ﷺ کو نیند سے نہیں جگایا کرتے تھے کہ کہیں آپ پر وحی نہ آ رہی ہو۔ بخاری شریف میں ہے حضرت عمران ؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب سوتے تھے تو ہم آپ کو نہ جگاتے تھے اس لئے کہ ہم نہیں جانتے تھے کہ آپ ؐ کی نیند میں کیا رونما ہونے والا ہے۔

وَذَاكَ حِيْنَ بُلُوْغٍ مِّنْ نَّبُوَّتِهٖ
فَلَيْسَ يُنْكَرُ فِيْهِ حَالُ مُحْتَلَمِ

خواب میں وحی معراج نبوت کا زمانہ تھا اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا جس طرح ایک سچے خواب کو نہیں جھٹلایا جا سکتا۔

یعنی یہ وحی جو خواب میں حضور نبی کریم ﷺ پر ہوتی تھی اس لئے ہوتی تھی کہ اظہار نبوت کا زمانہ شروع ہو چکا تھا اور آپ کمال نبوت کے درجہ پر پہلے ہی فائز ہو چکے تھے جیسا کہ خود حضور ﷺ کا ارشاد مبارک موجود ہے کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم ؑ اپنے خمیر میں تھے۔ اور نبی اکرم ﷺ کے لئے نبوت کے احکام حضرت آدم ؑ کی پیدائش سے بھی پہلے جاری ہو چکے تھے اور آپ اسی وقت سے نبی تھے جیسا کہ مولانا جامیؒ نے بھی فرمایا کہ حضور علیہ السلام نشاۃ عنصریہ سے بھی پہلے نبی ہو چکے تھے اس لئے خواب میں وحی کا انکار درست نہیں ہے۔

قبلہ ارض و سما مرآت نو ر کبریا
سید و صدر علیٰ شمس ضحی بدرد جیٰ
سید عالم رسول و عبد رب العالمین
آں زماں بودہ نبی کادم بداندرما وطین
منبر او سدرہ معراج اوو سبع قباب
در مقام قرب حق برمقدم او فتح یاب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اہل ارض وسما کا قبلہ ہے اور آپ نورکبریا کا آئینہ ہیں۔آپ تمام بلند مراتب لوگوں کے سید وسردار ہیں۔آپ کی ذات چمکتے ہوئے سورج اور دمکتے ہوئے چاند کی سی ہے۔آپ تمام عالم کے سردار، اللہ کے رسول اور بندے ہیں۔اور آپ اس وقت بھی نبی تھے جب آدم مٹی اور پانی کے خمیر میں تھے۔آپ کا منبر سدرۃ المنتھی ہے اور آپ کی معراج آسمانوں سے بھی بلند ہے۔قرب الہی کے مقام میں آپ کے استقبال پر ہر دروازہ کھول دیا گیا یہاں تک کہ نورحق کے علاوہ کوئی حجاب باقی نہ رہا۔اور پھر آپ نے وہ کچھ دیکھا اور سنا جو کسی اور نے نہ دیکھا نہ سنا۔

تَبَارَكَ اللهُ مَا وَحْيٌ بِمُكْتَسَبٍ

وَلَا نَبِيٌّ عَلَى غَيْبٍ بِمُتَّهَمٖ

بابرکت ذات ہے اللہ کی اور وحی اپنی کوشش سے حاصل ہونے والی چیز نہیں ہے اور نہ غیب کی خبریں بتانے پر کسی نبی پر الزام لگایا جاسکتا ہے

یعنی وحی صرف اللہ تعالیٰ کی عنایات میں سے ہے اور کسی چیز نہیں کہ کوشش ،مجاہدہ یا ریاضتوں سے حاصل ہو جائے اور نبی جو احکام وحی کے بتلاتے ہیں وہ احکام خداوندی ہیں اور جو انہیں حکم دیا جاتا ہے وہ ہی لوگوں کو بتلاتے ہیں ان پر کوئی الزام عائد نہیں کیا جاسکتا۔اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں” ینزل الملئکۃ بالروح من امرہ علٰی من یشاءُ من عبادہٖ ان انذروانہ لاالہ الاانا فاتقون“۔وہی اللہ فرشتوں کو پیغام دے کر اپنے حکم سے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے بھیجتا ہے کہ لوگوں کو بتادو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس مجھ سے ہی ڈرو۔(سورۃ النحل آیت ۲) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور اپنی خصوصی عنایات سے جسے چاہیں نبی اور رسول منتخب کرلیں نبوت لمبی لمبی عبادات۔ریاضتیں۔مجاہدے۔چلہ کشی وغیرہ کرنے سے حاصل نہیں ہوتی محض اللہ کی عطا تھی جو کہ امام الانبیاء حضرت محمد مصطفی احمد مجتبیٰ ﷺ پر آکر ختم ہوگئی اور حضور ﷺ کو خاتم النبیین بنادیا گیا چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب اور آخری نبی کے متعلق ارشاد فرماتا ہے”کہ وما ینطق عن الھوٰی ان ھوالا وحی یوحیٰ“۔اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں یہ قرآن تو حکم خدا ہے جو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے(النجم آیت ۳۔۴) اللہ تعالیٰ کی ذات۔اسکی صفات اسکے احکام۔اسکی مرضیات اور عقائد واعمال کی خاصیات اور صحیح وغلط اچھے اور برے اخلاق کے نتائج کا علم۔آخرت میں نیک و بد ثواب وعذاب، جنت وجہنم کی معرفت کا انبیائے کرامؑ واحد سرچشمہ اور ذریعہ علم ہیں۔اس زندگی کے بعد کے حالات اور اس عالم میں ہونے والے حشر نشر۔انعام وعذاب اور نعمت ونقمت کے

علم کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی کے مطابق انبیائے کرامؑ کو مخصوص فرمایا ہے" عالم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبہٖ احداً الامن ارتضیٰ من رسولٍ"(الجن) وہی غیب کی باتیں جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا ہاں جس پیغمبر کو پسند فرمائے۔ انبیاء کرامؑ نبوت کے پہاڑ پر کھڑے ہوتے ہیں اور اس عالم کو بھی دیکھتے ہیں اور عالم غیب کو بھی اور اپنی قوم کو آنے والے واقعات اور حوادث اور ان کے نتائج سے آگاہ کرتے ہیں۔ انبیاء کرامؑ کی دعوتوں اور ان کی کتابوں کی خصوصیات اور نبوت کی ممتاز اور واضح خطوط ہی میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ وہ ایمان بالغیب پر بہت زیادہ زور دیتے ہیں اور بہت زور اور قوت کے ساتھ اس کا مطالبہ کرتے ہیں جیسا کہ سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیتوں میں بیان فرمایا گیا ہے۔ قرآن مجید اور دوسری آسمانی کتابیں اللہ تعالیٰ کے ایسے عجیب صنائع معجزات اور خارق عادات افعال سے بھری ہوئی ہیں کہ ایمان بالغیب اللہ تعالیٰ کی بے مثل قدرت اور مشیت قاہرہ پر یقین اور ان کتابوں کی صحت اور ان رسولوں کی سچائی پر کامل اعتماد ہی ان کا متحمل ہوسکتا ہے پس ثابت ہوا کہ نبیؑ جو باتیں غیب کی بتلاتے ہیں وہ منجانب اللہ ہوتی ہیں اور انبیاءؑ پر کوئی الزام نہیں لگایا جاسکتا۔

كَمْ اَبْرَأَتْ وَصِبًا بَاللَّمْسِ رَاحَتُهٗ
وَاَطْلَقَتْ اَرِبًا مِّنْ رِّبْقَةِ اللَّمَمِ

آپؐ کے دست اقدس کے چھونے سے بہت سے مریض اچھے ہوگئے اور بہت سے محتاج قید جنات سے آزاد ہوگئے۔

یعنی ایسے مریضوں اور مجنونوں کا شمار نہیں کیا جاسکتا جو بادنیٰ توجہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شفایاب ہوئے۔ کتنے مریض جسمانی جو ہلاکت کے قریب پہنچ چکے تھے ہمیشہ کے لئے صحت یاب ہوگئے اور اربوں کھربوں سے زائد مریض روحانی صحت یاب ہوئے اور فیضان نظر سے صحت یاب ہو رہے ہیں اور قیامت تک صحت یاب ہوتے رہیں گے۔ مزید برآں جو معاشرہ اور جو قوم درندوں سے بدتر زندگی گزار رہی تھی ایک نظر میں مجسمہ اخلاق بن گئی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ احد میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجھے تیر دیتے تا کہ ان کی بھال نکالوں اور پھر تیر اندازی کروں۔ چنانچہ وہ تیر پورا کام کرتے تھے وہ فرماتے ہیں کہ اس روز خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اتنے تیر برسائے کہ آپؐ کی کمان ٹوٹ گئی۔ اس روز قتادہؓ کی آنکھ پر ایک تیر آلگا جس سے ان کی آنکھ رخسار پر آلٹکی۔ سرور کون ومکان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آنکھ کو اسی جگہ پر رکھ دیا تو وہ دوسری آنکھ سے بھی زیادہ کام کرنے لگی۔ حضرت عثمان بن حنیفؓ سے روایت ہے کہ ایک

نابینا بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا۔ یا رسول اللہ ﷺ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بینائی عطا فرما دے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو اور فارغ ہونے کے بعد یوں دعا کرو۔

"اللهم انی اسئلك واتوجه اليك بنبی محمد بنی الرحمة یا محمد انی اتوجه اليك ان یکشف عن بصری اللهم اشفعهُ فی"۔ (اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد ﷺ کے وسیلہ سے تیری جانب متوجہ ہوتا ہوں جو نبی رحمت ہیں۔ یا محمد ﷺ میں آپ کی جانب متوجہ ہوتا ہوں کہ مجھے بینائی مرحمت فرما دی جائے اے اللہ! اس بارہ میں ان کی شفاعت قبول فرما۔ راوی فرماتے ہیں کہ جب وہ لوٹا تو اسے بینائی مل چکی تھی۔ خیبر کے روز آنحضرت ﷺ نے جناب علی المرتضیٰ علیہ السلام کی دکھتی انکھوں پر لعاب دہن لگایا تو آشوب چشم کی تکلیف فوراً دور ہوگئی۔ جنگ بدر میں ابو جہل نے حضرت معوذ بن عفراؓ کا بازو کاٹ دیا تھا۔ یہ اسے لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا ہاتھ اصلی جگہ پر لگا کر اس پر اپنا لعاب دہن لگایا تو حسب سابق جڑ گیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک عورت لڑکے کو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی لڑکے کو جنون کی بیماری تھی آپؐ نے اس کے منہ پر اپنا دست اقدس پھیرا تو لڑکے کو فوراً قے آئی اس میں پلے کے مانند کوئی چیز اندر سے نکلی اس کے بعد وہ لڑکا تندرست ہوگیا۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو قتادہؓ کے لئے دعا فرمائی اے اللہ اس کے جسم اور بالوں میں برکت دے۔ اگرچہ وہ ستر سال کی عمر میں فوت ہوئے لیکن پندرہ سالہ لڑکے جیسے معلوم ہوتے تھے۔ حضرت عمرو ابن الحمقؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کو دودھ پلایا پس آپؐ نے دعا دی۔ اے اللہ اسے جوانی سے تمتع فرما۔ پس اسی سال گزر جانے کے بعد بھی ان کا کوئی بال سفید نہیں دیکھا گیا۔

علامہ خرپوتیؒ فرماتے ہیں کہ یہ امور مخصوص بزمانہ حیات بابرکات ہی نہیں ہیں بلکہ قیامت تک باقی ہیں چنانچہ آج بھی اگر کوئی رابطہ قلبی اس ہستی پاک سے قائم کرے اور حضور ﷺ پر صرف درود شریف پڑھ کر مقصود کے حصول کی دعا کرے باذن اللہ تعالیٰ بہ نیل و مرام وہ صبح کرے۔ حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ دعاؤں کے ذریعے اور دواؤں کے ذریعہ علاج فرماتے تھے۔

وَاَحْیَتِ السَّنَةَ الشَّهْبَاءَ دَعْوَتُهٗ
حَتّٰی حَکَتْ غُرَّةً فِی الْاَعْصُرِ الدُّهُمِ

اور آپ کی دعا نے قحط ناک موسم کو سرسبز و شاداب کر دیا اور یہاں تک کہ گزشتہ و آئندہ تاریک

زمانوں میں یہ سال روشن اور چمکدار نظر آتا ہے

یعنی حضور نبی کریم ﷺ کی دعا کی برکت سے قحط زدہ موسم سبزہ زاری سے بدل گیا اور نباتات زیادہ سبز ہونے کی وجہ سے مائل بہ سیاہی یعنی بہت زیادہ سبز ہیں۔ اس شعر میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ عہد رسالتؐ میں ایک دفعہ سخت قحط پڑا۔ حضور نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے جلوہ افروز ہوئے تو ایک اعرابی کھڑا ہوا اور پکارا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے مال ہلاک ہو گئے ہمارے بچے بھوکوں سے مر گئے اللہ سے ہمارے لئے دعا فرمائیں۔ تو رحمت کائنات ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک دعا کے لئے بلند فرمائے اور اس وقت کوئی بادل نظر نہ آتا تھا، پس قسم ہے اللہ کی کہ حضور ﷺ نے ابھی ہاتھ چھوڑے نہ تھے کہ پہاڑوں کی طرح کالی گھٹائیں چھا گئیں۔ اور ابھی حضور سرور کائنات ﷺ منبر شریف سے اترے بھی نہ تھے کہ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی اور ریش اقدس پر بوندیں ڈھلکنے لگیں۔ یہ بارش اس جمعہ سے آئندہ جمعہ تک مسلسل رہی دوسرے جمعہ کو ایک آدمی کھڑا ہوا اور پکارا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے مکان گر گئے۔ مال غرق ہو گئے ہمارے لئے دعا فرمائیں۔ نبی رحمت ﷺ نے دست اقدس بلند فرمائے اور فرمایا اللھم حوالینا ولا علینا ہمارے ارد گرد برسے ہم پر نہیں۔ تو حضور پیغمبر اعظم و آخر ﷺ جس طرف اشارہ فرماتے تھے بادل بھی اسی طرف پھٹتا جا رہا تھا۔

بِعَارِضٍ جَادَ اَوْخِلْتَ الْبِطَاحَ بِھَا
سَیْبًا مِّنَ الْیَمِّ اَوْسَیْلاً مِّنَ الْعَرِمِ

قحط سالی ایک بارش سے دفع ہوئی اور بارش ایک ابر کی وجہ سے یوں برسی کہ خیال ہوتا تھا گویا دریا ٹوٹ کر سیلاب آ گیا ہے۔

یعنی حضور نبی اکرم ﷺ کی مبارک دعا سے اتنی بارش برسی کہ قحط سالی ختم ہو گئی سارا علاقہ جل تھل ہو گیا اور محسوس ہوتا تھا کہ گویا دریا کا بند ٹوٹنے سے سیلاب آ گیا ہے رحمت دو عالم ﷺ جب غزوہ تبوک سے بخیریت واپس تشریف لائے تو بنی فزارہ کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا جو پندرہ بیس افراد پر مشتمل تھا جن اونٹوں پر وہ لوگ سوار ہو کر آئے تھے وہ قحط کی وجہ سے نہایت لاغر اور کمزور تھے۔ وفد کے لوگ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا جناب امام الانبیاء ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا تمہارے علاقے کا کیا حال ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے علاقہ میں شدید قحط ہے ہمارے اہل و عیال غربت کی وجہ سے برہنہ ہیں ہمارے مویشی مر رہے ہیں بارگاہ الٰہی میں ہمارے لئے دعا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے

لئے رحمت کی بارش فرمائے پھر سید المرسلین ﷺ اٹھے منبر پر جلوہ افروز ہوئے وہاں کچھ ارشادات مبارکہ فرما کر دست اقدس بلند فرمائے یہاں تک کہ بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی اور دعا فرمائی اے اللہ! یہ رحمت کی بارش ہو، عذاب کی نہ ہو، مکانوں کو گرانے واى ،لوگوں کو غرق کرنے والی اور آثار کو مٹانے والی بارش نہ ہو۔

حضرت ابولبابہ مجلس میں موجود تھے حضور ﷺ کی اس دعا کے بعد کھڑے ہو کر عرض پرداز ہوئے یارسول اللہ! کھجوریں تو خشک کرنے کے لئے ہم نے کھلیانوں میں بچھائی ہوئی ہیں وہ ساری بھیک کر ضائع ہو جائیں گی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ یا اللہ! ہم پر بارش نازل فرما۔ ابولبابہ نے تین بار جملہ دھرایا۔ آخری بار حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی۔ الٰہی ہم پر پانی برسا اتنا برسا کہ ابولبابہ کھڑا ہو کر اپنے کھلیان کا سوراخ اپنی چادر سے بند کرے۔ ابوجزہ فرماتے ہیں کہ بخدا آسمان میں بادل کا نام ونشان تک نہ تھا کہ مسجد نبویؐ اور جبل سلع کے درمیان سارا میدان خالی تھا جبل سلع کے پیچھے سے بادل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا نمودار ہوا جب وہ آسمان کے وسط میں پہنچا تو چاروں طرف پھیل گیا پھر موسلا دھار بارش برسنا شروع ہو گئی یہاں تک کہ چھ دن تک سورج نظر نہ آیا۔ جب چھ دن تک بارش نہ رکی تو لوگ ابولبابہ کے پاس آئے اور کہنے لگے اے ابولبابہ یہ بارش ہرگز بند نہ ہوگی جب تک تم چادر اتار کر اپنے کھلیان کے سوراخ کو بند نہیں کرو گے جس طرح جناب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ابولبابہ اٹھے اپنی چادر اتاری اور اس کے ساتھ پانی کے سوراخ کو بند کیا تو اسی وقت مطلع صاف ہو گیا۔

ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں جن کی سندیں صحیح ہیں کہ ادھر جناب رسول خدا ﷺ دعا کے لئے لب کشا ہوئے ادھر بادل گھر کر آ جاتے اور موسلا دھار بارش برسنا شروع ہو جاتی۔ یہ اقعات تو حضور باعث تخلیق کائنات ﷺ کے عہد مبارک کے متعلق تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے اس جہانی فانی سے جانے کے بعد بھی صحابہ کرامؓ آپ کے توسل سے دعا مانگتے تھے۔ حضرت عمر بن خطابؓ کے دور حکومت میں بھی ایک دفعہ خشک سالی کی تکلیف پیش آئی تو انہوں نے حضرت عباسؓ کو توسل کے طور پر پیش کیا اور یوں عرض کی اے اللہ! بے شک ہم تیرے سامنے اپنے نبی ﷺ کو بطور توسل پیش کرتے تھے تو ہم پر بارش نازل کیا کرتا تھا اور اب ہم تیرے سامنے اپنے نبی ﷺ کے چچا کو بطور وسیلہ پیش کرتے ہیں سو تو ہم پر بارش نازل فرما تو ان پر بارش برسائی جاتی (صحیح بخاری) حافظ ابن حجرؒ، علامہ عینیؒ اور قاضی شوکانی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت عباسؓ کے اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اہل خیر وصلاح اور خاندان نبوتؐ سے تعلق رکھنے والے حضرات کو بطور توسل پیش کرنا مستحب ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۱، عمدۃ القاری ج ۷ ص ۳۳، نیل

الاوطارج ۴ ص ۸ مختصر الفتاوی المصریہ ص ۱۹۶) علامہ تاج الدین سبکیؒ فرماتے ہیں کہ پس یہ دعا ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی برکت ہی سے قبول ہوئی (طبقات السبکی ج ۲ ص ۶۹ طبع مصر)۔

دَعْنِیْ وَوَصْفِیْ اٰیَاتٍ لَّہٗ ظَھَرَتْ
ظُھُوْرَنَارِالْقِرٰی لَیْلاً عَلٰی عَلَمٖ

مجھ کو حضور ﷺ کے معجزات مبارکہ بیان کرنے کے لئے چھوڑ دو کیونکہ آپؐ کے معجزات اتنے روشن اور نمایاں ہیں جیسے پہاڑ پر ضیافت کی آگ روشن ہوتی ہے۔

یعنی مجھے حضور سرور کائنات ﷺ کے معجزات کثیرہ بیان کرنے دو اور میرے نزدیک اس سے بہتر کوئی کام نہیں ہے اور یہ معجزات اتنے روشن اور واضح ہیں جیسے کہ رات کو پہاڑ پر آگ دور سے ہر کسی کو نظر آتی ہے۔ پہاڑ کی چوٹی پر آگ جلانا اہل عرب کا پرانا رواج تھا تاکہ مسافروں کو اطمینان ہو اور وہ روشنی دیکھ کر اطمینان سے اس طرف آ جائیں نیز عرب کے اسخیاء (سخی لوگوں) کا دستور تھا کہ عام ضیافت اور مساکین کی ضیافت کے لئے رات کو پہاڑ پر آگ جلا دیتے تھے تاکہ ہر ایک کو اطلاع ہو جائے اور بے تکلف اس ضیافت میں شریک ہوسکیں خلاصہ یہ ہے کہ جناب سید الکونین ﷺ کے معجزات اتنے روشن اور واضح ہیں جیسا کہ تاریک رات میں پہاڑ کی چوٹیوں پر آگ واضح ہوتی ہے۔ اور حضور ﷺ کے معجزات کا تذکرہ بہت بڑی عبادت ہے اور ان کے ذکر شریف کی کثرت سے محبت اور محبت سے قیامت میں حضور ﷺ کی معیت وشفاعت نصیب ہوگی۔ پس ہمیں بھی چاہیے کہ اپنی زبانوں کی خوشبوئے ذکر نبویؐ سے خوب معطر رکھیں اور اہل بطالت کی پرواہ نہ کریں۔

فَالدُّرُّ یَزْدَادُ حُسْنًا وَّھُوَ مُنْتَظِمٌ
وَلَیْسَ یَنْقُصُ قَدْرًا غَیْرَ مُنْتَظِمٖ

موتی کا ہار مناسب موزونیت کے ساتھ بنایا جائے تو ہار کی خوبصورتی بڑھ جاتی ہے لیکن جب موتی ہار میں پرویا ہوا نہ ہو تو بھی موتی کی قدر و قیمت میں کوئی کمی یا نقص پیدا نہیں ہوتا۔

یعنی جب کسی موتی کو ہار میں مناسب طور پر پرو یا جائے تو ہار خوبصورت لگتا ہے تاہم اگر ہار ترتیب نہ بھی دیا جائے تو موتی کی قدر و قیمت اور حسن میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ امام بوصیریؒ بیان فرما رہے ہیں کہ میری مدح سرائی سے جناب امام الانبیاء ﷺ کی شان بڑھ نہیں جاتی اور خدانخواستہ ترکِ مدحت سے ان کی عالی شان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اور جس طرح ہار اپنی

زینت چاہتا ہے اور قیمتی موتی کے حسن سے تابانی حاصل کرتا ہے اسی طرح میں تذکرہ محبوبؐ خدا کو اپنی نظم میں سمو کر اپنے عملوں کے ہار کی زینت بنا رہا ہوں۔ جناب امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان آپؐ کی ختم نبوت پر ایمان۔ آپؐ کی محبت۔ آپؐ کی اتباع اللہ تعالیٰ کی رضا و قرب کا موجب و سبب ہے اسی طرح ایمان و محبت کے جذبات اور آپؐ کے اتباع کی نیت سے آپؐ کا تذکرہ۔ آپؐ کی سیرت سے اشتغال آپؐ پر درود شریف کی کثرت بھی رضائے حق کا وسیلہ اور ازدیاد حب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذریعہ ہے اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ادنیٰ نسبت رکھنے والے مسلمان بھی ہمیشہ آپؐ کی اتباع کو زندگی کی بہار و رونق اور آپؐ کی محبت کو دلوں کا سرور اور سرمایا سمجھتے ہیں۔

فَمَا تَطَاوَلَ اٰمَالُ الْمَدِیْحِ اِلٰی
مَا فِیْهِ مِنْ کَرَمِ الْاَخْلَاقِ وَالشِّیَمِ

کہاں پوری ہوتی ہیں آرزوئیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اوصاف حمیدہ بیان کرنے کی کہ جو حضورؐ کی ذات مقدس میں جمع ہیں۔

یعنی حضور سرور کون و مکان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات بابرکات میں خصائل و فضائل اوصاف جلیلہ جمع ہیں اور آپؐ کی صفات ذاتیہ وکسبیہ جو مجموعہ اخلاق کریمہ ہے ان تمام اوصاف کو جمع کرنے بیان کرنے کی انسانی آرزوئیں کب اور کیسے پوری ہو سکتی ہیں کیونکہ وہ انسان کے فہم و رسائی سے باہر ہیں۔ کسی انسان کے بس کی یہ بات ہی نہیں کہ وہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت طیبہ کا مکمل احاطہ کر سکے اور نہ انسان کے بس کی یہ بات ہے کہ وہ حقیقت محمدیہؐ کا صحیح ادراک کر سکے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خوبیوں اور فضائل کا مکمل علم (خواہ آپ کے بغیر تمام لوگ اکٹھے ہو جائیں) حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں کیونکہ جناب امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حقیقت اور فضائل کا علم خدائے وحدہ لاشریک کے علاوہ اور کسی کو ہو ہی نہیں سکتا۔ بس ہر زمانہ میں خوش نصیب اپنی اپنی بساط کے مطابق معرفت و ایمان کی جھولیاں بھرتے رہے ہیں لیکن پھر بھی کما حقہ اس کا حق ادا نہ کر سکے۔ تاہم پھر بھی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب کی گہرائیوں میں ایمان اور محبت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سمو دے۔ ہمارے قلوب و اذہان کو محبت رسولؐ کے پاکیزہ اور معطر جذبات سے مہکا دے۔ (آمین) بجاہ النبی الکریم۔

اٰیَاتُ حَقٍّ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثَةٌ
قَدِیْمَةٌ صِفَةُ الْمَوْصُوْفِ بِالْقِدَمِ

قرآن مجید کی آیات رحمٰن کی طرف سے اتاری ہوئی ہیں جو کہ قدیم ہیں اس لئے کہ موصوف قدیم کی صفت قدیم ہے۔

یعنی قرآن مجید کی آیات مبارکہ اللہ رحمٰن و رحیم کی طرف سے نازل کردہ ہیں جو باعتبار تلفظ و نزول و کتابت مصاحف حادث ہیں یعنی اب عمل میں آئی ہیں لیکن من حیث المعنی و کلام نفس قدیم ہیں کیونکہ وہ صفت ہیں اس ذات پاک کی جو موصوف بالقدم ہے۔ امام بوصیریؒ اب شانِ حبیب الرحمٰن ﷺ کو قرآن مجید کی آیات مبارکہ سے ثابت اور بیان کرنا چاہتے ہیں اس لئے بطور تمہید بیان فرما رہے ہیں کہ میں اب جس عظیم ہستی کے فضائل بیان کرنا چاہتا ہوں ان کے فضائل میں قرآن مجید و فرقان حمید کی آیات نازل ہوئی ہیں اور جس طرح قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور باعتبار معنی بلا صوت قدیم ہے اسی طرح حضور ﷺ بھی اس وقت سے نبی ہیں جب حضرت آدمؑ کا پتلا بھی تیار نہیں ہوا تھا اور جس طرح قرآن مجید اب حضور ﷺ پر نازل ہوا ہے اور باعتبار الفاظ حروف و صوت و کتابت حادث ہے اس طرح حضور ﷺ سب سے آخر میں مبعوث ہوئے اور خاتم النبین ہوئے۔ ان کے حق میں آیات قرآنیہ ازل سے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی شان بیان فرمائی ہے اور یہ آیات مبارکہ اللہ رحمٰن کی طرف سے نازل شدہ ہیں اور لفظ رحمٰن رحمت سے مشتق ہے اور لفظ رحمت میں ایک سے زائد مفہوم پنہاں ہیں جب ہم لفظ رحمٰن کہتے ہیں تو ہمارے ذہن میں دو معانی اجاگر ہوتے ہیں۔ ایک مخلوقات کی وسیع اور وافر ضرورتیں اور دوسرا یہ کہ خدا کی طرف سے اپنی مخلوقات کے لئے بے پایاں رحمت اور انکی ضروریات کو پورا کرنا اور لفظ رحمٰن کثرت اور وسعت پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۃ اعراف آیتہ ۱۵۶ میں ارشاد ہے کہ ”ورحمتی وسعت کل شیٔ“۔ میری رحمت سب چیزوں پر محیط ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو اس جہان میں رحمت بنا کر بھیجا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین۔ اور ہم نے آپکو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

لَمۡ تَقۡتَرِمۡ بِزَمَانٍ وَّهِيَ تُخۡبِرُنَا
عَنِ الۡمَعَادِ وَعَنۡ عَادٍ وَّعَنۡ اِرَمٖ

قرآن مجید کی آیتیں کسی خاص قریب زمانہ کی خبریں نہیں دیتیں بلکہ وہ قدیم اور جدید زمانہ کے ساتھ ساتھ آخرت کی بھی خبر دیتی ہیں۔

یعنی قرآن مجید میں کسی خاص قریبی زمانہ کی ہی خبریں یا احکام نہیں ہیں بلکہ وہ مبداء و معاد سے بھی ہمیں مطلع کر رہی ہیں اور حضرت آدمؑ کی پیدائش سے قبل کے حالات سے بھی ہمیں آگاہی دی جا رہی ہے

اور قیامت، جنت، دوزخ کے حالات واقعات سے بھی ہمیں آگاہ کیا جارہا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔ اولم یرالانسان انا خلقناہ من نطفة فاذا ھو خصیم مبین وضرب لنا مثلا ونسی خلقه قال من یحی العظام وھی رمیم قل یحییھا الذی انشأھا اول مرة۔ کیا آدمی کو معلوم نہیں کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا تو وہ اعلانیہ اعتراض کرنے لگا۔ اور اس نے ہمارے لئے ایک مثال بیان کی اور اپنی پیدائش بھول گیا اور کہتا ہے کہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جب کہ وہ بالکل بوسیدہ ہو گئیں آپ کہہ دیجیے انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا۔ (پ ۲۳ ع ۴)

اس آیت مبارکہ کے متعلق مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ امیہ بن خلف کے معاملہ میں نازل ہوئی تھی جب اس بدبخت نے حضور باعث تخلیق کائنات ﷺ سے مخاصمہ کیا اور ایک گلی سڑی ہڈی لایا اور کہنے لگا اے محمدؐ کیا یہ ہڈی جو گل گئی ہے اللہ اسے زندہ کرے گا؟ حضور سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں۔ تجھے مرنے کے بعد اٹھائے گا اور جہنم میں داخل کرے گا۔ اور گزشتہ واقعات کی خبر میں قرآن مجید قوم عاد کی بھی خبریں دیتا ہے چنانچہ ''والی عاد اخاھم ھودا'' میں قبیلہ عاد کا تذکرہ ہے یہ علاقہ یمن میں ہے یہاں ایک بت پرست قوم تھی اللہ تعالیٰ نے حضرت ہودؑ کو ان پر مبعوث فرمایا آپ قوم عاد کے اشرافوں میں سے تھے اور حسب ونسب میں تمام قوم سے افضل ترین تھے۔ قوم نے آپ کو جھٹلایا اور شدید مخالفت شروع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر تین سال تک بارش بند فرما دی یہ واقعہ عاد اول کا ہے اور علامہ بوصیریؒ نے شعر کے آخر میں ''عن ارم'' جو فرمایا اس سے وہ سرکش قوم مراد ہے جسے عاد ثانی کہا جاتا ہے اور جس کا ذکر سورہ فجر میں کیا گیا ہے۔ اَلَم تَرَ کَیفَ فَعَلَ رَبُّکَ بعَادٍ ارم ذات العماد التی لم یخلق مثلھا فی البلاد'' ۔کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے عاد کے ساتھ وہ جو ارم میں تھے بڑے ستونوں والے کیا کیا جن کی طرح (زور قوت والا) شہروں میں کوئی پیدا نہ ہوا۔ (پ ۳۰ ع ۱۴) اس کا مفصل تذکرہ تفسیر نیشا پوری میں موجود ہے کہ عاد بن ارم کے دو بیٹے تھے۔ ایک شداد اور دوسرا شدید۔ یہ دونوں دنیا کے بادشاہ تھے پھر شدید مر گیا اور شداد تمام سلطنت پر قابض ہو گیا اور اس کی عمر اس وقت نو سو برس کی تھی اسے کتب بینی کا شوق تھا ایک روز اس نے جنت کی تعریف ایک کتاب میں پڑھی تو اس کے دل میں یہ شوق پیدا ہو کہ میں ایسی عمارت بنواؤں۔ اس نے ایک جماعت اس مقصد کے لئے روانہ کی کہ وہ ایک ایسا صحرا تلاش کریں جس میں لطیف ہوا ہو اور وہاں پتھر نہ ہوں سرسبز شاداب باغ ہوں اور پانی بھی موجود ہو۔ یہ جماعت تلاش کرتے کرتے ایک ایسے جنگل میں پہنچی جہاں یہ تمام مطلوبہ چیزیں موجود تھیں۔ انہوں نے شداد کو اسکی اطلاع دی تو اس نے اطلاع

پاتے ہی سونا چاندی اور جواہرات جمع کرنے شروع کر دیئے اور ایک لاکھ معمار وہاں بھیج دیئے انہوں نے سونے اور چاندی کی اینٹیں لگا کر بڑے بڑے محل تعمیر کئے اور بڑے بڑے ستون زبرجد سبز کے اور یاقوت احمر کے نصب کئے ان محلوں میں کھڑکیاں روشن دان اور بالا خانے بنوائے اور چاندی کی نہریں بنوائیں جن میں شراب اور شہد بھروایا غرض تین سو برس میں اس عمارت سے فارغ ہوا۔ تو شداد نے تمام وزراء و اتباع کو جمع کیا اور شان و شوکت سے اس مصنوعی جنت کے لئے روانہ ہوا لیکن جب وہ ایک دن اور ایک رات کے فاصلے پر رہ گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک چیخ مسلط کی جس سے سب ہلاک ہو گئے۔ بعض مفسرین نے ارم اس جنت کا نام بتلایا ہے۔ اسرائیلی روایات میں اس قوم کے قد و قامت اور قوت کے متعلق عجیب عجیب اقوال مذکور ہیں۔ واللہ اعلم۔

دَامَتْ لَدَيْنَا فَفَاقَتْ كُلَّ مُعْجِزَةٍ
مِنَ النَّبِيِّيْنَ إِذْ جَاءَتْ وَلَمْ تَدُمِ

قرآن مجید کا معجزہ ہمارے پاس ہمیشہ کے لئے ہے اور یہ معجزہ تمام انبیاء کرام کے معجزوں سے فائق ہے اس لئے کہ وہ انبیاء جو معجزے لائے وہ ہمیشہ نہ رہے۔

یعنی قرآن مجید کی یہ آیات ہمیشہ ہمارے پاس رہیں گی اور یہ ہمارے آقا و سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک زندہ معجزہ ہے جو باقی تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزوں پر فائق ہے کیونکہ باقی انبیاء کرام کے معجزے ہمیشہ نہ رہے اور یہ معجزۂ قرآن تا قیامت باقی رہے گا۔ قرآن اپنی فصاحت و بلاغت اور جمال سخن کے اعتبار سے بے نظیر ہے۔ قرآن مجید کا ایک خاص اسلوب ہے نہ نثر ہے نہ شعر حالانکہ تمام باتیں یا نثر میں ہیں یا شعر میں لیکن شعر نہیں ہیں۔ قرآن حکیم اصولی طور پر خود ہی معنوی مسائل کو پیش کرتا ہے اور شفاف پانی کی طرح روانی سے بیان کرتا ہے مثلاً۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین۔ الرحمن الرحیم۔ مٰلک یوم الدین۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ ہر مسلمان تمام عمر اپنی نمازوں میں تیس سے زائد مرتبہ روزانہ نماز میں دہراتا ہے لیکن ان میں اس قدر شیرینی ہے کہ پڑھنے والا نہ تھکتا ہے نہ اس کا جی بھرتا ہے پس قرآن شعر نہیں ہے کیونکہ اس میں وزن اور قافیہ نہیں ہے اور نیز یہ کہ اس میں باتیں کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں اور تخیل سے کام نہیں لیا گیا۔ قرآن نثر بھی نہیں ہے وہ اس لئے کہ کسی نثر میں لے نہیں ہوتی مگر قرآن کی نثر میں لے ہے۔ یہ قرآن مجید کے اسلوب کی خصوصیات میں سے ایک ہے جس کی نہ اس سے پہلے مثال ملتی ہے نہ بعد میں عربی زبان میں دیکھی جا سکتی ہے۔ قرآن کا زمانہ فصاحت و بلاغت کا زمانہ تھا یعنی اس

زمانے میں عوام کا ہنر فصاحت و بلاغت تھا اس زمانے میں بازار عکاظ ہوا کرتا تھا جہاں جنگ کی حرمت کے مہینوں میں شعر وفنون کا بازار گرم ہوتا مختلف قبیلوں کے شعراء آتے اور اپنے اشعار پڑھتے تھے اس بازار میں جو شعر پسند کر کے منتخب کئے جاتے وہ کعبہ کی دیوار پر لٹکا دیئے جاتے سات قصیدے جو معلقات سبع کے نام سے معروف ہیں وہ اشعار تھے جن سے بڑھ کر عربوں کی نظر میں کوئی اچھا شعر نہیں تھا۔ وہ مدتوں کعبے میں اپنی عمدگی کی وجہ سے لٹکے رہے لیکن جب قرآن آیا تو ان قصائد کو وہاں سے ہٹا لیا گیا۔ خطابت اور شاعری اس معاشرے کی روح رواں تھی۔ اس زمانہ کی مجلسوں کی رونق۔ میلوں کی رنگینی شعر و ادب سے عبارت تھی اور ان لوگوں کو اس پر اتنا غرور تھا کہ وہ اپنے سوا تمام لوگوں کو ”عجمی“ یعنی گونگا کہتے تھے۔ اس خاص ماحول میں جناب نبی کریم ﷺ نے کلام پیش فرمایا اور اعلان فرمایا کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ یہ اعلان کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ یہ دعویٰ اس ذات گرامیؐ کی طرف سے تھا جس نے کبھی بھی ایک لمحہ کے لئے بھی کسی انسان سے علم حاصل نہیں کیا نہ شاعروں ادیبوں سے علم سیکھا نہ مشاعرے کی محفلوں میں شرکت کی۔ لیکن اس اعلان نے ان آتش بیان خطیبوں اور شعلہ نوا شاعروں کی محفلوں پر سناٹا طاری کر دیا۔ لیکن کسی شخص کو جرأت نہ ہوئی کہ اس چیلنج کو قبول کرے۔ کچھ عرصہ بعد قرآن مجید نے اعلان فرما دیا ” وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھدآءکم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین“۔ اور اگر تم کو اس کتاب کے بارہ میں ذرہ بھی شک وشبہ ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو اس جیسی ایک (ہی) سورت بنا لاؤ۔ اگر سچے ہو اور اللہ کے سوا تمہارے جتنے حمایتی ہیں ان سب کو بلا لو۔ اس پر بھی بدستور سکوت طاری رہا اور کوئی شخص اس کلام کے مقابلے میں چند جملے بھی بنا کر نہ لا سکا۔ اور قرآن مجید کے مکرر اور سہ کرر اعلانات کے باوجود آج تک کوئی بھی اس دعوے کا جواب نہ دے سکا اور نہ قیامت تک کسی میں جرأت ہے کہ وہ اس قرآنی چیلنج کا مقابلہ کرے۔ قرآن مجید فرقان حمید کے وجوہ اعجاز اس قدر کثیر ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا انسانی بس کی بات نہیں کیونکہ وہ متعدد اور کثیر الاطراف ہیں اور قرآن مجید اپنی تمام حیثیات کے لحاظ سے معجزۂ کامل ہے۔ قرآن مجید کا حرف حرف اور لفظ لفظ وحی ہے اور وہی ہے جو جناب محمد الرسول ﷺ کی زبان مبارک سے ادا ہوا اور وہ ہر قسم کی تحریف وتغیر سے پاک ہے اس لئے اس کے الفاظ۔ کلمات اور عبارات تک معجزہ ہیں اور اس وصف میں دنیا کی کوئی آسمانی کتاب اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔

مُحْکَمَاتُ فَمَاَ یُبْقِیْنَ مِنْ شُبَہٍ
لِذِیْ شِقَاقٍ وَّ لاَ یَبْغِیْنَ مِنْ حَکَمٍ

آیات قرآنیہ خود حاکم اور ایسا فیصلہ کرنے والی ہیں کہ اختلاف کرنے والے کے لئے کوئی شبہ باقی نہیں چھوڑتیں نہ ان کے فیصلہ میں کسی منصف کی حاجت رہتی ہے۔

یعنی قرآن مجید کسی حکم زائد کا وضوح قوانین کے لئے محتاج نہیں بلکہ تمام احکام و قوانین اور قواعد اس سے ماخوذ ہیں کہیں کوئی شے ایسی نہیں جو قرآن مجید پر غالب آسکے۔محکمات جمع محکم کی ہے اور یہ لفظ دراصل احکام سے لیا گیا ہے۔جس کا معنی ہے ممنوع قرار دینا۔اس لئے پائیدار اور استوار چیزوں کو کہتے ہیں چونکہ نابودی اور تباہی کے عوامل ان سے دور ہوتے ہیں۔واضح اور قطعی باتیں جو ہر مخالف احتمال کو اپنے سے دور کردیں وہ بھی محکم کہلاتی ہیں اور ان کا مفہوم اس قدر واضح ہوتا ہے کہ ان کے معنی میں گفتگو اور بحث و تمحیص کی گنجائش نہیں ہوتی۔جیسا کہ خود قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔"ھوالذی انزل علیک الکتب منه ایٰتٌ محکمات ھن ام الکتب واخر متشبھت"۔اللہ وہ ذات کہ جس نے تم پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیات محکم (صریح اور واضح) ہیں جو اس کتاب کی بنیاد ہیں (اور جو پیچیدگی دیگر آیات میں نظر آئے وہ ان کی طرف رجوع کرنے سے برطرف ہو جاتی ہے) اور کچھ آیات متشابہ ہیں۔(سورۃ آل عمران) یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ باوجود یہ کہ قرآن نور۔رشنی اور حق ہے ایک واضح کلام ہے اور تمام لوگوں کی ہدایت کے لئے آیا ہے اس میں متشابہ آیات کیوں ہیں؟ اور بعض آیات کے مفاہیم اس قدر پیچیدہ کیوں ہیں کہ لوگ فتنہ انگیزی اور غلط مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کرتے ہیں۔یہ سوال انتہائی اہمیت کا حامل ہے ہوسکتا ہے مجموعی طور پر درج ذیل وجوہات قرآن میں آیات متشابہات کا سبب اور راز ہوں۔

(i)۔انسانوں کی گفتگو میں استعمال ہونے والے الفاظ اور جملے روزمرہ کی ضروریات کے ماتحت ہوتے ہیں اس لئے جب ہم انسان کی محدود مادی زندگی کے دائرے سے باہر نکلیں اور مثلاً خالق کائنات کے بارہ میں گفتگو کریں جو ہر جہت سے لا محدود ہے تو ہمیں نظر آئے گا کہ ہمارے الفاظ ان معانی کے لئے سانچے اور قالب کا کام نہیں دیتے تاہم ہم وہی الفاظ استعمال کرنے پر مجبور ہیں اگرچہ یہ الفاظ مختلف پہلوؤں سے ناقابل اور نارسا ہیں الفاظ کی یہی نارسائی متشابہات قرآن کے اہم حصے کا سرچشمہ ہے۔

(ii)۔بہت سے حقائق دوسرے جہاں یا عالم ماورائے طبیعت سے مربوط ہیں یہ حقائق ہماری فکرو نظر کے افق سے دور ہیں۔زمان و مکان کی قید میں محدود ہونے کی وجہ سے ہم ان کی گہرائی کا ادراک نہیں کرسکتے۔اس لئے ہمارے افکار کی نارسائی اور ان معانی کے افق کی بلندی بعض آیات کے متشابہ ہونے کا دوسرا سبب ہے اس کی مثال بعض وہ آیات ہیں جن کا تعلق قیامت وغیرہ سے ہے۔

(iii)۔قرآن میں متشابہات کا ایک مقصد یہ ہے کہ لوگوں کی فکر و نظر کو زیادہ سے زیادہ کام میں لایا جائے اور فکری تحرک پیدا ہو۔

(iv)۔ایک اور اہم نکتہ جو قرآن میں متشابہات کی موجودگی کے لئے ہے کہ قرآن مجید میں ایسی آیات صاحب قرآن حضرت محمد مصطفی ﷺ اور ان کے اوصیاء کی شدید ضرورت کو واضح کرتی ہیں کہ لوگ عملی طور پر حضور ﷺ کی رہبری تسلیم کریں۔اور اسی طرح دیگر علوم اور دیگر مشکلات میں انہی سے راہنمائی حاصل کریں اور قرآن کی وہ تفسیر کریں جو صاحب قرآن حضرت محمد ﷺ نے بیان فرمائی یا جس کا حکم دیا ہے اور جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی مشہور وصیت ہے" انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی وانھما لن یفترقا حتیٰ یردا علی الحوض" یعنی میں تمھارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں خدا کی کتاب اور اپنی عترت اھل بیت اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ قیامت کے دن حوض کوثر کے کنارے مجھ تک پہنچیں گے۔

مَاحُوْرِبَتْ قَطُّ اَلاَّ عَادَ مِنْ حَرَبٍ
اَعْدَی الْاَعَادِیْ اِلَیْھا مُلْقِیَ السَّلَمِ

قرآن کی آیتوں سے کبھی سخت سے سخت دشمن نے بھی محاربہ نہ کیا مگر یا اپنے عجز کا قائل ہوگیا یا سلامتی سے اسے قبول کرلیا۔

یعنی آیات قرآنیہ سے کبھی کسی نے مقابلہ نہیں کیا مگر یا تو اپنی ہٹ دھرمی سے بگڑتا اور لاجواب ہوتا اپنے عجز کا قائل ہوکر واپس چلا گیا یا نادم و پشیمان ہوکر قرآن کی فصاحت کو تسلیم کرلیا۔

قرآن مجید نے خود تمام انسانوں اور جنوں کو چیلنج کر دیا کہ" قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یا تو ابمثل ھذا القران لا یاتون بمثلہ"۔کہہ دے اے پیغمبرؐ! اگر تمام جن وانس مل کر بھی چاہیں کہ اس جیسا قرآن بنالائیں تو نہیں لا سکتے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار کیوں نہ ہوں (بنی اسرائیل۔۱۰) ازاں بعد سورہ ہود میں پورے قرآن کی بجائے صرف دس سورتوں کا جواب مانگا گیا ہے۔" ام یقولون افتراہُ قل فاتوا بعشر سور مثلہ مفتریٰتٍ وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین" (ہود۔۲) کیا وہ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے اس کو اپنے جی سے بنالیا ہے۔تو کہہ دے کہ وہ ایسی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آئیں اور اپنی مدد کے لئے خدا کے سوا جو کو چاہیں بلالیں اگر وہ سچے ہیں۔

قرآن مجید فرقان حمید کے اس اعلان کے بعد بھی جب کسی کو قرآن کے مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی تو

دس سورتوں کو گھٹا کر ایک ہی سورۃ کا جواب لانے کی تحدید کی گئی۔" وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فاتو بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین"۔ (سورہ بقرہ-۲) اور اگر تم کو اس میں بھی کچھ شک ہو تو جو ہم نے اپنے بندہ پر اتارا ہے تو اس جیسی ایک ہی سورۃ لاؤ۔ اور خدا کے سوا اپنے تمام گواہوں کو بلاؤ اگر تم سچے ہو۔ پھر سورۃ طور میں ارشاد ہوتا ہے کہ چلو ایک سورۃ نہ سہی ایک آیت ہی لا کر دکھا دو۔" ام یقولون تقولہ بل لا یومنون فلیاتوا بحدیث مثلہ ان کانوا صٰدقین" (سورہ طور) کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو گھڑ لیا ہے۔ بات یہ ہے کہ ان کو ایمان نہیں۔ اگر وہ سچے ہیں تو اس جیسی ایک بات بھی پیش کر دیں۔ فصاحت و بلاغت کے اس دور میں اگر یہ چیلنج بذریعہ وحی نہ دیئے گئے ہوتے تو مشرکین عرب اور یہودی جو حضور سرور کائنات ﷺ کی مخالفت کا کوئی موقع فروگذاشت کرنے کے لئے تیار نہ تھے وہ بڑی آسانی سے سامنے آتے۔ ولید بن مغیرہ جو ابو جہل کا بھتیجا تھا اس کا واقعہ حضرت ابن عباس ؓ نقل فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد جب حج کا موسم آیا تو اس نے قریش کو جمع کر کے کہا کہ موسم حج میں عرب کے مختلف قبائل یہاں آئیں گے اس لئے محمدؐ کے بارہ میں کوئی ایسی بات طے کر لو کہ پھر باہم اختلاف نہ ہو۔ قریش نے کہا کہ ہم لوگوں سے یہ کہیں گے کہ محمدؐ کاہن ہیں۔ ولید نے کہا خدا کی قسم! ان کا کلام کاہنوں جیسا نہیں ہے۔ قریش نے کہا کہ پھر ہم انہیں مجنون کہیں گے ولید بولا کہ ان میں جنوں کا شائبہ تک نہیں۔ قریش کہنے لگے کہ پھر ہم کہیں گے کہ وہ شاعر ہیں ولید نے کہا کہ شعر کی تمام اصناف سے میں واقف ہوں یہ کلام شعر ہرگز نہیں ہے قریش نے کہا کہ پھر ہم انہیں جادوگر کہہ دیں۔ ولید نے پہلے اس کا بھی انکار کیا مگر مزید کسی بات پر فیصلہ نہ ہو سکنے کی وجہ سے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ جادوگر کہا جائے کہ یہ کلام ایسا جادو ہے جو باپ بیٹے اور بھائی بھائی میں تفریق کرا دیتا ہے۔ اس قسم کے اور بھی واقعات تاریخ میں محفوظ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے بڑے سے بڑے فصیح و بلیغ ادباء و شعراء نہ صرف یہ کہ قرآن مجید کا معارضہ نہیں کر سکے بلکہ قرآن مجید فرقان حمید کے اثر انگیزی کا قولی یا عملی طور پر اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے۔ تاہم چند مسخروں نے قرآن مجید کے مقابلے میں چند مضحکہ خیز جملے بنائے تھے وہ تاریخ کے اوراق میں آج تک محفوظ ہیں اور اہل عرب ہمیشہ ان کی ہنسی اڑاتے آئے ہیں۔ نزول قرآن حکیم کے بعد مشہور ادیب اور انشاء پرداز عبداللہ بن المقفع (متوفی ۱۴۲ھ) نے قرآن مجید کا جواب لکھنے کا ارادہ کیا لیکن اس دوران کسی بچے کو قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھتے سنا کہ" وقیل یاارض ابلعی ماءک ویاسماء اقلعی" تو پکار اٹھا میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کلام کا معارضہ ناممکن ہے اور یہ ہرگز انسانی کلام نہیں۔

رَدَّتْ بَلاَ غَتُهاَ دَعْوٰی مُعَارِضِهَا
رَدَّ الْغَيُوْرِ يَدَ الْجَانِيْ عَنِ الْحَرَمِ

قرآن مجید کی بلاغت دعویٰ کرنے والے کو روک دیتی ہے جیسے کوئی غیرت مند شخص غیر محرم کے ہاتھوں سے اپنے اہل حرم کو محفوظ کر لیتا ہے۔

یعنی قرآن مجید فرقان حمید کی فصاحت و بلاغت اپنے مقابلہ کرنے والے بد بخت کو ایسا رد اور پیکار کر دیتی ہے جیسے ایک غیرت مند شخص کسی فاسق اور گناہگار کے ہاتھ کو اپنے اہل محارم سے دفع کرتا ہے۔یعنی کوئی بد بخت مقابلہ تو کیا کرتا اس کا ارادہ بھی نہ کر سکا۔حضرت حسان ؓ بن ثابت۔عامر ؓ بن اکوع۔طفیل بن عمر۔زید الجلیل۔زبرقان شماس۔اسود بن سریع۔کعب بن زہیر۔عبداللہ بن ؓ رواحہ وغیرہ عرب کے مشہور زبان آور اور شاعر تھے مگر قرآن مجید کے سامنے ان سب نے سر نیاز کو خم کیا۔لبید عرب کے مشہور شاعر اور سبع معلقہ کی بزم مشاعرہ کے ایک رکن تھے۔اسلام کے بعد جب حضرت عمر ؓ نے ان سے چند اشعار کی فرمائش کی تو انہوں نے جواب دیا۔جب خدا نے مجھ کو" بقرہ" اور" آل عمران" سکھائی تو مجھے شعر کہنا زیبا نہیں۔

لَهَا مَعَانٍ كَمَوْجِ الْبَحْرِ فِيْ مَدَدٍ
وَفَوْقَ جَوْهَرِهٖ فِي الْحُسْنِ وَالْقِيَمِ

قرآن کی آیتیں اپنے اندر مثل موج دریا کے معنی رکھتی ہیں اور سمندر کے موتیوں سے قیمت میں اور حسن میں زائد ہیں۔

یعنی آیات قرآنیہ کے اس قدر معانی ہیں کہ کثرت و غایت میں انھیں مثل امواج بحر کہنا چاہیے نیز ایک موج جس طرح دوسری موج کی مدد کرتی ہے قرآن کے معانی بھی ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے اس کلام کی شیرینی۔نمکینی تاثیر و تسخیر جو دوست دشمن۔موافق و مخالف۔شاہ و گدا۔عالم و جاہل سب کو یکساں فریفتہ کرتی ہے اور تفسیر قرآن حکیم کا پہلا ماخذ خود قرآن حکیم ہے یعنی اس کی آیات بعض اوقات ایک دوسرے کی تفسیر کر دیتی ہیں ایک جگہ کوئی بات مبہم انداز میں کہی جاتی ہے اور دوسری جگہ اس ابہام کو رفع کر دیا جاتا ہے مثلاً سورۃ فاتحہ میں ارشاد ہے۔" اھدنا الصراط المستقیم ○ صراط الذین انعمت علیھم" ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت کیجیے ان لوگوں کے راستے کی جن پر آپ نے انعام فرمایا۔یہاں یہ بات واضح نہیں کی گئی کہ جن لوگوں پر انعام فرمایا گیا ان سے کون لوگ مراد ہیں تو دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے" اولئک الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھدآءِ والصلحین " یہ وہ لوگ ہیں جن پر

اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء ۔صدیقین ۔شہداء اور نیک لوگ ۔اسے تفسیر القرآن بالقرآن کہا جاتا ہے ۔بعض مفسرین حضرات نے ایسی پوری تفسیریں لکھی ہیں جن میں ہر آیت کی تفسیر کسی دوسری آیت سے کرنے کا التزام کیا گیا ہے اس نوعیت کی ایک گرانقدر کتاب مدینہ طیبہ کے ایک عالم شیخ محمد امین بن محمد مختار شنقیطیؒ کی تالیف ہے ۔جو" اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن" کے نام سے شائع ہو چکی ہے ۔

فَلاَ تُعَدُّ وَلاَ تُحْصٰی عَجَائِبُہاَ
وَلاَ تُسَامُ عَلیَ الاَکْثَارِ بِالسَّأَمِ

آیات قرآنیہ کے عجائبات اس قدر لاتعداد ہیں کہ نہ مفصلاً شمار ہو سکتے ہیں نہ اجمالاً اور باوجود کثرت تلاوت کے طبیعت ملول نہیں ہوتی ۔

یعنی قرآن مجید فرقان حمید کے لطائف اور عجائبات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا شمار ناممکنات میں سے ہے اور جس قدر آیات قرآنیہ میں غور وفکر کیا جائے لطائف و معارف کھلتے جاتے ہیں اور جس قدر زیادہ تلاوت کی جائے اسکی حلاوت بڑھتی جاتی ہے اور دل میں تنگی محسوس نہیں ہوتی ۔قرآن مجید فرقان حمید کے علاوہ دنیا کی کوئی کتاب اگر ایک بار پڑھ لی جائے تو دوبارہ وہ کتاب پڑھنے کو جی نہیں چاہتا اور اگر بامر مجبوری وہ کتاب دوبارہ کسی مقصد کے لئے پڑھی جاوے تو طبیعت میں گھٹن سی محسوس ہوتی ہے مگر یہ اعجاز قرآن ہے کہ اسے جتنا پڑھا جائے اتنی حلاوت نصیب ہوتی ہے اور ہر دفعہ الگ الگ کیف ونشاط حاصل ہوتا ہے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام ہے ۔مولود کعبہ فاتح خیبر جناب امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے حضور باعث تخلیق کائنات فخر موجودات سرور عالم حضرت محمد مصطفی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ جس شخص نے قرآن پڑھا پھر اس کو حفظ یاد کیا اور اس کے حلال کو حلال جانا اور حرام کو حرام ۔حق تعالیٰ شانہٗ اس کو جنت میں داخل فرمادیں گے اور اس کے گھرانے میں سے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اسکی شفاعت قبول فرمادیں گے جن کے لئے جہنم واجب ہو چکی ہو ۔" جزی اللہ عنا محمداً ماھو اھلہٗ۔

قَرَّتْ بِہاَ عَیْنُ قَارِیْہاَ فَقُلْتُ لَہٗ
لَقَدْ ظَفِرْتَ بِحَبْلِ اللّٰہِ فَا عْتَصِمِ

قرآن مجید کے پڑھنے سے پڑھنے والے کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں اور میں اسے کہتا ہوں کہ تو کامیاب ہو گیا اور اللہ کی اس رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہ ۔

یعنی قرآن مجید کی تلاوت سے ایسی روحانی حلاوت نصیب ہوتی ہے کہ تلاوت کرنے والا مسرور و محظوظ ہوتا ہے اور ایک عجیب سے وجدانی کیفیت طاری ہوتی ہے چونکہ تلاوت قرآن حکیم باعث نجات ہے اس لئے امام بوصیریؒ قاریٔ قرآن کو مبارک باد پیش کرتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ ایسا شخص کامیاب و کامران ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے اس کو نہایت مضبوطی سے پکڑے رہنا چاہیئے۔ جتنا قرآن سے تمسک رہے گا اتنا زیادہ دارین میں ترقی ہوگی اور سرورکون و مکان ﷺ نے خطبہ غدیر خم میں نہایت اہتمام کے ساتھ یعنی جو لوگ قافلہ میں آگے تھے انہیں واپس بلوا گیا قافلہ کے پیچھے رہ جانے والوں کا انتظار کرا کے وصیت فرمائی کہ خبردار میں تم میں دو مضبوط چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ایک اللہ کی کتاب قرآن مجید اور دوسرے میری عترت اہل بیت۔ جب تک تم انہیں مضبوطی سے پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ گویا قرآن حکیم اور اہل بیت نبویؐ سے وابستگی ہی ضامن ہدایت ہے اور ان سے تمسک موجب نجات اور ان سے دوری موجب ضلالت و گمراہی اور باعث ذلت و رسوائی اللہ ہم سب مسلمانوں کو اخلاص کے ساتھ قرآن حکیم اور عترت آلِ رسول سے وابستگی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

اِنْ تَتْلُهَا خِيفَةً مِّنْ حَرِّ نَارِ لَظٰی
اَطْفَأْتَ حَرَّ لَظٰی مِنْ وِّرْدِهَا الشِّيَمِ

اگر تو ان آیاتِ قرآنیہ کو آتش دوزخ کے خوف سے تلاوت کرے گا تو ان آیات مبارکہ کے ٹھنڈے چشمے آتش جہنم کو بجھا دیں گے۔

یعنی قرآن مجید فرقان حمید کی تلاوت باعث نجات آتش جہنم ہے اس شعر میں لفظ لظٰی جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور اس کے استعمال سے مراد شدید ترین گرمی ہے یعنی سخت گرم ترین جہنم اور لفظ شیم بمعنی بارد یعنی دافع حرارت و گرمی استعمال ہوا ہے مراد یہ ہے تلاوت قرآن حکیم سے جہنم کی شدید ترین گرمی سے بچا جا سکتا ہے۔ جو لوگ بچپن میں قرآن شریف سیکھتے ہیں اور بڑے ہو کر اس کی تلاوت کا اہتمام کرتے ہیں وہ قیامت کے ہولناک دن میں عرش کے سایہ کے نیچے رہیں گے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص ایک حرف کتاب اللہ کا پڑھے اس کے لئے اس حرف کے عوض ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا اجر دس نیکی کے برابر ملتا ہے میں یہ نہیں کہتا کہ سارا الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف۔ لام ایک حرف۔ میم ایک حرف۔ یعنی تلاوت قرآن حکیم میں ہر ہر حرف ایک ایک نیکی شمار کی

جاتی ہے اور ہر نیکی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس نیکی کے بقدر اجر ملتا ہے۔ اور تلاوت قرآن حکیم کا دیگر اذکار سے افضل ہونا ظاہر ہے۔ اور یہ اس لئے بھی ہے کہ یہ کلام الٰہی ہے اور اللہ کے کلام کو اوروں کے کلام پر وہی فضیلت ہے جو اللہ تعالیٰ کو مخلوق پر فضیلت ہے اور ذکر اللہ افضل ہے صدقہ سے اور صدقہ افضل ہے روزہ سے اور جب روزہ آگ سے بچاؤ ہے تو پھر تلاوت قرآن حکیم بدرجہ اولیٰ آگ سے بچاؤ کا ذریعہ ہے جن لوگوں نے قرآن مجید سیکھا اور لوگوں کو سکھایا اخلاص سے قرآن کا حق ادا کیا اس پر عمل کیا قرآن مجید قیامت کے دن اللہ جل جلالہ کے دربار عالی میں ایسے لوگوں کو شفاعت کرے گا اور ان کے درجے بلند کرائے گا۔ ملا علی قاریؒ نے بروایت ترمذی نقل کیا ہے کہ قرآن شریف بارگاہ الٰہی میں عرض کرے گا کہ اس کو جوڑا مرحمت فرمائیں تو اللہ جل شانہٗ کرامت کا تاج مرحمت فرمائیں گے اور حضرت جابرؓ نے حضور سرور کونین ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ قرآن مجید ایک شفیع ہے جس کی شفاعت قبول کی گئی۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور انور ﷺ کو اطلاع دی کہ بہت سے فتنے ظاہر ہوں گے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ ان سے خلاصی کی کیا صورت ہے انہوں نے کہا کہ قرآن شریف۔ یعنی قرآن مجید کی تلاوت کی برکت سے فتنوں سے بھی خلاصی حاصل ہوتی ہے اور ہوگی اور جیسا کہ فتنہ خروج دجال وغیرہ بھی علماء نے بتلایا ہے۔ جزی اللہ عنا محمداً ما ھو اھلہٗ۔

كَاَنَّهَا الْحَوْضُ تَبْيَضُّ الْوُجُوْهُ بِهٖ
مِنَ الْعُصَاةِ وَقَدْ جَآءُ وْهُ كَا لْحُمَمِ

گویا آیات قرآنیہ حوض کوثر کی مانند ہیں جس میں غسل کرنے سے گناہ گاروں کے جھلسے ہوئے چہرے سفید اور اجلے ہو جاتے ہیں۔

یعنی جب قرآن مجید فرقان حمید کی تلاوت کی جاتی ہے اور ان پر عمل کیا جاتا ہے تو گناہوں کی سیاہی زائل ہو جاتی ہے اور مسلمانوں کے قلوب مثل آفتاب روشن اور چمکدار ہو جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضور سرور کائنات ﷺ سے نقل کیا ہے کہ دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے جیسا کہ لوہے کو پانی لگنے سے زنگ لگتا ہے پوچھا گیا کہ حضورؐ ان کی صفائی کی کیا صورت ہے آپؐ نے فرمایا کہ موت کو اکثر یاد کرنا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔ یعنی گناہوں کی کثرت اور حق تعالیٰ شانہٗ کی یاد سے غفلت کی وجہ سے دلوں پر بھی زنگ لگ جاتا ہے اور تلاوت قرآن حکیم اور موت کی یاد یہ زنگ صاف کر دیتی ہے۔ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ اس کے قلب میں پڑ جاتا ہے اگر وہ سچی توبہ کر لیتا ہے تو وہ نقطہ زائل ہو جاتا ہے اور اگر

دوسرا گناہ کر لیتا ہے تو دوسرا نقطہ پیدا ہو جاتا ہے اس طرح سے اگر گناہوں میں بڑھتا رہتا ہے تو شدہ شدہ ان نقطوں کی کثرت سے دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے پھر اس قلب میں خیر کی رغبت ہی نہیں رہتی بلکہ شر ہی کی طرف مائل ہوتا ہے۔" اللھم احفظنا منہ۔ اس طرف قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ میں اشارہ ہے:

"کلا بل ران علیٰ قلوبھم ما کانوا یکسبون" (بے شک ان کے قلوب پر زنگ جما دیا ان کی بدا عمالیوں نے)۔

شعر کے شروع میں حوض سے مراد حوض کوثر اور اس سے تشبیہ مجازاً دی گئی ہے کیونکہ کوثر وصف ہے جو کثرت سے لیا گیا ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جب سورہ کوثر نازل ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور اس سورہ کی تلاوت فرمائی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین نے عرض کیا یہ کیا چیز ہے جو خدا نے آپ کو عطا فرمائی ہے آپؐ نے فرمایا کہ یہ جنت میں ایک نہر ہے جو دودھ سے زیادہ سفید اور بلور سے زیادہ صاف ہے اور اس کے اطراف میں در و یاقوت کے قبے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک حوض کوثر میدان حشر میں ہوگی اور مومنین جنت میں داخل ہوتے وقت اس سے سیراب ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ علی ابن ابی طالبؓ قیامت کے روز میرے حوض کے صاحب ہوں گے اور اس پر پیالے آسمان کے ستاروں کی تعداد کے برابر ہوں گے اور میرے حوض کی وسعت جابیہ سے صنعاء تک ہوگی۔ اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے اے علیؑ تیرے پاس قیامت کے روز جنت کے عصاؤں میں سے ایک عصا ہوگا تو منافقوں کو اس کے ساتھ حوض سے ہانکے گا۔ اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے ہی روایت ہے کہ بہ تحقیق جناب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں گمان کرتا ہوں کہ میں پکارا جاؤں گا اور میں اجابت کہوں گا اور میں تم میں دو بڑی چیزیں چھوڑنے والا ہوں اگر تم نے اس سے تمسک کیا تو میرے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے ایک اللہ کی کتاب ہے جو آسمان سے ایک دراز رسی اتری ہے اور دوسری میرے خویش اہل بیت ہیں مجھے اللہ لطیف وخبیر نے خبر دی ہے کہ یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے جب تک حوض پر وارد نہ ہوں اور حضرت ابو ذر غفاریؓ کعبہ شریف کے دروازہ کا حلقہ پکڑے ہوئے کہہ رہے تھے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ میں دو بھاری چیزیں چھوڑنے والا ہوں کتاب اللہ اور میری عترت پس بتحقیق وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے جب تک حوض کوثر پر وارد نہ ہوں پس دیکھو کہ تم ان دونوں سے میرے بعد کیسا برتاؤ کرتے ہو۔ یعنی قرآن مجید اور اہل بیت عظام دونوں باہم ملے ہوئے ہیں اور دونوں سے تمسک ہی حوض کوثر پر پہنچنے میں

ممد و معاون ہو گا اور حوضِ کوثر سے گنہگاروں کو شفا حاصل ہو گی اور ان کے چہرے سفید ہوں گے اور اجلے چہروں کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے۔

وَكَا لصِّرَاطِ وَكَا لْمِيْزَانِ مَعْدِلَةً
فَا لْقِسْطُ مِنْ غَيْرِ هَا فِى النَّاسِ لَمْ يَقُمِ

اور قرآن مجید کی آیات مثل پل صراط اور مثل میزان عدل کے ہیں اور ان کے بغیر لوگوں میں عدل و انصاف قائم نہیں رہ سکتا۔

صراط ایک پل ہے جو جہنم کے اوپر ہے اولین و آخرین مومنین و کفار اس کو عبور کریں گے۔ انبیاء و صلحاء اور مومنین بجلی کی تیزی سے اس پل پر سے گزر جائیں گے۔ حضرت عمرؓ حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب یعنی قرآن مجید کی وجہ سے کتنے ہی لوگوں کو بلند مرتبہ کرتا ہے اور کتنے ہی لوگوں کو پست اور ذلیل کرتا ہے۔ یعنی جو لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں اللہ جل شانہٗ ان کو دنیا و آخرت میں رفعت و عزت عطا فرماتے ہیں اور جو اس پر عمل نہیں کرتے حق تعالیٰ سبحانہٗ ان کو ذلیل کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی آیات سے بھی یہ مضمون ثابت ہوتا ہے چنانچہ ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''یضل بہ کثیرًا و یھدی بہ کثیرا۔ حق تعالیٰ شانہٗ اس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ہدایت فرماتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو گمراہ۔ حضور صادق المصدوق ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ اس امت کے بہت سے منافق قاری ہوں گے۔ علماء نے ایسے منافق قاریوں سے نواصب و خوارج مراد لئے ہیں جن کے بارہ میں حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا ہے کہ ان کے نماز روزہ کے مقابل تم کو اپنے نماز روزہ حقیر معلوم ہوں گے۔ وہ لوگ قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن گلے سے نیچے نہ اترے گا مذہب کے دائرہ سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر نشانہ کے پار نکل جاتا ہے۔ اسی طرح جناب صادق المصدوق ﷺ نے خوارج کے متعلق جو متعدد پیش گوئیاں فرمائی ہیں ان میں ایک حدیث یہ ہے کہ ''خارجی آگ کے کتے ہیں'' گویا قرآن مجید فرقان حمید ایمان اور کفر و نفاق ناپنے کا صحیح میزان ہے بعض مشائخ سے احیاء میں نقل کیا گیا ہے کہ بندہ ایک سورت کلام پاک کی شروع کرتا ہے تو ملائکہ اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ فارغ ہو اور دوسرا شخص ایک سورت شروع کرتا ہے تو ملائکہ اس کے ختم ہونے تک اس پر لعنت کرتے ہیں۔ بعض علماء سے منقول ہے کہ:

آدمی تلاوت کرتا ہے اور خود اپنے اوپر لعنت کرتا ہے اور اس کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ قرآن شریف

میں پڑھتا ہے۔ الالعنت اللہ علی الظلمین اور خود ظالم ہونے کی وجہ سے اس وعید میں داخل ہوتا ہے کہ اس طرح پڑھتا ہے۔ لعنت اللہ علی الکذ بین اور خود جھوٹا ہونے کی وجہ سے اس کا مستحق ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قرآن مجید صرف امثال وقصص کی کتاب نہیں ہے بلکہ شخصی اور اجتماعی زندگی کا ایک مکمل دستور العمل بھی ہے اور قرآنی احکامات پر عمل درآمد ہی سے معاشرہ میں عدل وانصاف کا نظام قائم ہوسکتا ہے۔

لَا تَعۡجَبَنۡ لِحُسُوۡدٍ رَاحَ يُنۡكِرُهَا
تَجَاهُلاً وَّهُوَ عَيۡنُ الۡحَاذِقِ الۡفَهِمِ

اگر حاسد دانا اور سمجھ دار ہو کر بھی دیدہ و دانستہ قرآن مجید کے فضائل کا انکار کرے تو اس انکار پر تعجب نہ کرنا چاہیے

یعنی قرآن حکیم گوناگوں فضائل واعجاز پر مشتمل ہے مگر کوئی کورچشم اور بدبخت تجاہل عارفانہ سے اس کا انکار کرے تو اس کا تعجب نہ کرنا چاہیے۔ اب موجودہ زمانے میں اہل مغرب مصنفین قرآن کے نظام حیات اور نظام عدل وانصاف پر شدید ترین اعتراض کرتے ہیں اور احکام قرآنیہ کے مقابلہ میں اپنے محدود عقل کو کام میں لاتے ہیں مگر حقیقت میں قرآن وسنت کا کوئی حکم عقل سلیم کے مخالف نہیں ہے لیکن سب سے پہلے متعین کرنے کی بات یہ ہے کہ اس تمام دنیا میں ہر انسان کی عقل دوسرے انسان سے مختلف ہوتی ہے لہٰذا کسی اچھے اور برے کی تمیز کے لئے کون سی عقل کو بنیاد بنایا جائے۔ اگر دنیا کے تمام معاملات کا فیصلہ اور قانون سازی خالص عقل کی بنیاد پر کی جانے لگے تو انسانیت کی تباہی یقینی ہے اور اگر انسانی عقل کو قرآنی حدود وقیود سے آزاد کر دیا جائے تو اس سے وہ پیش پا افتادہ اخلاقی مسلمات اور حقائق بھی ثابت نہیں ہو سکتے۔ جنہیں ایک شریف بچہ بھی درست سمجھتا ہے۔ کیونکہ عقل درحقیقت انسانی جذبات کی غلام ہے اور وحی الٰہی کی غلامی سے آزاد ہونے کے بعد عقل انسان کو جہالت کے تاریک غاروں میں دھکیل دیتی ہے جہاں رشد و ہدایت کی کوئی کرن بھی نہیں پڑتی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ " ومن اضل ممن اتبع ھواہ بغیر ھدی من اللہ "۔ اور اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش نفس کی پیروی کرے (القصص: ۵۰) اسلام کی اصل بنیاد اس عقل پر نہیں جو خواہشات کی غلام ہو بلکہ اس عقل پر ہے جو اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی ہدایت اور قرآنی احکامات کی پابند ہو۔ اور قرآن حکیم کی تصریح کے مطابق انسانی زندگی کا مقصد " اللہ کی بندگی " ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"وماخلقت الجن والانس الالیعبدون" اور میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری بندگی کریں۔اب اس بندگی کا طریقہ بھی قرآن حکیم نے واضح فرما دیا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ؐ کے مکمل اتباع ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے" فامنوا باللہ ورسولہ النبی الامی الذی یومن باللہ وکلماتہٖ واتبعوہ" پس تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ جو امی ہیں اور خود اللہ پر اور اس کی باتوں پر ایمان رکھتاہے اور اس کی اتباع کرو

اور جب بندے کا کام ہی اللہ اور اس کے رسول ؐ کی اتباع ہو تو انسان کو اللہ اور اس کے رسول ؐ کا حکم آنے پر سر تسلیم خم کر دینا چاہیے اور اپنی ناقص عقل کے گھوڑے نہیں دوڑانے چاہییں اور نہ کسی حکم کی علت معلوم کرنا چاہیئے کہ ایسا کیوں ہے۔بس یہ سمجھے کہ یہ خدا اور اسکے پیارے حبیب ؐ کا حکم ہے۔

قَدْ تُنْكِرُ الْعَيْنُ ضَوْءَ الشَّمْسِ مِنْ رَمَدٍ
وَيُنْكِرُ الْفَمُ طَعْمَ الْمَآءِ مِنْ سَقَمٍ

کبھی آنکھ آشوب چشم کے باعث سورج کی روشنی کو برا سمجھتی ہے اور کبھی منہ بیماری کی وجہ سے پانی کا ذائقہ برا سمجھتا ہے۔

یعنی جب آنکھیں آشوب چشم وغیرہ میں مبتلا ہوں تو سورج کی روشنی تکلیف دہ محسوس ہوتی ہے اور بری لگتی ہے اور اسی طرح بیماری اور بخار کی وجہ سے منہ کا ذائقہ خراب ہو جاتا ہے اور پانی کا ذائقہ بھی کڑوا محسوس ہوتا ہے۔ جب آدمی حالت بیماری میں عمدہ ومفید واشیاء کو مضر اور برا سمجھنے لگے تو کیا تعجب ہے اور اس طرح جب کوئی روحانی بیمار قرآن وسنت سے اعراض کرنے لگے اور قرآن مجید کے فضائل وخواص کا انکار کرے یا باعثِ تخلیق کائنات محبوب رب العالمین ﷺ کی عظمت وجلالت کا انکار کرے تو ایسے بد بخت اور کور باطن پر کیا تعجب کیا جا سکتا ہے۔کیونکہ عظمت قرآن اور عظمت رسول ؐ ہی ایمان کا معیار ہیں اور جب خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید اور اپنے پاک حبیب ﷺ میں کوئی نقص پیدا ہی نہیں کیا تو پھر عظمت رسول ؐ کو کم کرنے کی مردود کوشش کیوں کی جائے بلکہ حق تو یہ ہے کہ ہر وقت عظمتِ قرآن وعظمت رسول ؐ کے گن گائے جائیں۔اور اپنی تمام تر عقیدتوں محبتوں کا محور اور مرکز کلام اللہ شریف اور پیغمبر اعظم وآخر ﷺ کی ذات بابرکات کو بنایا جائے۔

يَا خَيْرَ مَنْ يَمَّمَ الْعَافُوْنَ سَاحَتَهٗ
سَعْيًا وَفَوْقَ مُتُوْنِ الْاَيْنُقِ الرُّسُمِ

اے ذات عالی جس کے در پر حاجت مند لوگ دوڑتے ہوئے اور مصیبت زدہ لوگ ناقوں پر

بیٹھے حاضر ہوتے ہیں۔

یعنی اے حبیب خدا اے سرورِ عالم اے رحمت اللعالمین اے امام الانبیاء والمرسلین اور اے آقائے جن وانس وآقائے دو جہان ﷺ جن کے در اقدس پر دنیا کے تمام حاجت مند اور مصیبت زدہ لوگ دوڑتے ہوئے اور گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہو کر نیل مراد کے لئے پے در پے حاضر ہو رہے ہیں۔ مولائے کائنات پروردۂ رسولؐ جناب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی عادات مبارکہ وشمائل طیبہ بیان فرماتے تو کہا کرتے تھے کہ آپ ہاتھ کے سب سے زیادہ سخی۔ دل کے سب سے زیادہ وسیع۔ زبان کے سب سے زیادہ وفا کرنے والے تھے۔ سب سے زیادہ نرم اور خاندان کے اعتبار سے سب سے زیادہ شریف تھے جو شخص دفعتاً آپ کو دیکھتا تو اس پر رعب و ہیبت طاری ہو جاتی جو آپ کے ساتھ ملتا اور صحبت میں رہتا تو آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ آپ کا حال بیان کرنے والا اجمالاً اتنا ہی کہہ سکتا ہے کہ میں نے آپؐ سے پہلے آپؐ کی مانند کسی کو دیکھا نہ آپؐ کے بعد۔ امام بخاریؒ نے مرفوعاً روایت کی ہے کہ ہادی عالم ﷺ نے فرمایا "انما انا قاسم واللہ معطی" میں عطاؤں کو تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے حضرت ابن عباسؓ جناب امام الانبیاء ﷺ کے جود وسخا اور شان عطا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ لوگوں کو بھلائی پہنچانے میں ساری دنیا سے زیادہ سخی تھے اور رمضان المبارک میں حضور پرنور ﷺ کی شان جود وکرم نرالی ہوا کرتی تھی۔ حضور پرنور ﷺ کی جب جبرئیل آمین سے ملاقات ہوئی تو آپ کی سخاوت کا یہ عالم ہوتا کہ جیسے تیز ہوا چلتی ہے۔ حضور ﷺ کی عطاؤں کا شمار ناممکنات میں سے ہے۔ یہ عطائیں تو اس جہان فانی میں ہیں، حضور ﷺ کی عطائیں اور جود وسخا تو عالم برزخ یوم محشر اور جنت میں بھی اسی طرح جاری وساری رہیں گے حضرت عتبیٰ فرماتے ہیں کہ میں سرور دو عالم ﷺ کے مزار پر انوار کے پاس بیٹھا تھا ایک اعرابی حاضر ہوا اس نے عرض کی السلام علیک یا رسول اللہ میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی سنا ہے ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جآؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیماً۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے (اے میرے حبیبؐ) کہ وہ تیری بارگاہ میں حاضر ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کریں اور اللہ کا رسولؐ بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کو وہ توبہ قبول کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا پائیں گے۔ یا رسول اللہؐ! میں اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرنے کے لئے حضورؐ کے قدموں میں حاضر ہوا ہوں۔ میں حضورؐ کو اللہ کی بارگاہ میں اپنا شفیع پیش کرتا ہوں اور پھر یہ شعر پڑھے:-

اے ان لوگوں سے بہتر جو زمین میں مدفون ہیں اور جس کی خوشبو سے جنگل و ٹیلے سب مہک رہے ہیں۔ میری جان اس مزار پر انوار پر فدا ہو جائے جس میں حضورؐ سکونت پذیر ہیں۔ اس میں عفت و پاکدامنی ہے اور اس میں وہ شخصیت ہے جو جود و کرم کا پیکر ہے۔

یہ عرض کرنے کے بعد وہ اعرابی چلا گیا اور مجھے نیند آ گئی۔ میں نے نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ حضورؐ نے فرمایا اے عتبیٰ! دوڑو اور اس اعرابی کو جا کر یہ مژدہ سناؤ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔ اسی طرح علامہ سخاویؒ نے متعدد واقعات لکھے ہیں جن میں ہر بار سرور کونین ﷺ نے اپنے امتیوں پر نظر شفقت فرمائی۔ یوم محشر میں بھی حضور ﷺ کی عطاؤں کے سبب ہی اس دن کے معاملات طے ہوں گے اور شفاعت کبریٰ سے ہی نجات مل سکے۔

وَمَنْ هُوَ الْاٰ يَةُ الْكُبْرٰى لِمُعْتَبِرٍ
وَمَنْ هُوَ النِّعْمَةُ الْعُظْمٰى لِمُغْتَنِمٍ

اے وہ ذات اقدسؐ جو نصیحت پکڑنے والے کے لئے بہت بڑی نشانی ہے اور بہت ہی بڑی نعمت ہے اس شخص کے لئے جو اس نعمت عظمیٰ کو غنیمت جانے۔

یعنی حضور اقدس ﷺ کی ذات بابرکات اور وجود مسعود ہدایت قبول کرنے والوں کے لئے آیت کبریٰ ہے اور قدر و منزلت سمجھنے والوں کے لئے نعمتِ عظمیٰ ہے۔ اور نعمت عظمیٰ بھی دنیا و آخرت دونوں کے لئے ہے کیونکہ خود مالک و خالق کائنات رب السموٰت والارض جل جلالہٗ کا ارشاد ہے کہ لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلو علیھم اٰیتہٖ و یزکیھم و یعلمھم الکتٰب و الحکمۃ۔ حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جبکہ ان میں انہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو (جہالت سے) پاک کرتے ہیں۔ اور ان کو قرآن مجید اور حکمت کی باتیں بتاتے رہتے ہیں (سورہ آل عمران) اور اس حد درجہ رحمٰن و رحیم پروردگار نے یہ بھی فرمایا وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین۔ اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ (سورہ الانبیاء) حضرت ابو بکر محمد بن طاہر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو رحمت کی زینت سے سراپا مزین فرمایا ہے۔ آپؐ کو رحمت کا ایسا پتلا بنایا گیا ہے جس کے جملہ شمائل و صفات مخلوق خدا کے لئے رحمت ہی رحمت ہیں۔ ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیراً و نذیراً۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام انسانوں کی طرف بشیر اور

نذیر بنا کر۔ (سورہ سبأ)

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس اس لئے بھی نعمت عظمیٰ ہے کہ وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم ۔اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک تم ان میں تشریف فرما ہو۔قاضی ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند سے حدیث بیان فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے مجھ پر دو آیتیں امان والی نازل فرمائی ہیں ۔ وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم الخ جب میں امت سے پوشیدہ ہو جاؤں گا تو ان کے لئے استغفار چھوڑ جاؤں گا اور ایسا ہی مژدہ جانفزا اس آیۂ کریمہ نے سنایا۔

وما ارسلنٰک الا رحمۃً للعالمین۔

سَرَیْتَ مِنْ حَرَمٍ لَیْلاً اِلیٰ حَرَمٍ
كَمَا سَرٰی الْبَدْرُ فِیْ دَاجٍ مِّنَ الظُّلَمِ

آپؐ نے ایک رات میں حرم کعبہ شریف سے حرم مسجد اقصیٰ تک سفر کیا جیسے چاند تاریکی کے پردہ میں نہایت درخشانی سے سفر کرتا ہے۔

یعنی امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات میں حرم کعبہ سے مسجد اقصیٰ تک سفر کیا جو کہ چالیس روز کا سفر ہے اور یہ سفر مبارک آپ نے نہایت سرعت میں کمال نورانیت سے طے کیا۔اس شعر میں امام بوصیریؒ نے واقعہ معراج اعظم کی طرف اشارہ کیا ہے چونکہ حضور سرور کون ومکان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چونتیس بار معراج ہوئی ان میں ایک مع جسم مبارک کے حالت بیداری میں ہوئی باقی روحانی ہوئیں۔قرآن مجید فرقان حمید میں بھی اسی معراج اعظم کو یوں بیان فرمایا گیا ہے۔سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بٰرکنا حولہ لنریہ من اٰیتنا انہ ھو السمیع البصیر۔(سورہ بنی اسرائیل) پاک ومنزہ ہے وہ اللہ جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گیا جس کا ماحول پر برکت ہے تاکہ ہم اسے اپنی نشانیاں دکھلائیں۔یقیناً وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔اس سورت کی پہلی آیت میں" اسراء" کا ذکر ہے راتوں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کا جو سفر نبی آخری الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا اس کا ذکر ہے یہ سفر معراج اعظم کا مقدمہ بنا اور یہ سفر جو رات کے بہت قلیل حصہ میں مکمل ہوا کم از کم اس زمانے کے حالات، راستوں اور معمولات کے لحاظ سے کسی طرح بھی ممکن نہ تھا یہ بالکل اعجاز آمیز اور غیر معمولی تھا۔پہلے فرمایا گیا کہ منزہ ہے اللہ جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گیا۔رات کی یہ غیر معمولی سیر اس لئے کی تاکہ ہم اسے اپنی عظمت کی نشانیاں دکھائیں آخر آیت میں فرمایا گیا اللہ سننے والا دیکھنے والا

ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اگر اللہ نے اپنے پیارے حبیب کو اس افتخار کے لئے چنا ہے تو یہ بلا وجہ نہیں ہے۔معراجِ اعظم کے دوسرے قصہ کا بیان سورہ نجم کی آیت ۱۳ تا ۱۸ میں کیا گیا ہے۔ولقد راٰہ نزلۃً اخریٰ عند سدرۃ المنتھٰی عندھا جنۃ الماویٰ اذ یغشی السدرۃ مایغشی مازاغ البصر وماطغیٰ لقد راٰی من اٰیات ربہ الکبریٰ۔ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ رسو اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اس کی اصلی صورت میں دوسری مرتبہ دیکھا۔یہ ملاقات بہشت جاوداں کے پاس ہوئی یہ منظر دیکھتے ہوئے ﷺ رسول اللہ کسی اشتباہ کا شکار نہ تھے آپؐ نے عظمت الٰہی کی عظیم نشانیاں مشاہدہ فرمائیں۔یہ آیات مبارکہ نشان دہی فرماتی ہیں کہ یہ واقعہ عالم بیداری میں پیش آیا خصوصاً "مازاغ البصر وماطغیٰ" اس امر کا شاہد ہے۔لہٰذا جن لوگوں نے معراج جسمانی کا انکار کیا وہ صحیح نہیں اور انکی مرویات بذات خود محل اشکال ہیں اور ظاہراً سیاسی پہلو رکھتی ہیں کیونکہ ۴۵ صحابہ کرام سے اسراء کا قصہ مروی ہے حضرت ابو ذرؓ بیان کرتے تھے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (ایک شب) میرے گھر کی چھت پھٹ گئی اور میں مکہ میں تھا پھر جبرائیل علیہ السلام اترے اور انہوں نے میرے سینے کو چاک کیا پھر اسے زم زم کے پانی سے دھویا پھر ایک طشت سونے کا حکمت و ایمان سے بھرا ہوا لائے اور اسے میرے سینے میں ڈال دیا پھر سینہ کو بند کر دیا اور اس کے بعد میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے آسمان پر چڑھا لے گئے جب میں دنیا کے آسمان پر پہنچا تو جبرئیل علیہ السلام نے آسمان کے داروغہ سے کہا کہ (دروازہ) کھول دے اس نے کہا کون ہے وہ بولے جبرئیل ہے پھر اس نے کہا کیا تمھارے ساتھ کوئی (اور بھی) ہے جبرئیل نے کہا ہاں میرے ہمراہ محمدؐ ہیں اس نے کہا کیا وہ بلائے گئے ہیں جبرئیلؑ نے کہا ہاں! جب دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر چڑھے یکا یک ایک ایسے شخص پر نظر پڑی جو بیٹھا ہوا تھا اس کے داہنے جانب کچھ پرچھائیاں اور اس کے بائیں جانب کچھ پرچھائیاں تھیں جب وہ اپنی داہنی جانب دیکھتے تو ہنس دیتے اور جب بائیں جانب دیکھتے تو رو دیتے تھے انہوں نے مجھے دیکھ کر کہا کہ مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح۔میں نے جبرئیل سے پوچھا یہ کون ہیں۔انہوں نے کہا یہ آدم ہیں اور دائیں بائیں ان کی اولاد کی روحیں ہیں داہنی جانب جنت والے ہیں اور بائیں جانب دوزخ والے۔اسی سبب سے جب وہ داہنی طرف نظر کرتے ہیں تو ہنس دیتے ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں تو رونے لگتے ہیں۔یہاں تک کہ مجھے دوسرے آسمان تک لے گئے پھر اس کا دروازہ کھول دیا گیا۔حضرت انسؓ کہتے ہیں اور ابو ذرؓ نے ذکر کیا کہ آپ نے آسمانوں میں حضرت آدمؑ۔حضرت ادریسؑ۔حضرت موسیٰؑ۔حضرت عیسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ کو پایا۔حضرت آدمؑ کو آسمان دنیا میں اور حضرت ابراہیمؑ کو چھٹے آسمان میں پایا۔جب میں

حضرت ابرہیمؑ کے پاس سے گزرا تو انہوں کہا مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح میں نے پوچھا یہ کون ہیں جبرئیل نے کہا یہ ابراہیمؑ ہیں۔ پھر مجھے اور اوپر چڑھایا گیا یہاں تک کہ سدرۃ المنتھیٰ پہنچایا گیا اور اس پر بہت سے رنگ چھا رہے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ جب براق پر سوار ہوئے تو اسکی رکاب حضرت جبرئیلؑ نے باگ حضرت میکائیلؑ نے تھامی ہوئی تھی براق پر سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ بیت المقدس پہنچے براق اس قلابہ سے باندھ دیا گیا جہاں پہلے انبیاءؑ باندھا کرتے تھے حضور اکرم ﷺ مسجد اقصیٰ کے اندر داخل ہوئے اور آپ کے لئے حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک سب انبیاء مع اجسام وارواح حاضر تھے آپ نے ان سب کو نماز پڑھائی یعنی امامت فرمائی اور وہاں سے فارغ ہونے کے بعد آسمان پر تشریف لے گئے اور ہر ہر آسمان پر دو دو رکعتیں پڑھیں جن میں آپ نے فرشتوں کی امامت فرمائی۔ آسمانوں پر پہنچ کر انبیاءؑ سے ملاقاتیں بھی ہوئیں۔ ساتوں آسمانوں کی معراج اور ان کے ملکوت و آیات مشاہدہ کرنے اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی ملاقاتوں کے بعد سدرۃ المنتھیٰ تک تشریف لے گئے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ پھر حضرت جبرئیل مجھے سدرۃ المنتھیٰ کی طرف لے گئے جو رنگا رنگ تجلیات سے ڈھانپا ہوا تھا کسی کی طاقت نہیں کہ ان تجلیات کی حقیقت کا ادراک کرسکے۔ اور حضور امام الانبیاء ﷺ کے سوا کوئی اس سے آگے نہ جاسکا حتیٰ کہ فرشتوں کو بھی اس سے اوپر کی معلومات حاصل نہیں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ واپسی میں آسمانوں سے انبیاءؑ بھی آپؐ کے ساتھ اترے ہیں اور صبح کی نماز میں آپؐ نے امامت فرمائی۔

وَبِتَّ تَرْقٰی اِلٰی اَنْ نِّلْتَ مَنْزِلَۃً
مِنْ قَابَ قَوْسَیْنِ لَمْ تُدْرَکْ وَلَمْ تُرَمِ

اور رات میں آپؐ ترقی کی اس منزل پر پہنچے جس منزل تک کوئی نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی اس منزل و مقام تک پہنچنے کی آرزو کرسکتا ہے۔

یعنی معراج اعظم کی رات جناب خلاصہ کائنات فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والتحیات نے وہ مرتبہ کمال اور قرب الٰہی حاصل فرمایا جس کو کوئی دوسرا مقربان بارگاہ خداوندی بھی حاصل نہ کرسکا اور اس مرتبہ کا بسبب غایت رفعت کسی نے بھی آرزو ہی نہ کی۔ ”قاب“ اندازہ کے معنی میں ہے اور ”قوس“ کمان کے معنی میں اور اس بنا پر قوسین کمان کے ٹیڑھے حصوں کے مجموعے کے معنی میں ہے اور یہاں قاب قوسین انتہائی نزدیک اور انتہائی قریب کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور محسن انسانیت ﷺ فرماتے ہیں کہ جب میں آسمان پر معراج کے لئے گیا تو اپنے پروردگار کی ساحت

قدس سے اتنا قریب ہوا کہ میرے اور اس کے درمیان دو کمانوں کا یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ یہاں قرب زمانی و مکانی مراد نہیں ہے بلکہ نبوت کی قربت شان کبریائی یا شان عظمت الٰہی کے قریب ہوگئی دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ جناب رسول خداؐ کی منزلت اور قرب معنوی اور مرتبہ نبوت اتنا بلند ہوا کہ شان و عظمت الٰہی کے نزدیک ہوگئے اور ابوالحسن بن غالب نے اس بارے میں ان احادیث کے متعلق گفتگو کی ہے جن میں سات ہزار سات سو ستر حجاب کا ذکر ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ راوی ہیں کہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واقعہ اسراء کے آغاز کے بعد فرمایا کہ جبرئیل آئے خدا کی طرف سے جو میرے سفیر تھے یہاں تک کہ وہ ایک مقام پر جا کر رک گئے میں نے کہا اے جبرئیل یہ وہ مقام ہے جہاں دوست دوست کو چھوڑ دیتا ہے انہوں نے کہا کہ اگر میں اس مقام سے آگے بڑھوں تو خدائی نور مجھے جلا دے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا پھر مجھے نور میں زبردست غوطہ دیا گیا تو یوں ستر ہزار حجاب جل گئے اور پھر ملائے اعلیٰ سے آواز آئی اے تمام مخلوقات سے بہتر آگے آئیے اے احمدؐ۔ اے محمدؐ آگے آئیے قریب آجائیے تاکہ محبوب نزدیک تر آجائے میں قریب ہو گیا اور حالت یہ ہوگئی کہ ثم دنا فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔

وَقَدَّمَتْكَ جَمِيعُ الْاَنْبِيَآءِ بِهَا
وَالرُّسُلِ تَقْدِيمَ مَخْدُومٍ عَلٰى خَدَمٖ

آپ کو تمام انبیاء و مرسلین نے آگے کر کے نماز میں امام بنایا جیسے مخدوم خادموں کا امام ہوتا ہے۔

یعنی مسجد بیت المقدس میں تمام انبیاءؑ نے آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی اور آپ نے اس نماز کی امامت فرمائی۔ بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب سرور کون و مکان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج اعظم کو تشریف لے جاتے وقت بیت المقدس میں انبیاءؑ کو نماز پڑھائی اور بعض روایت میں واپسی پر نماز پڑھانے کا ذکر ہے درحقیقت یہ دونوں رویات صحیح ہیں کیونکہ جاتے ہوئے آپؐ نے نفل ادا کی ہیں اور واپسی میں صبح کی فرض نماز۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جب میں مسجد اقصیٰ میں داخل ہوا تو سب انبیاءؑ کو پہچانا۔ کوئی اس وقت قیام میں تھا کوئی رکوع میں اور کوئی سجدے میں پھر اذان دی گئی تو سب انبیاءؑ نے صفیں باندھ لیں اور انتظار فرمانے لگے کہ کون امامت کرے گا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کے آگے بڑھا دیا اور میں نے نماز پڑھائی۔

وَاَنْتَ تَخْتَرِقُ السَّبْعَ الطِّبَاقَ بِهِمْ
فِيْ مَوْكِبٍ كُنْتَ فِيْهِ صَاحِبَ الْعَلَمٖ

اور آپؐ نے سات آسمانوں کے طبق طے کئے اور لشکر ملائکہ آپ کی عظمت کے لئے آپؐ کے

ساتھ تھے اور آپ اس لشکر ملائکہ کے سردار تھے۔

یعنی جناب امام الانبیاء ﷺ نے شب معراج میں فرشتوں کے عظیم لشکر کے جلو میں سات آسمان طے کئے اور یہ لشکر ملائکہ آپ کی عزت وتکریم کے لئے ساتھ تھا اور آپ اس سارے لشکر کے سردار نظر آ رہے تھے۔ چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو اپنے خاص جلوے دکھانے اور خصوصی عظمت عطا فرمانے کے لئے یہ تمام تر انتظامات فرمائے تھے اس لئے میر محفل تو ساقی کوثر ﷺ ہی تھے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے جس طرح حضرت ابراہیمؑ کو ملکوت السموٰت والارض دکھلائے تھے یعنی کائنات عالم کے مخفی نظام اور اندرونی نظم ونسق کا مشاہدہ کرایا تھا اور حضرت موسیٰؑ کو بھی اپنے ایک مقبول بندہ (حضرت خضرؑ) کے ذریعہ اپنی خاص مشیّت کے تحت واقع ہونے والے حوادث کے مخفی اسباب ومصالح پر مطلع فرمایا تھا اور ان کو اپنے بلا واسطہ کلام اور نعمت دیدار سے بھی مکرم ومشرف فرمایا تھا اس طرح جناب سید المرسلین ﷺ کو بھی ان تشریفات سے سرفراز کرنا نہایت موزوں تھا اس کے علاوہ چونکہ جناب خاتم الانبیاء ﷺ کے زمانہ میں مادی ترقیات بام عروج پر پہنچنے والی تھیں اور زمین وخلا کہ ہر چیز تحقیق اور ریسرچ کی زد میں آنے والی تھی۔ نہایت مناسب تھا کہ آپ کو نہ صرف علوم اولین وآخرین سے ممتاز وسربلند کیا جائے بلکہ زمین وخلا کے علاوہ سموٰت اور فوق السموٰت کے جہانوں سے بھی روشناس کرادیا جائے اور ان سے بھی آگے مقامات عالیہ تک لے جائے جہاں تک انسانوں۔ جنوں اور فرشتوں سے بھی کسی فرد کو رسائی میسر نہ ہو چنانچہ حضور باعث تخلیق کائنات ﷺ کو معراج اعظم کا شرف عطا ہوا۔

حَتّٰی اِذَا لَمْ تَدَعْ شَاْءً
مِنَ الدُّنُوِّ وَلَا مَرْقیً لِمُسْتَنِمٖ

آپؐ رتبہ عالی کی طرف اس حد تک آگے بڑھے اور اتنی بلندیوں تک گئے کہ پھر قرب ومنزلت کی انتہا ہی نہ رہی۔

یعنی حضور سرور کون ومکان ﷺ شب معراج شریف میں سات آسمانوں کو طے فرماتے سدرۃ المنتھیٰ تک تشریف لے گئے اور پھر وہاں سے قاب قوسین تک تشریف لے گئے جہاں تک کہ مقرب فرشتے بھی نہیں جاسکتے اور بلندیوں کی تمام حدود سے آگے بڑھ گئے اور ملاء اعلیٰ کی لامحدود بلندیوں سے سرفراز ہوئے جہاں تک کبھی کوئی فرشتہ اور کوئی نبی مرسل بھی نہیں پہنچا۔

خَفَضْتَ کُلَّ مَقَامٍ بِالْاِضَافَۃِ اِذْ
نُوْدِیْتَ بِالرَّفْعِ مِثْلَ الْمُفْرَدِ الْعَلَمٖ

آپؐ نے اپنے علو مرتبت اور مقام کی نسبت سے تمام انبیاء کے مقام نیچے کر دیئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مفرد کی طرح علو مرتبیت کے ساتھ یکتا پکارے گئے۔

یعنی شب معراج میں حضور نبی کریم رؤف رحیم کی سرفرازیاں مقام نہایت کو پہنچ گئیں تو گویا آپؐ نے اپنے مقام نسبت سے ہر صاحب مقام کو اللہ تعالیٰ کی بے پایاں عنایات سے پست فرما دیا اس شعر میں امام بوصیریؒ نے اصطلاحات نحویہ خفض، اضافت، ندا، رفع، مفرد، علم کو غایت حسن وخوبی سے جمع فرمایا ہے۔ اگرچہ یہاں مقصود نحوی نہیں ہے جیسے نحو میں خفض فی الاعراب ہوتا ہے یہاں خفض کے معنی حط رتبہ کے ہیں اور مقام بفتح میم اور بضم میم دو طرح مستعمل ہے اس شعر میں بفتح میم ہے جو بمعنی مکان یا محل قیام آتا ہے اسی طرح اضافت میں بھی معنی لغوی یعنی نسبت مراد ہیں نہ کہ اصطلاح نحوی اور حرف ''اذ'' چار طرح سے مستعمل ہوتا ہے اول یہ کہ وہ اسم زماں ماضی کا ہو تو کبھی ظرف ہوگا جیسے فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا۔ کبھی بدل مفعول کا ہوگا جیسے واذکر فی الکتاب مریم اذ انتبذت اور کبھی مفعول نہ ہوگا جیسے واذکروا اذ انتم قلیل اور کبھی مضاف الیہ اسم زماں کا ہوگا جیسے یومئذٍ دوسری صورت یہ ہے کہ اسم زمان مستقبل ہو جیسے یومئذٍ تحدث اخبارھا تیسری شکل یہ ہے کہ مفاجات کے لئے ہو جیسے خرجت اذ زید قائم لیکن یہ بہت کم مستعمل ہے اور چوتھی یہ کہ برائے تعلیل ہو جیسے لن ینفعکم الیوم اذ ظلمتم۔ اور اس جگہ شعر مبارک میں اذ اول ہی صورت کے ماتحت استعمال کیا گیا ہے۔ اور نودیت بمع طلب الاقبال ہے اور اس میں ندا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ مروی ہے کہ شب معراج میں جناب باری تعالیٰ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ندا ہوئی۔ اور بالرفع میں بھی لغوی معنی مراد ہیں یعنی ارتفاع درجہ۔ نہ کہ معنی نحوی اور اسی طرح مفرد کے معنی متفرد الواحد فی القوم کے ہیں اور علم سے مراد عالی ہے یعنی عن سائر جنس واللہ الحمد۔

كَيْمَا تَفُوْزَ بِوَصْلٍ اَىِّ مُسْتَتِرٍ
عَنِ الْعُيُوْنِ وَسِرٍّ اَىِّ مُكْتَتَمٖ

یہ پکارنا آپؐ کو اس لئے تھا کہ آپ کو وہ وصل حاصل ہو جو نہایت درجہ آنکھوں سے پوشیدہ ہو اور آپ اس راز مخفی سے واقف ہوں کہ آپؐ کے سوا اسے کوئی جان نہ سکے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج پر جو بلایا گیا اسکا مقصد آپ کی عزت وتکریم بڑھانا مقصود تھا۔ اور کون ومکان کی حقیقتوں سے بھی آگاہ فرمانا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جب

میں قاب قوسین تک پہنچ گیا تو خدائے ذوالجلال نے مجھ سے سوال کیا مگر میں جواب نہ دے سکا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ بلا کیف و وجد میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی پھر اس نے اولین اور متاخرین کا علم عطا کیا اور مزید کئی علوم سکھائے ان میں بعض علوم ایسے ہیں جن کا اخفا ضروری ہے کیونکہ یہ ایسا علم ہے جس کا میرے بغیر کوئی متحمل نہیں ہوسکتا اور کچھ علوم ایسے ہیں جن کے بارے میں مجھے اختیار دیا اور مجھے قرآن کی تعلیم دی۔ ایک علم ایسا بھی تھا جس کے بارے میں حکم ہوا کہ میں خاص و عام کو یہ باتیں بتاؤں۔ بعض اہل رموز لکھتے ہیں: خدائے ذوالجلال نے اپنے پیارے حبیب ﷺ سے فرمایا اے محمدؐ! میں نے آپ کو ایسا نور دیا ہے جس سے آپ میرے جمال کا مشاہدہ کرتے ہیں ایسے کان دئے ہیں جس سے آپؐ میری گفتگو سنتے ہیں۔ اے محمدؐ! لسان حال سے آپ کو میری ذات تک پہنچنے کا مطلب سمجھاتا ہوں۔ میں نے آپ کو اہل عالم کی طرف شاہد۔ بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا۔ اور شاہد جو کچھ دیکھتا ہے اسے چاہیے کہ مشہود اشیاء کی حقیقت کو جانتا ہو میں آپ کو جنت دکھاؤں گا تاکہ آپ ان اشیاء کا مشاہدہ کریں جو میں نے اپنے دوستوں کے لئے تیار کر رکھی ہیں نیز آپ کو وہ آگ بھی دکھاؤں جو دشمنوں کے لئے بھڑکائی گئی ہے پھر میں آپ کو اپنے جلال کا مشاہدہ کراؤں گا اور نیز اپنے جمال کو بے نقاب کروں گا تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ میرے کمال کی نہ کوئی نظیر ہے اور نہ مثال نہ کوئی میرا وزیر ہے اور نہ مشیر۔ پھر حضور ﷺ نے خدا کو ایسے نور سے دیکھا کہ بغیر ادراک و اندازہ ہی آپؐ اس پر فریفتہ ہو گئے۔۔۔ خدا یکتا و بے نیاز ہے نہ کسی چیز میں ہے اور نہ کسی چیز سے ہے کہ کسی چیز کے سہارے اور نہ کسی چیز پر قائم ہے اور نہ کسی چیز کا محتاج ہے کوئی چیز بھی اس جیسی نہیں جب خدا نے آپؐ سے آمنے سامنے گفتگو کی اور اچھی طرح مشاہدہ کرا لیا فرمایا گیا۔ اے محمدؐ اس خلوت کے لئے ایسے راز کی ضرورت ہے جسے فاش نہیں کیا جاتا اور ایسی رمز ہے جس کی وضاحت نہیں کی جاسکتی (فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ) چنانچہ وہ ایسا راز تھا جس کا علم تو کسی مقرب فرشتے کو ہوسکا اور نہ نبی مرسل کو۔

فَحُزْتَ كُلَّ فَخَارٍ غَيْرِ مُشْتَرَكٍ
وَجُزْتَ كُلَّ مَقَامٍ غَيْرِ مُزْدَحَمِ

آپؐ نے بلاشرکت غیر تمام فضیلتیں جمع فرمالیں اور آپ تمام عالی مقامات عبور فرما کر اس درجہ تقرب تک پہنچے جہاں کسی اور کا جانا ناممکن اور محال ہے یعنی حضور خاتم الانبیاء ﷺ نے اپنے رب کے ہاں وہ مقام حاصل فرمایا ہے کہ کوئی نبی و مرسل اس مقام تک نہ پہنچ سکا۔ اور آپ کو وہ بلند ترین مراتب و درجات مثل وسیلہ و فضیلت، حوض کوثر و

شفاعت کبریٰ اور مقام محمود کے نصیب ہوئے جو اور کسی نبی کو حاصل نہ ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شب معراج کے مختصر ترین لمحات میں جو انعامات و اکرامات و خصائص عطا ہوئے اجمالی ذکر حسب ذیل ہے۔

(۱)۔ شق صدر اور اس کو ایمان وحکمت سے معمور کرنا۔ (۲)۔ رکوب براق وسفر مسجد اقصیٰ مع حضرت جبرئیل علیہ السلام (۳)۔ سیر ملکوت ارضی (۴)۔ عروج سماوی وسیر ملکوت السمٰوٰت (۵) مشاہدہء آیات عظیمہ الٰہیہ ووعد الاخرۃ اجمع (۶)۔ ملاقات انبیاءؑ۔ (۷)۔ امامت ملائکہ۔ (۸) داخلہ بیت معمور (۹) سماع صریف الاقلام (۱۰) ۔ لقاء الرب جل ذکرہٗ (۱۱) کلام الرب عزاسمہ (۱۲)۔ فرضیت صلوات (۱۳)۔ عطیہ خواتیم بقرہ (۱۴)۔ وعدہ مغفرت خصوصی برائے امت محمدیہؐ (۱۵)۔ رویت جنت و دوزخ (۱۶)۔ تقرب و دنو الرب الجبار تعالیٰ سبحانہ (۱۷)۔ رویت حق تعالیٰ سبحانہٗ (۱۸)۔ امامت انبیاء و ملائکہ علیہم السلام در مسجد اقصیٰ (۱۹)۔ واپسی مکہ مکرمہ واتمام حجت برکفار (۲۰)۔ رویت مسجد اقصیٰ در مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفاً۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

وَجَلَّ مِقْدَارُ مَا وُلِّيتَ مِنْ رُتَبٍ
وَعَزَّ اِدْرَاكُ مَا اُوْلِيتَ مِنْ نِّعَمِ

بہت بڑی شان ہے ان مراتب اور عظمتوں کی جن کے مالک آپ بنائے گئے اور فہم وادراک ان نعمتوں کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

یعنی اللہ جل جلالہ کی جانب سے حضور رحمت للعالمین کو جو شان اور بلند مراتب عطا کئے گئے اور جن جن نعمتوں سے آپ کو سرفراز فرمایا گیا عقل قاصر ہے کہ ان کا شمار کرے یا ان کی حقیقت کا ادراک کر سکے۔ ہر خوبی اور ہر کمال جس کا تعلق جسم سے ہو یا روح سے، ظاہر سے ہو یا باطن سے، دنیا سے ہو یا آخرت سے، فکر سے ہو یا عمل سے، فرد سے ہو یا ساری قوم سے، زمانہ ماضی سے ہو یا حال و مستقبل سے، کسی کی جدوجہد کا نتیجہ ہو یا محض عطا الٰہی ہو یہ گوناگوں خوبیاں اور بوقلموں کمالات اپنی جملہ رعنائیوں اور دلفریبوں کے ساتھ ذات پاک سید الانبیاء محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الطیب التحیۃ والثناء میں بعطائے الٰہی اپنی اکمل ترین صورت میں پائے جاتے ہیں۔ جمال وجلال محمدیؐ کا تذکرہ ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا بحر بیکراں ہے جس کا احاطہ جن و انس وملک میں سے کسی کے بس کا روگ نہیں

بُشْرٰى لَنَاۤ مَعْشَرَ الْاِسْلَامِ اِنَّ لَنَاۤ
مِنَ الْعِنَايَةِ رُكْنًا غَيْرَ مُنْهَدِمِ

ہم گروہ اسلام کو خوش خبری ہے، بے شک اللہ تعالیٰ کی عنایات خاصہ کا نہایت محکم ستون حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

کی ذات گرامی کی صورت ہمارے پاس موجود ہے۔

یعنی مسلمانوں کے لئے نہایت خوش خبری کی بات یہ ہے اور مسلمان نہایت خوش قسمت ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عنایات خاصہ کا نہایت محکم اور پائیدار ستون حضور سرور کونین ﷺ کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے جو تاقیامت موجود ہیں اور ان کا لایا ہوا دین تاقیامت ثابت اور قائم رہے گا اور باقی ادیان کی طرح منسوخ نہیں ہوگا اور ختم نبوتؐ کا جھنڈہ تاقیامت لہراتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صاحب قاب قوسین اور ہمارے آقا ساقی کوثر ﷺ کو تمام انبیاء ورسل میں امتیازی وصف عطا فرمائے اور آپؐ کا تعارف آپ کے اوصاف کمال بتلانے کا اہتمام بھی خود ہی اپنے کلام مبین میں فرمایا ہے۔ لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسول من انفسھم یتلو علیھم ایتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتب والحکمۃ۔ حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جبکہ ان میں انہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی (کفروشرک اور جہالت سے) صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب وحکمت کی باتیں بتاتے رہتے ہیں۔ (آل عمران) لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رءوف رحیم۔ اے لوگو تمھارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمھاری جنس سے ہیں جن کو تمھاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے جو تمھاری منفعت کے بڑے خواہش مند ہیں یہ حالت تو سب کے ساتھ ہے پھر بالخصوص مومنین کے ساتھ تو بڑے شفیق اور مہربان ہیں (توبہ) وما ارسلنك الا كافة للناس بشیراً ونذیراً۔ (سورہ سبا) آپ کی بعثت کا مقصد تمام انسانوں کے لئے بشیر ونذیر ہونا ہے۔

وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین۔ اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ (سورہ انبیاء) ورفعنا لک ذکرک اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کیا (الم نشرح) ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لہم الرسول لوجد اللہ توابا رحیماً۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر تیری بارگاہ میں حاضر ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کریں اور اللہ کا رسولؐ بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا پائیں گے۔ یہ تو چند آیات مبارکہ بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں وگرنہ تو پورے کا پورے قرآن ثنائے محمدؐ سے لبریز ہے اور اس سے بڑی مسلمانوں کی کیا خوش قسمتی ہے جن کو اتنی عظیم شان اور اتنے بلند مرتبوں والے نبیؐ کی امت ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ اور حضور ﷺ کے طفیل اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امت کو بھی خصوصی انعامات سے سرفراز

کیا۔اور کنتم خیر امۃ کے لقب سے ملقب فرمایا۔ہمارے لئے تمام روئے زمین مسجد وطہور کی گئی۔ہمارے لئے مٹی کو وضو کا بدل تیمم بنایا گیا۔ہمارے لئے معراج اعظم سے پنج گانہ نماز کا تحفہ ملا۔ہمیں اذان واقامت عطا ہوئی،سابقہ امتوں میں نہ تھی۔ہمیں بسم اللہ عطا کی گئی۔ ہمیں جمعہ عطا ہوا اور جمعۃ المبارک میں ایک ساعت اجابت عطا ہوئی۔ہمارے لئے تزئین جنت کی بشارت ہے ہمارے لئے ملائکہ استغفار کرتے ہیں۔ہمیں رمضان المبارک میں سحری عطا ہوئی۔ہمیں رمضان المبارک میں لیلۃ القدر عطا ہوئی۔جو ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے۔ہمیں مصیبت کے وقت انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کی تعلیم ہے ہمارے لئے دین میں تنگی اور حرج نہیں ہے ہماری شریعت مکمل ترین ہے ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کی شریعت تا قیامت باقی رہے گی۔اور ہم پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے خاص کرم یہ ہے کہ ہمیں اپنے پیارے حبیب مکرم صاحب لواء الحمد ساقی کوثر شافع محشر ﷺ کی امت میں پیدا کیا ہے اور ہمیں آپ ؐ پر درود شریف پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا یھا الذین اٰمنوصلوا علیہ وسلموا تسلیما۔(سورہ احزاب) یقینا اللہ اور اس کے فرشتے نبی (ﷺ) پر درود بھیجتے ہیں تو اے ایمان والو تم بھی آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے رہا کرو۔

لَمَّا دَعَی اللهُ دَاعِيْنَا لِطَاعَتِهٖ
بِاَكْرَمِ الرُّسُلِ كُنَّآ اَكْرَمَ الْاُمَمِ

جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو جو اللہ کی اطاعت کی طرف بلانے والے ہیں اکرم الرسل کہہ کر پکارا تو حضورؐ کے پیروکار اکرم الامم ہو گئے۔

یعنی حضور نبی کریم اکرم الرسل اشرف الرسل اور افضل الرسل ہیں اور ہمیں طاعت خداوندی کی دعوت دینے تشریف لائے اور ہم نے ان کی دعوت کو قبول کیا تو اس وجہ سے ہم مسلمان اکرم الامت اور خیر الامم ہو گئے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کنتم خیر امت اخرجت للناس۔اس آیت مبارکہ سے امت محمدیہ صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ کا سب امتوں سے افضل ہونا ثابت ہے اور جب یہ امت دیگر تمام امتوں سے افضل ہے تو ان کا رسولؐ بھی دیگر امتوں اور ان کے رسولوںؑ سے بطریق اولیٰ افضل ہے اور جس جس چیز کی نسبت جناب ہادی عالم ﷺ کے ساتھ ہوتی گئی وہ چیز درجہ کمال کو پہنچتی گئی۔کتب سماویہ میں سے جس مقدس کتاب کو نسبت محمد ﷺ کا شرف نصیب ہوا وہ کتاب ھدی للمتقین اور ھدی للعالمین کی شان امتیاز سے اطراف واکناف عالم میں چمکی۔انسانوں کے جس طبقہ نے بحالت

ایمان حبیب کبریاء ﷺ کو نگاہِ شوق سے دیکھا وہ رضی اللہ عنہ ورضوا عنہ کے لقب سے ملقب ہوا۔ جن سعادت مند عورتوں کو رحمت دو جہاں ﷺ کی بیویاں بننے کی سعادت میسر آئی انہیں خدائے ذوالجلال نے امہات المومنین کے عظیم خطاب سے سرفراز فرمایا اور دنیا آج بھی ان کو بصد ادب رضی اللہ عنہا کہہ کر پکارتی ہے جن نفوس قدسیہ کو آنجناب کی اولاد اور اہلبیت ہونے کا شرف حاصل ہوا اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں انہیں ''انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اہل البیت ویطھرکم تطھیراً'' فرما کر تمام آلائشوں سے پاک کرکے درجہ معصومیت پر فائز کرنے کا اعلان فرما رہا ہے۔ اور انسانوں کے جس طبقہ کو جناب سید یوم النشور ﷺ کے امتی ہونے کی سعادت نصیب ہوئی وہ خیر الامم کا تاجور بن گیا اور جس قبر مبارک کی خاک پر جناب سرور کونین رحمت دارین ﷺ بنفس نفیس جلوہ افروز ہیں، قبر اطہر میں فروکش ہیں اور اقامت گزیں ہیں وہ قبر اطہر سات آسمانوں حتیٰ کہ عرش مجید اور کعبۃ اللہ سے بھی افضل ہے۔ پس اسی عظیم نسبت محمدیؐ سے ہم مسلمان اکرم الامم اور خیر االامم ہیں اور اگر چہ یہ امت ختم نبوتؐ کے طفیل سب سے آخری امت ہے مگر بروز محشر سب سے پہلے یہ امت ہی قبروں سے باہر آئے گی۔ سب سے پہلے اس امت کا حساب وکتاب ہوگا اور سب سے پہلے یہ امت ہی جنت میں داخل ہوگی ان شاء اللہ۔ کیونکہ ہماری نسبت جو باعثِ تخلیق کائنات ﷺ سے ہے

رَاعَتْ قُلُوبَ الْعِدٰی اَنْبَاءُ بِعْثَتِهٖ
کَنَبْأَ ةٍ اَجْفَلَتْ غُفْلاً مِّنَ الْغَنَمِ

دشمنان اسلام کے دل حضورؐ کی تشریف آوری کی خبروں سے یوں ڈرے جیسے بکریاں بے خبری میں شیر کی آواز سن کر پریشان ہو کر اور گھبرا کے بھاگتی ہیں۔

یعنی حضور خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت کی خبریں سن کر کفر وشرک کے ایوانوں اور بت خانوں میں زلزلہ آ گیا اور کفار پریشان ہو گئے۔ حضور سید المرسلین ﷺ نے فرمایا۔ نصرت بالرعب میسرۃ شھر وفی روایۃ میسرۃ شھرین۔ یعنی میری مدد کی گئی رعب کے ساتھ ایک مہینہ یا دو مہینہ کی بُعد مسافت تک۔ آنحضرت ﷺ سے پہلے جو انبیاءؑ دنیا میں مبعوث ہوئے وہ دو قسم کے تھے یا بظاہر کمزور اور بے یار و مددگار تھے اور ان کو دنیاوی طاقت کا کوئی حصہ عطا نہیں ہوا تھا۔ اور پیغمبروں کی بڑی تعداد ایسی ہی تھی دوسرے وہ انبیاءؑ تھے جن کو دنیا کی ظاہری طاقت بھی عطا ہوئی تھی وہ صرف چند ہیں۔ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ۔ مگر ان میں کسی کو بھی نام نامی کا رعب اور ہیبت کا انعام عطا نہیں ہوا اور تاریخ اس بیان پر شاہد ہے

حضور محسن انسانیت کا آغاز گو ایوبی بیچارگی اور یحیٰ غربت سے ہوا مگر انجام موسوی طاقت روا روی سلطنت اور سلیمانی شان وشکوہ پر ہوا۔ اور ان سب سے مافوق یہ تھا کہ آپ کی تمام تر قوت۔ طاقت، رعب و ہیبت سب خدا کی راہ میں صرف ہوئی اس سے گم گشتوں نے راستہ پایا۔ بھولوں نے یاد کیا۔ سننے والوں نے آواز دی اور یہ اثر پیدا ہوا کہ آپ جس راستہ سے نکل جاتے گنہگار اور مجرم سر اطاعت خم کر دیتے اور اپنی سیہ کاریوں پر ندامت کا اظہار کرتے تھے علامہ ابن خلدون نے فنون جنگ پر بحث کرتے ہوئے نہایت خوبی سے بتایا ہے کہ لڑائیوں میں کسی ایک فریق کی جو فتح ہوتی ہے وہ اسی وقت ہوتی ہے جب دوسرے فریق پر پہلے کی خداداد مرعوبیت چھا جاتی ہے۔ حضور ساقی کوثر ﷺ کے اسم گرامی کو یہ شرف اس لئے عطا ہوا تا کہ مزید خون خرابے کے بغیر ملک میں امن و امان اور سکون و اطمینان پیدا ہو جائے اور صدائے حق کے لئے راستہ صاف ہو۔ قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس وصف کو عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ سالقی فی قلوب الذین کفروا الرعب۔ (الانفال) عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا چنانچہ یہ وعدہ پورا ہوا اور قرآن مجید نے شہادت دی۔ فقذف فی قلوبھم الرعب۔ اور خدا نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ (احزاب وحشر) چنانچہ بڑے بڑے دل گردہ کے بہادر زہر میں تلواریں بجھا بجھا کر آئے مگر جب چہرہ انور پر نظر پڑی کانپ کر رہ گئے۔ بڑے بڑے سرکش قبائل آپؐ کا نام سن کر دم بخود ہو جاتے تھے۔ لشکر کفار کا سرغنہ اور اسلام کے خلاف تمام معرکوں میں قبائل کو اکٹھا کرنے الا ابوسفیان جو بارہا ایک فریق مقابل کی حیثیت سے میدان جنگ میں فوجوں کے پرے لگاتا رہا۔ فتح مکہ کے دن حضرت عباسؓ اس کو اسلام کے موجزن دریائے الہیٰ کا نظارہ دکھا رہے تھے اور رنگ برنگ کے علم نگاہوں کے سامنے گزر رہے تھے تو ہر نئے دستہ اور ہر نئے علم کو دیکھ کر کانپ کانپ جاتا یہ ہیبت، یہ وقار، یہ دبدبہ، یہ رعب۔ یہ تیغ وسنان کی چمک، فوج وعسکر کے تلاطم، جلادوں کی صف بندی اور تیغ بکف سپاہیوں کی نمائش سے نہیں پیدا ہو بلکہ ہیبت حق است ایں از خلق نیست۔۔۔ ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست۔

مَا زَالَ يَلْقَاهُمْ فِيْ كُلِّ مُعْتَرَكٍ
حَتّٰى حَكَوْا بِالْقَنَا لَحْماً عَلٰى وَضَمٍ

حضرت رسالت پناہؐ کفار کا ہر میدان میں مقابلہ فرماتے رہے یہاں تک کہ مجاہدین کے نیزوں نے ان کے جسم کو ایسا کر دیا جیسے تختہ قصاب پر گوشت رکھا ہو۔

یعنی حضور ﷺ خود بنفس نفیس غزوات میں شرکت فرماتے رہے اور مجاہدین اسلام نے ہر غزوہ میں

کفار کو بھاری جانی نقصان پہنچایا اور میدان کارزار کو کفار و مشرکین کی لاشوں سے بھر دیا۔ حضور سرور دو عالم ﷺ انیس غزوات میں تشریف لے گئے اور نو غزوات میں بنفس نفیس مقابلہ فرمایا۔ تاہم تمام غزوات میں اللہ تعالیٰ نے امداد فرمائی اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ صرف جنگ بدر میں کفار کے ستر (۷۰) بڑے نامی گرامی سردار مارے گئے۔ اس شعر میں بھی کفار کے جانی نقصان کو بیان کیا گیا ہے اگرچہ بعض غزوات میں مسلمان بھی شہید ہوئے مگر زیادہ جانی نقصان کفار کا ہوا اور پھر کفار میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ جاتے اور اپنے مقتولوں کی لاشیں یوں ہی میدان میں چھوڑ جاتے۔ تو اس کی منظر کشی فرماتے ہوئے امام بوصیریؒ فرماتے ہیں کہ کفار کے کٹے پھٹے بدن اور بکھری لاشیں یوں محسوس ہوتی تھیں جیسے قصاب کے تختہ پر گوشت پڑا ہوا ہو۔ حضور رحمت عالم ﷺ گڑھا کھدوا کر کفار کی لاشوں کو دفن کرا دیتے اور کسی لاش کی بے حرمتی نہ کی جاتی۔

وَدُّوا الْفِرَارَ فَكَادُوْا يَغْبِطُوْنَ بِهٖ
اَشْلَاءً شَالَتْ مَعَ الْعِقْبَانِ وَالرَّخَمِ

کفار پسند کرتے تھے مجاہدین کی تلواروں کی کاٹ سے بھاگنے کو اور غبطہ کرتے تھے ان لاشوں کے ٹکڑوں پر جن کو کرگس اور مردار خور چیلیں اٹھا کر لے جاتی تھی

یعنی غزوات میں کفار بھاگنے کو زیادہ پسند کرتے تھے کہ مجاہدین کی تلواروں کی زد سے بچ سکیں اور ازاں بعد اپنی ذلت اور میدان جنگ سے بھاگنے کی رسوائی مٹانے کے لئے کفار کی محفلوں میں یوں شیخی بگھارتے کہ کاش ہم بھی میدان کارزار میں ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے اور ہمارے لاشوں کو بھی مردار خور چیل کوے اور کرگس کھا جاتے کہ ہمیں فرار کے یہ طعنے نہ سننے پڑتے۔ کفار دراصل پرانی جاہلیت کی رسم و رواج کے تحت یہ سوچتے، کیوں کہ جاہلیت میں دشمن کی لاشوں کو مردار خور جانوروں کی خوراک بنایا جاتا اور کفار کے ہاں یہ اظہار فخر کی بات تھی۔ اور جوش انتقام میں دشمن کی مردہ لاشوں کے ناک کان کاٹے جاتے ان کے اعضاء کی قطع و برید کر کے زندوں کا بدلہ مردوں سے لیا جاتا اور بسا اوقات تو ایسی ایسی وحشیانہ حرکات کی جاتی تھیں جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جنگ احد کا مشہور واقعہ ہے کہ ابوسفیان کی بیوی جگر خوار ہندہ نے سیدنا حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبا لیا تھا۔ جاہلیت کی لڑائی میں وفائے عہد کا کوئی پاس و لحاظ نہ تھا جب دشمن سے انتقام لینے کا کوئی اچھا موقع مل جاتا تو تمام عہد و پیمان توڑ دیئے جاتے خود نبی ﷺ کے زمانہ میں کفار عرب کی بدعہدیوں کے واقعات نہایت کثرت سے ملتے ہیں۔ عہد جاہلیت کی شاعری میں ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں مثلاً عاتکہ بنت عبدالمطلب حرب فجار کے واقعات پر فخر کرتے ہوئے کہتی ہیں۔

وجدلاً غادرفه ... بالقاع تنهسه ضباعه۔یعنی ہمارے سواروں نے مالک کو زمین پر پڑا چھوڑ دیا اسے بجو نوچ کر کھاتے تھے۔مہلہل حرب بسوب کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

قتلیٰ تعاورھا النسورا کفھا ..... ینھشنھا وحواجل الغربان

ان مقتولوں پر کووں اور گدھوں کے غول کے غول آتے ہیں اور ان کے ہاتھوں کو نوچ نوچ کر کھاتے ہیں۔مگر قربان جائیے آمنہؓ کے لالؐ پر جس نے ساری دنیا کی حقیقت ہی تبدیل کر دی اور تو اور جنگ کا بھی وہ عظیم نظریہ پیش کر دیا کہ دنیا کے رہنے والے مخالف سے مخالف بھی حیران رہ گئے۔اور جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کا پاکیزہ تصور پیش کیا جس میں ہوائے نفس کا شبہ تک باقی نہ رہا اور سرور دو عالم ﷺ نے ان تمام وحشیانہ حرکات کو روک دیا جو جاہلیت کی لڑائیوں میں کی جاتی تھیں۔اس کے متعلق امتناعی احکامات بکثرت موجود ہیں جن میں مجموعاً و منفرداً تمام وحشیانہ افعال سے منع کیا گیا ہے۔لفظ جہاد کے بارے میں ایک عام غلط فہمی پائی جاتی ہے اور قرآن و سنت کی روشنی میں جہاد کا تصور شاذ و نادر ہی پیش کیا جاتا ہے تنہا لفظ جہاد میں کہیں بھی لڑائی یا جنگ کے معنی نہیں ہیں۔امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں جہاد کے معنی احیائے دین کے لئے پوری کوشش اور اس کے لئے ہاتھ اور زبان سے ہر ممکن سعی و عمل کئے ہیں اس بات سے ہر کوئی واقف ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنے پڑوسی دشمنوں سے جنگ کی اجازت ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ملی۔کفار کے خلاف ہتھیار اٹھانے کے لئے قرآن مجید میں لفظ قتال استعمال ہوا ہے۔
جہاد کا لفظ اپنی مختلف صورتوں یعنی اسم، فعل کی شکل میں قرآن مجید میں بیسیوں مرتبہ آیا ہے اور اس کے معنی ہر جگہ جدو جہد کے ہیں۔جہاد کا مقصد مذہبی دیوانگی نہیں ہے کہ مسلمان لوگوں کو قتل کرتے پھریں بلکہ اللہ کے پیغام کو دنیا میں پھیلانے کی جدو جہد کا نام ہے ہاں اگر کفار جنگ میں پہل کریں تو پھر انہیں منہ توڑ جواب دینا اشد ضروری ہے۔تاہم مسلمانوں پر جو الزام لگایا جاتا ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا یا مسلمان جنگجو ہیں تو یہ بات بالکل غلط ہے آپ اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کے یہاں پہلا بیٹا ہوا تو حضرت علیؑ نے اس کا نام حرب رکھا۔حرب کے معنی جنگ ہیں حضور رحمت للعالمین ﷺ نے نام سنا تو آپؐ نے فرمایا کہ ہمارے نواسے کا نام "حسنؑ" ہونا چاہیئے۔دوسرا بیٹا پیدا ہوا تو پھر حضرت علیؑ نے اس کا نام حرب رکھا۔حضور ﷺ نے نام سنا تو فرمایا کہ اس کا نام "حسینؑ" ہے ہمارے نبی ﷺ نے تو حرب (جنگ) نام بھی پسند نہیں فرمایا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا مزاج جنگجویانہ نہیں ہے بلکہ یہ امن اور سلامتی کا مذہب ہے۔

تَمْضِی اللَّیَالِیْ وَلَا یَدْرُوْنَ عِدَّتَھَا
مَالَمْ تَکُنْ مِنْ لَیَالِیْ الْاَشْھُرِ الْحُرُمِ

راتیں گزر رہی ہیں اور کفار بسبب خوف و ہراس ان راتوں کا شمار نہیں جانتے جب تک کہ ماہ حرام کی راتیں نہ آ جاتیں۔

یعنی لشکر کفار میدان جنگ میں آنے سے ایسے حواس باختہ ہو جاتے تھے کہ انہیں گردش ایام یعنی دنوں کی گنتی کا ہوش ہی نہیں رہتا تھا۔حتی کی حرمت والے مہینے آتے تو انہیں اطمینان ہو جاتا تھا۔حرمت والے اشہر حرام چار مہینے ہیں ذیقعد۔ذی الحجہ۔محرم یہ تین تو مسلسل ہیں چوتھا مہینہ رجب کا ہے اسلام سے پہلے بھی ان چار مہینوں میں جنگ کو حرام سمجھا جاتا تھا اور مشرکین مکہ بھی اس کے پابند تھے۔ابتداء اسلام میں بھی ۲ھ تک یہی قانون نافذ رہا بعد میں بضرورت مدافعت اجازت دی گئی مگر اشہر حرم کی حرمت منسوخ نہیں ہوئی باقی ہے جیسے حرم مکہ میں قتال کی اجازت بضرورت مدافعت دینے سے حرم مکہ کی حرمت منسوخ نہیں بلکہ صرف ایک استثنائی صورت پر عمل ہوا۔قرآن حکیم کی متعدد آیتوں میں پوری تصریح کے ساتھ اشہر حرم میں قتال کی ممانعت آئی ہے۔اور خطبہ حجۃ الوداع کے مشہور و معروف خطبہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ چار مہینوں میں قتال حرام ہے اور یہ حرمت ہمیشہ کے لئے ہے۔تاہم جب لشکر کفار اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے باوجود میدان جنگ میں آ جاتے تو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات کا خصوصی رعب اور ہیبت ان کے دلوں پر چھا جاتی اور انہیں دنوں کا شمار بھول جاتا اور حواس باختہ ہو جاتے۔امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس نعتیہ کلام میں مغازی کو بھی خصوصاً ذکر فرمایا ہے کیونکہ ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کے ہر ہر پہلو کا اجاگر کرنا ہی اصل نعت ہے اور سیرت مبارکہ کا ہر پہلو اہم اور ہدایت بخش ہے اس لئے خیر القرون کے اکابر امت نے اس موضوع پر بڑی توجہ دی ہے وہ اپنی اولاد کو بھی سرفروش اور قربانی کے یہ محیر العقول واقعات سناتے اور ازبر کراتے۔خطیب بغدادی نے اپنی جامع میں اور ابن عسا کر نے اپنی تاریخ میں حضرت سیدنا امام زین العابدین علی بن حسین بن امیر المومنین علی المرتضیٰ علیہم السلام سے روایت نقل کی ہے کہ ہمیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مغازی یوں پڑھائے جاتے تھے جس طرح ہمیں قرآن کریم کی کوئی سورت پڑھائی جاتی تھی اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر علماء اسلام نے اس موضوع پر مستقل کتابیں تصنیف کیں سب سے پہلے جس شخص کو یہ سعادت نصیب ہوئی وہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت عروہ رضی اللہ عنہ تھے جو اپنے زمانہ میں آئمہ کبار میں سے تھے پھر ان کے دونوں شاگردوں موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ اور محمد بن شہاب

زہریؒ کو یہ شرف حاصل ہوا۔اور جس کتاب کو سب سے زیادہ شہرت نصیب ہوئی وہ ابو بکر محمد بن اسحاق بن الیسار کی تالیف کردی المغازی ہے یہ کتاب درحقیقت ان تینوں کتابوں کی جامع ہے۔

كَأَنَّمَا الدِّيْنُ ضَيْفٌ حَلَّ سَاحَتَهُمْ
بِكُلِّ قَرْمٍ اِلٰى لَحْمِ الْعِدٰى قَرِمٍ

گویا دین اسلام ایک مہمان عزیز ہے اور عظیم القدر سرداروں کے ہمراہ ان کے گھروں میں آیا جو دشمن کے گوشت کے نہایت خواہش مند تھے۔

یعنی دین اسلام سرداران قریش کے ہمراہ عین ان کے گھروں کے صحن میں مہمان کی طرح آیا اور یہ سرداران قریش دشمن کے خون اور گوشت کے بہت مشتاق تھے لہٰذا لشکر اسلام کی تلواروں کے لئے انہوں نے خود کو پیش کر دیا۔یعنی لشکر اسلام کو ان کفار کے قتل میں زیادہ جدو جہد کی ضرورت نہ پیش آئی بلکہ عساکر اسلام کے رعب اور دبدبہ اور نصرت الٰہی نے کفار کو اتنا مرعوب کر دیا کہ طوعاً و کرہاً اپنے آپ کو قتل کے لئے پیش کر دیا۔حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ ہادی عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لڑائیاں دو قسم کی ہیں جس شخص نے خالص اللہ کی رضا کے لئے لڑائی کی اور اس میں امام کی اطاعت کی۔اپنا بہترین مال خرچ کیا اور فساد سے پرہیز کیا تو اس کا جاگنا سونا سب اجر کا مستحق ہے اور جس نے دنیا کے دکھاوے اور شہرت و ناموری کے لئے جنگ کی اور اس میں امام کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد پھیلایا تو وہ برابر بھی نہ چھوٹے گا۔(یعنی الٹا عذاب میں مبتلا ہوگا) ایک اور موقع پر جناب نبی کریم رؤف رحیم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:۔دشمن سے مقابلہ کی تمنا مت کرو بلکہ اللہ سے امن و عافیت کی دعا کیا کرو مگر جب دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو پھر جم کر لڑو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سایہ تلے ہے۔حضور ﷺ نے جہاد فی سبیل اللہ کے معنی اور وہ تمام حدود و قیود اپنی امت پر نہایت واضح فرما دیے جو اسے جہاد فی سبیل الطاغوت سے ممتاز کرتے ہیں۔جہاد کا اصل مقصد حریف مقابل کو ہلاک کرنا اور نقصان پہنچانا نہیں بلکہ محض شر کو دفع کرنا ہے اس لئے اسلام یہ اصول پیش کرتا ہے کہ جنگ میں صرف اتنی ہی قوت استعمال کرنی چاہیے جتنی دفع شر کے لئے ناگزیر ہو اور اس قوت کا استعمال بھی صرف ان طبقوں کے خلاف ہونا چاہیے جو عملاً برسر پیکار ہوں باقی تمام انسانی طبقات کو جنگ کے اثرات سے محفوظ رہنا چاہیے۔اس لئے اسلام نے جنگ اور لڑائی و دیگر رائج الوقت الفاظ اور اصطلاحات کو چھوڑ کر" جہاد فی سبیل اللہ" کی الگ اصطلاح وضع کی۔اور جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت میں قرآن مجید فرقان حمید کے صفحات بھرے پڑے ہیں اور اسے تمام انسانی اعمال میں ایمان باللہ کے بعد سب سے بڑا درجہ

دیا گیا ہے اور قرآنی تعلیمات اپنے ماننے والوں کے اندر حمایت حق کی ایسی ناقابل تسخیر روح پیدا کرنا چاہتی ہیں جس سے ان کے اندر کسی حال میں بدی اور شرارت کے آگے سر جھکانے اور ظلم وطغیان کے تسلط کو قبول کرنے کی کمزوری پیدا نہ ہو پائے۔ اور جہاں کفار نے معاندانہ رویہ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو حکم فرمایا۔ یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنفقین واغلظ علیھم وماوٰھم جھنم وبئس المصیرط (توبہ:۷۳)

اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بری جائے قرار ہے۔ یہ تھا مختصر ترین الفاظ میں جہاد کا تعارف تاکہ ذہن میں اسلام کا پاکیزہ تصور جہاد فی سبیل اللہ آسکے اور ہادیء عالم فخر انسانیت حضرت محمد مصطفی احمد مجتبیٰ ﷺ کی مبارک زندگی کا یہ پہلو بھی سامنے رہے اور ہم ہر معاملے میں سنت نبویؐ کی پیروی کرنے والے بن جائیں چاہے وہ معاملہ ہماری ذاتی زندگی کا ہو خانگی معاملات ہوں یا ملکی اور بین الاقوامی حالات واقعات ہوں ہمارا کھانا پینا ہو یا چلنا پھرنا۔ پیدائش سے لے کر موت تک اور قبر میں دفن ہونے تک تمام کے تمام معاملات سنت نبویؐ کے ماتحت ہونے چاہیں بلکہ راقم آثم کا تو یہ عقیدہ ہے کہ اللہ جل جلالہ کو بھی سنت نبویؐ کے ذریعہ مانا جائے اور توحید بھی سنت نبویہؐ کے مطابق مانی جائے تب ہی وہ خدا کے ہاں مقبول ومنظور ہوگی کیونکہ خود اللہ جل جلالہٗ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ۔ تم لوگوں کے لئے رسول اللہؐ کی ذات ایک عمدہ نمونہ ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ جس شخص نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیماً۔

يَجُرُّ بَحْرَ خَمِيْسٍ فَوْقَ سَابِحَةٍ
تَرْمِيْ بِمَوْجٍ مِّنَ الْاَبْطَالِ مُلْتَطِمٖ

وہ معزز مہمان یعنی دین اسلام لشکروں کا دریا لے کر گھوڑوں پر سوار نیزوں اور تیروں کی موجوں سے بہادروں کے ساتھ دشمن سے ٹکراتا ہے۔

یعنی عساکر اسلام تیز اور نرم رفتار گھوڑوں پر نیزوں اور تیروں سے مسلح اس طرف صف آراء ہیں گویا دریا کی موجیں ہیں اور دشمن پر حملہ کرنے کے لئے یوں بے چین ہیں کہ گویا ایک موج دوسری موج سے آگے بڑھنا چاہتی ہے حضور معلم ومقصود کائنات ﷺ میدان جنگ میں اپنے جانباز صحابہؓ کی صفیں ترتیب فرماتے۔ میمنہ اور میسرہ ترتیب دیتے سواروں اور تیر اندازوں کے دستے ترتیب دیتے ان دستوں پر امیر مقرر

فرماتے اور انہیں علم عطا فرماتے۔عساکر اسلام کی یہ شان دیکھ کر کفار کے دل دہل جاتے اور دشمن بدحواس ہو جاتے۔عقابی شان کے جانباز جذبہ ایمانی سے سرشار ہو کر ہبل کے پجاریوں سے یوں ٹکراتے ہیں کہ تاریخ انسانی میں اسکی مثالیں نہیں ملتیں۔کفر و اسلام کے معرکوں میں باپ اور بیٹے، چچا اور بھتیجے، بھائی اور بھائی خونی رشتوں کو فراموش کر کے آمنے سامنے آئے اور جذبہ ایمانی سے کفر کے ستونوں سے ٹکرا گئے۔اس کی بنیادی وجہ محبت نبویؐ ہے کہ ان جانثاروں اور سرفروشوں کے قلوب میں حُبِ نبویؐ کے شعلے موجزن تھے۔جتنی محبت رسولؐ زیادہ ہوگی مشکل سے مشکل اعمال بھی ادا کرنے نہایت آسان ہیں۔ایسے مواقع پر ہادی عالم ﷺ کی غیر معمولی اور بے مثال قائدانہ قابلیت (آپ کی ابدی اور عالم گیر رسالت کے ساتھ جو اس سب کی بنیاد اور سر چشمہ الہام ہدایت ہے) پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ ریز رہتی تھی اور عساکر اسلام اعداء اسلام کی صفوں میں جا کر اپنی شجاعت کے جوہر دکھلاتے اور کفار کی صفیں درہم برہم ہو جاتیں۔

مِنۡ كُلِّ مُنۡتَدِبٍ لِلّٰهِ مُحۡتَسِبٍ
يَسۡطُوۡ بِمُسۡتَأۡصِلٍ لِّلۡكُفۡرِ مُصۡطَلِمٖ

لشکر اسلام میں ہر ایک مجیب دعوت حق تھا اور اللہ سے امید اجر رکھتا تھا اور دشمن پر حملہ کفر کی جڑیں اکھاڑ پھینکنے کو ہوتا تھا۔

یعنی مجاہدین اسلام میں ہر شخص حضور ﷺ کے حکم کا مطیع تھا اور وہ خالص اعلاء کلمۃ الحق کی خاطر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے لڑتا تھا اور ان کا یہ جہاد فی سبیل اللہ کفر کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے ہوتا۔سورہ بقرہ میں مسلمانوں کو قتال کا حکم دیتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔وقتلوھم حتیٰ لاتکون فتنۃ ویکون الدین للہ۔ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ کیلئے ہو جائے۔(بقرہ:۱۹۳) یہاں حتیٰ کے لفظ نے ایک حد کھینچ دی ہے جب تک فتنہ باقی رہے اور اشاعت اسلام کے راستہ میں رکاوٹیں دور نہ ہوں اس وقت تک جنگ کی جائے اور اس کا مقصد بھی قرآن حکیم نے واضح فرما دیا ہے کہ: و جعل کلمۃ الذین کفروا السفلیٰ وکلمۃ اللہ ھی العلیا۔کہ کافروں کا بول نیچا ہو اور اللہ کا کلمہ سربلند ہو۔ایک روایت میں وارد ہے کہ ایک شخص حضور کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی یارسول اللہؐ قتال فی سبیل اللہ کیا ہے؟ ہم میں سے کوئی شخص جوش غضب میں لڑتا ہے اور کوئی حمیت قومی کی بنا پر۔آپؐ نے سر اٹھایا اور جواب دیا کہ جو شخص اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے لڑتا ہے اس کی جنگ فی سبیل اللہ ہے اور ایسے لوگوں کے لئے اللہ جل شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں۔ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہٖ صفاً کانھم بنیان مرصوص (الصف:۴)

اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف باندھے ہوئے جم کر لڑتے ہیں گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں یہ وہ حق پرستی کی جنگ ہے جس میں ایک رات کا جاگنا ہزار راتیں جاگ کر عبادت کرنے سے بڑھ کر ہے۔ جس کے میدان میں جم کر کھڑے ہونا گھر بیٹھ کر ۶۰ برس تک نمازیں پڑھتے رہنے سے افضل بتلایا گیا ہے۔ جس میں جاگنے والی آنکھ پر دوزخ کی آگ حرام کر دی گئی ہے جس کی راہ میں غبار آلود ہونے والے قدموں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ کبھی آتش دوزخ کی طرف نہ گھسیٹے جائیں گے۔ قرآن مجید میں ہر جگہ جہاد فی سبیل اللہ کے عوض خدا کی خوشنودی اور اللہ کے ہاں بڑا درجہ ملنے اور عذاب الیم سے محفوظ رہنے کی توقع دلائی گئی ہے۔

حَتّٰى غَدَتْ مِلَّةُ الْاِ سْلَامِ وَهْيَ بِهِمْ
مِنْ بَعْدِ غُرْ بَتِهَا مَوْ صُوْلَةَ الرَّحِمِ

یہاں تک کہ ملت اسلامیہ کی بدولت ان کی یہ حالت ہوگئی کہ پہلے وہ سب سے جدا اور غریب الوطن ہو گئے اور از اں بعد وہ بڑی برادری اور عزیز و اقارب والے ہو گئے۔

یعنی جن خوش نصیبوں نے اسلام قبول کیا ان کی حالت یہ ہوگئی تھی کہ اپنے قریب ترین عزیز رشتہ داروں نے ان سے منہ پھیر لیا تھا اور کفار مکہ نے ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا۔ لیکن جب وہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے اور امام الانبیاء ﷺ نے مہاجرین اور انصار میں نظام مواخات قائم فرمایا تو وہ سب سے بڑی برادری اور عزیز و اقارب والے ہو گئے۔ حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہوئے تو شمع رسولؐ کے پروانے بھی جو در جوق حاضر ہونے لگے تو چند ہزار کی آبادی رکھنے والی متوسط بستی میں ان مہاجرین کی آبادکاری ایک مسئلہ بن گئی مگر امام الجن والانس ﷺ نے کمال حکمت سے یہ معاملہ طے فرمایا تاریخ عالم میں اسکی کوئی مثال نہیں ملتی۔ آپ نے ایک ایک انصاری کے ساتھ ایک ایک مہاجر کا برادرانہ رشتہ قائم کر دیا۔ انصار کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے مال۔ مساکن۔ باغات اور کھیت آدھوں آدھ بانٹ کر اپنے مہاجر بھائی کو دے رہے تھے اور بعض یہاں تک تیار ہو گئے کہ دو دو بیویوں میں سے ایک ایک کو طلاق دے کر اپنے مہاجر بھائیوں کے حوالہ کر دیں۔ مہاجر صحابہؓ جواب دیتے اللہ تمھارے گھر والوں اور مال و اسباب میں برکت عطا فرمائے بس تم ہمیں کھیت یا بازار کا راستہ بتاؤ ہم تجارت اور مزدوری کر کے پیٹ پال لیں گے۔ جو لوگ اسلام قبول کرنے کے باعث اپنی برادری سے کٹ گئے تھے اور اپنے آپ کو تنہا اور بے کس محسوس کرتے تھے اب وہ اپنے آپ کو عالمی برادری کا ایک

معز ز رکن تصور کرنے لگے ۔ یہ اسلامی بھائی چارہ ایسا تھا کہ جس کی بنیاد صرف اور صرف اسلام تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو دو آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ پھر سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا یہ میرا بھائی ہے اور مدینہ طیبہ کے اس معاشرہ کو نبی رحمت ﷺ نے ایک مثالی معاشرہ بنا دیا اور اپنی امت کے اتحاد کی بنیاد فقط دین اور عقیدہ کو قرار دیا۔ ہر وہ شخص جو دین اسلام قبول کرتا ہے وہ عربی ہو یا عجمی۔ شرقی ہو یا غربی۔ اسود ہو یا احمر۔ امیر ہو یا فقیر۔ چاہے کوئی زبان بولتا ہو اس معاشرہ کا حصہ بن سکتا ہے۔ مواخات کی اس حکیمانہ حکمت عملی سے ایک نئی امت وجود میں آ گئی اور ان نفوس قدسیہ نے ایثار و قربانی کی ایسی لازوال مثالیں پیش کیں کہ اقوام عالم آج تک ان کی ایک نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

مَكْفُوْلَةً اَبَداً مِّنْهُمْ بِخَيْرِ اَبٍ
وَخَيْرَ بَعْلٍ فَلَمْ تَيْتَمْ وَلَمْ تَئِمِ

ملت اسلامیہ ہمیشہ کے لئے محفوظ و مامون ہوگئی ہر دشمن سے بسبب بہترین مربی اور پدر کے پس ہرگز یتیم نہ ہوگی اور ہرگز بیوہ نہ ہوگی۔

یعنی حضور نبی کریم اس پوری امت اسلامیہ کے روحانی باپ ہیں اور سید و مالک ہیں اور اتنے عظیم نبیؐ کی وجہ سے جن کی نبوتؐ تا قیامت باقی رہے گی یہ ملت اسلامیہ یتیم نہ ہوگی۔ اس شعر میں بطریق تمثیل پدر و شوہر سے مراد مربی اور متکفل ہے جیسا مربی اولاد کا پدر ہوتا ہے اور متکفل زوجہ کا شوہر یعنی کفالت کرنے والا ہوتا ہے تمام اہل حق کا اجماعی عقیدہ ہے اور بلا شبہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں آپ کو رزق دیا جاتا ہے اور آپ تمام لذتوں اور عبادتوں سے متمتع ہیں مگر ان نگاہوں سے اوجھل ہیں جو ان ارفع مقامات تک رسائی سے قاصر ہیں۔ اور تمام امت کے اعمال ہفتہ میں دو دفعہ جناب سید الکونین ﷺ کو پیش کئے جاتے ہیں نیز حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے بھی انبیاء علیھم السلام مبعوث ہوئے ان کی وفات کے بعد ان کی شریعت ختم ہوگئی لیکن جناب امام الانبیاء ﷺ چونکہ خاتم الانبیاء اور خاتم المرسلین ہیں اور آپ کی نبوت آپ کی لائی ہوئی شریعت تا قیامت باقی رہے گی تو پھر یہ امت کیسے یتیم ہو سکتی ہے اور اس امت پر اللہ کا خصوصی انعام یہ بھی ہے کہ۔ وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم ۔ یعنی اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔ یعنی حضور رحمت للعالمین ﷺ امان اعظم ہیں اور حیات النبیؐ اور

ختم النبوتؐ کے باعث ہمیشہ کے لئے محفوظ و مامون ہے ملت اسلامیہ۔ کیونکہ اس امت کا نگہبان گنبد خضراء میں مقیم ہے پس یہ امت نہ بیوہ ہے اور نہ یتیم ہے اور محسن اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر میں قیامت میں پل صراط پر گزرنے کے وقت بھی کام آئیں گے جب قیامت کی ہولنا کیوں میں تمام انبیاء بھی یارب نفسی نفسی پکار رہے ہوں گے ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یارب امتی امتی فرمارہے ہوں گے۔ یہ کتنے عظیم احسانات ہیں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ملت اسلامیہ پر۔ اب ہم ذرا سوچیں کہ ہمیں اپنے آقا کریمؐ سے کتنی محبت ہے؟ ہم ان کے عظیم ترین احسانات کا کیا بدلہ دے رہے ہیں ان کے کتنے ارشادات عالیہ پر عمل پیرا ہیں اور ان پر روزانہ کتنی تعداد میں درود شریف پڑھ رہے ہیں۔ جتنا زیادہ درود شریف پڑھیں گے اتنا زیادہ قرب نبویؐ حاصل ہوگا۔

هُمُ الْجِبَالُ فَسَلْ عَنْهُمْ مُصَادِمَهُمْ

مَاذَا رَاٰى مِنْهُمْ فِيْ كُلِّ مُصْطَدَمِ

عساکر اسلام پہاڑوں کی مانند مضبوط اور قائم تھے ان کا استقلال وثبات ان میدانوں سے پوچھ کہ انہوں نے ہر رزم گاہ میں شجاعت کے کیسے جوہر دکھلائے۔

یعنی عسکر اسلام ثبات اقدام میں پہاڑوں کی مانند تھا۔ جو میدان جنگ میں نہایت استقلال سے سینہ سپر ہوجاتے تھے اور ان کی شجاعت و بہادری کی وہ میدان بھی گواہی دے دیں گے جہاں انہوں نے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے میدانوں سے شجاعت کا پوچھنے کا مطلب یہ ہے کہ کفار تہس نہس ہوگئے اور ان میں بتلانے والا کوئی نہ رہا اور میدان جنگ باقی ہیں اس لئے ان سے لشکر اسلام کے احوال پوچھ لیے جائیں۔ میدان بدر۔ احد اور جنگ خندق ایسے محیر العقول معرکے ہیں جو نتیجہ کے اعتبار سے تاریخ انسانی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ آپ غزوہ بدر کو ہی دیکھ لیں کہ نہایت قلیل تعداد میں لشکر اسلام نے کفار کی قیادت کی صفیں غارت کردیں اور قریش کی کمر ٹوٹ گئی اور ان کا غرور قوت خاک میں ملا دیا۔ غازیان اسلام کی شجاعت کی لازوال داستانیں ضرب المثل بن گئیں۔ اور انہوں نے غزوات میں وہ کارہائے نمایاں انجام دئے اور اپنی تلواروں اور اپنے خون سے وہ باب رقم کئے جن پر تا قیامت اہل اسلام کو فخر رہے گا۔

فَسَلْ حُنَيْناً وَسَلْ بَدْراً وَسَلْ اُحُداً

فُصُوْلُ حَتْفٍ لَهُمْ اَدْهٰى مِنَ الْوَخَمِ

اور پوچھ غزوہ حنین سے اور پوچھ بدر سے اور پوچھ احد سے یہ موسم کفار کے لئے آفت و بلا اور وباء

عام سے زیادہ نقصان دہ تھے۔

یعنی غزوات بدر۔ احد و حنین سے پوچھ کر معلوم کیا جا سکتا ہے کہ ان تینوں غزوات میں موت کس طرح وباء کی صورت اختیار کر کے مشرکین مکہ میں پھیل گئی اور جن ایام میں یہ غزوات ہوئے وہ کفار کے لئے کتنے مضرت رساں تھے اب ہم تینوں غزوات کا مختصر اجمالی خاکہ شعری ترتیب سے ہٹ کر سنین کے اعتبار سے نظر قارئین کرتے ہیں۔ قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ولقد نصرکم اللہ ببدرٍ وانتم اذلۃٌ فاتقو اللہ لعلکم تشکرون۔ اور بیشک مدد فرمائی تھی اللہ تعالیٰ نے تمہاری (میدان) بدر میں حالانکہ تم بالکل کمزور تھے پس ڈرتے رہا کرو اللہ تعالیٰ سے تاکہ تم (اس بروقت امداد کا) شکر ادا کرسکو۔ (آل عمران: ۱۲۳)

غزوہ بدر الکبریٰ

غزوہ بدر الکبریٰ تاریخ اسلام کا وہ معرکہ ہے جو اسلام اور کفر۔ حق اور باطل کا پہلا ٹکراؤ تھا۔ اس عظیم معرکہ میں لشکر اسلامی کی تعداد لشکر کفار کی تعداد سے ایک تہائی تھی۔ اسلحہ و دیگر حربی وسائل بھی بہت ہی قلیل تھے۔ اور کفر کا سردار ابوسفیان بڑے کروفر کے ساتھ دین اسلام کی بے سروسامانی سے نبرد آزما ہونے کے لئے تین گنا فوج لے کر کافرانہ غرور اور رعونت کے ساتھ میدان میں آیا لیکن اسے ایسی فیصلہ کن ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا جس نے اس کی کمر توڑ دی اگرچہ کفر کا یہ سردار ابوسفیان اپنی اس ہزیمت اور رسوائی کا بدلہ لینے کے لئے تاحیات طاغوتی طاقتوں کو ہر حیلے بہانے سے حق سے ٹکراتا رہا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اسے خائب و خاسر ہی رکھا اور ہر دفعہ پہلے سے زیادہ ذلیل اور رسوا ہوتا رہا۔ مؤرخین نے معرکہ حق و باطل کو غزوۂ بدر الکبریٰ یا غزوہ بدر العظمیٰ کے نام سے یاد کیا ہے مگر اللہ جل جلالہٗ نے اس معرکہ کا نام قرآن مجید میں یوم الفرقان فرمایا ہے یعنی جس دن حق اور باطل کے درمیان فرق آشکارا ہو گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وما انزلنا علیٰ عبدنا یوم الفرقان یوم التقی الجمعٰن۔ اور جیسے ہم نے اتارا اپنے (حبیب) بندہ پر فیصلہ کے دن جس روز آمنے سامنے ہوئے تھے دونوں لشکر (الانفال: ۴۱) آئمۃ الکفر کے جد امجد ابوسفیان ایک قافلہ کی قیادت کرتے ہوئے مکہ سے شام جا رہا تھا۔ اور یہ قافلہ تجارت کی بجائے جنگی کاروائی کا دیباچہ تھا ابوسفیان جو نہایت شاطر شخص تھا مدینہ سے گزرتے ہوئے محسوس کیا کہ مسلمان زور پکڑ رہے ہیں اور عوام اسلام میں داخل ہو رہے ہیں اور ان کی بڑھتی ہوئی تعداد کفار کے لئے خطرہ ہو سکتی ہے چنانچہ اس نے فوجی امداد طلب کرنے کے لئے اپنا قاصد مکہ دوڑایا اور قافلے کا راستہ بدل دیا۔ قاصد نے مکہ پہنچ کر ابوسفیان کی ہدایت

کے مطابق عربوں کے مخصوص اسلوب پر اونٹ کے کان کاٹے۔ناک چیری۔کجاوا الٹا اور قمیض پھاڑ دی اور روایتی نذیر عریاں بن کر دہائی دی کہ قریش کے لوگو! اپنے قافلہ کو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے بچانے نکلو۔اس مروج ڈرامائی انداز نے مکہ بھر میں سخت ہیجان پیدا کر دیا اور ابوسفیان کی شیطانی چال کامیاب ہوگئی چنانچہ ائمۃ الکفر۔عتبہ۔شیبہ۔ولید۔امیہ بن خلف اور ابوجہل وغیرہ کی سرکردگی میں کیل کانٹے سے مکمل لیس ایک مضبوط اور جنگ جو فوج جس کی تعداد نو سو پچاس تھی ان کے پاس ایک سو گھوڑے جن پر زرہ پوش سوار تھے پیدل سپاہیوں کے لئے زرہیں ان کے علاوہ تھیں اور اس فوج کے علاوہ ان کے ساتھ رقص کرنے والی کنیزیں تھیں جو دف بجا بجا کر انہیں جوش دلانے والے گیت گا رہی تھیں اور مسلمانوں کو ہجو میں اشعار سنا کر ان کی آتش غضب کو اور بھڑکا رہی تھیں یہ قریشی فوج بڑے طمطنے کے ساتھ بدر کے کنارے تک آ پہنچی۔ادھر ۱۲ رمضان المبارک ۲ ہجری بروز ہفتہ کو جناب امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تین سو سے کچھ زائد جانثاروں کے ہمراہ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے اور اس سے پہلے لشکر اسلامی کے پاس صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے اور عمومی پرچم جہاد حضرت مصعب بن عمیرؓ کے پاس تھا اور مہاجرین کا پرچم حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے پاس اور انصار کا پرچم حضرت سعد بن معاذؓ کے پاس تھا۔لشکر اسلامی بھی دل میں شوق شہادت لئے اللہ کا ذکر کرتے ہوئے وادی بدر میں داخل ہوگیا۔رات کو اللہ تعالیٰ نے بادل بھیج دیئے خوب موسلا دھار بارش ہوئی لشکر اسلام ریتلے علاقہ میں خیمہ زن تھا اس بارش کی وجہ سے وہ ریت جم کر پختہ ہوگئی اور مسلمان آسانی سے چلنے پھرنے لگے لیکن قریش جس جگہ خیمہ زن تھے وہاں بارش کی وجہ سے ہر طرف کیچڑ ہی کیچڑ ہو گیا جس وجہ سے ان کے لئے چلنا پھرنا دشوار ہوگیا رات بھر وہ اپنے خیموں میں محصور ہو کر بیٹھے رہے جبکہ مسلمانوں کو خوب نیند آئی جس وجہ سے ان کی سفر کی تھکاوٹ دور ہوگئی اس تمام رات جناب امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک درخت کے نیچے نماز پڑھتے رہے۔صبح ہوئی تو اپنے ہمراہیوں کو آواز دی اور نماز کے لئے بلایا اور نماز کے بعد جہاد پر خطبہ ارشاد فرمایا۔قریش بھی جنگ کے لئے بے تاب تھے وہ بھی سویرے سویرے خوب بن سنور کر بڑے طمطراق اور کافرانہ رعونت کے ساتھ میدان میں آنا شروع ہوئے جب ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لشکر کفار کو اس طرح تکبر سے آتے دیکھا تو اپنے پروردگار عالی کی جناب میں دعا کے لئے ہاتھ بلند فرمائے اور عرض کی اے اللہ! یہ قریش کا لشکر ہے جو بڑے تکبر سے اور فخر سے چلا آ رہا ہے تاکہ تیرے ساتھ ٹکرائے اور تیرے رسولؐ کو جھٹلائے۔اے اللہ اپنی وہ مدد بھیج جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے اے اللہ کل ان کو ہلاک کر دے۔اشکوں کی زبان سے نصرت حق کے لئے بارگاہ رب العزت میں جو دعائیں

جو التجائیں کی گئی ہوں گی ان کی قبولیت کا کیا عالم ہوگا۔ اگرچہ بارگاہ الٰہی سے فتح ونصرت کی وعدہ ہو چکا تھا۔ عناصر عالم آمادہ امداد تھے ملائکہ کی فوجیں ہمرکاب تھیں تاہم عالم اسباب کے لحاظ سے سرورکون ومکان ﷺ نے اصول جنگ کے مطابق فوجیں مرتب فرمائیں۔ دست مبارک میں ایک تیر تھا اس کے اشارہ سے صفیں قائم فرماتے تھے کہ کوئی شخص تل بھر آگے یا پیچھے نہ رہے۔ لڑائی میں شوروغل عام بات ہے لیکن منع کر دیا گیا کہ کسی کے منہ سے آواز تک نہ نکلنے پائے۔ اب حق کے علمبردار اور باطل کے پرستار صفیں باندھ کر آمنے سامنے کھڑے ہیں مسلمانوں کی قلیل تعداد اور بے سروسامانی کو دیکھ کر کفار کے تکبر اور رعونت میں مزید اضافہ ہوگیا اور ابوجہل نے للکارا اور اپنے ساتھیوں کو کہا لات وعزیٰ کی قسم! ہم ہرگز واپس نہیں ہوں گے جب تک ان مٹھی بھر مسلمانوں کو تتر بتر نہ کر دیں۔ عتبہ جو سردار لشکر تھا سب سے پہلے وہ اپنے بیٹے اور بھائی کو لے کر میدان میں نکلا اور مبارزطلبی کی۔ عرب میں دستور تھا کہ نامور لوگ کوئی امتیازی نشان لگا کر میدان جنگ میں جاتے تھے عتبہ کے سینہ پر شتر مرغ کے پر تھے۔ حضرت عوفؓ۔ حضرت معاذؓ۔ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ مقابلہ کو نکلے عتبہ نے نام پوچھا اور جب یہ معلوم ہوا کہ یہ انصار ہیں تو عتبہ نے کہا کہ ہم کو تم سے غرض نہیں پھر حضور سرور کائنات ﷺ کی طرف مخاطب ہو کر پکارا کہ اے محمدؐ یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں حضور فخر دو عالمؐ نے حضرت حمزہؓ۔ حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ کو میدان میں بھیجا۔ عتبہ حضرت حمزہؓ سے اور ولید حضرت علی علیہ السلام سے مقابل ہوا اور دونوں مارے گئے عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہؓ کو زخمی کر دیا تاہم شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے بڑھ کر شیبہ کو واصل جہنم کر دیا۔ اور حضرت عبیدہؓ کو کندھے پر اٹھا کر جناب رسول مقبول ﷺ کی خدمت میں لائے۔ حضرت عبیدہ نے ہادی عالم ﷺ سے پوچھا کہ کیا میں دولت شہادت سے محروم رہا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا نہیں تم نے شہادت پائی۔ حضرت عبیدہؓ نے کہا کہ آج اگر حضرت ابوطالب علیہ السلام زندہ ہوتے تو تسلیم کرتے کہ ان کے اس شعر کا مستحق ہوں۔

ونسلمہ حتی نصرع حولہ ونزھل عن ابنائنا والحلائل۔ ہم (محمد ﷺ کو اس وقت دشمنوں کے حوالہ کریں گے جب ان کے گرد لڑ کر مر جائیں اور ہم اپنے بیٹوں اور بیبیوں سے بھلا نہ دیئے جائیں۔

ہندہ زوجہ ابوسفیان کو جب عتبہ شیبہ اور ولید کے واصل جہنم ہونے کی اطلاع ملی تو اس نے نذر مان لی کہ وہ حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبائے گی (اس واقعہ کی تفصیل غزوہ احد کے بیان میں پیش کی جائے گی) کفر کے یہ تینوں سردار جب پہلے حملہ ہی میں واصل جہنم ہوئے تو ابوجہل کو اندیشہ ہوا کہ کفار حوصلہ نہ ہار دیں ابوجہل نے بلند آواز سے یہ نعرہ لگایا ہمارا مددگار عزیٰ ہے اور تمہارے پاس کوئی عزیٰ نہیں جو تمہاری مدد کرے۔

سرکار دو عالم ﷺ نے مجاہدین اسلام کو حکم دیا کہ اس مشرکانہ نعرہ کے جواب میں یہ نعرہ بلند کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہمارے مقتول جنت میں ہیں اور تمہارے مقتول دوزخ کا ایندھن بنیں گے اب عام حملہ شروع ہوگیا اور دونوں لشکر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے مشرکین اپنے بل بوتے پر لڑ رہے تھے لیکن سرکار دو عالم ﷺ عریش میں تشریف فرما تھے اور سر بسجدہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کی قوت کا سہارا ڈھونڈ رہے تھے قرآن مجید فرقان حمید نے اس واقع کی منظر کشی یوں فرمائی ہے۔ اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملئکة مردفین ہ وما جعله الله الا بشریٰ ولتطمئن بہ قلوبکم وما النصر الا من عند الله ان الله عزیز حکیم۔ (الانفال: ۱۰۹) یاد کرو جب تم فریاد کر رہے تھے اپنے رب سے تو سن لی اس نے تمہاری فریاد (اور فرمایا) یقیناً میں مدد کرنے والا ہوں تمہاری ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ جو پے در پے آنے والے ہیں اور فرشتوں کے نزول کو اللہ تعالیٰ نے ایک خوش خبری بنا دیا تا کہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں اور مدد اللہ ہی کی طرف سے ہے، بیشک اللہ تعالیٰ بہت غالب ہے حکمت والا ہے۔

پھر حضور سرور کائنات عریش سے اپنے صحابہ کے پاس تشریف لے آئے اور بنفس نفیس اس جنگ میں شریک ہوئے۔ امام المتقین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اپنے نبی معظمؐ کی شجاعت و جرأت اور اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کے شوق کا یوں ذکر فرماتے ہیں۔ بدر کے دن جب جنگ شروع ہوئی تو جناب رسول اللہ ﷺ ہماری پیشوائی فرما رہے تھے اور ہم حضورؐ کے ساتھ اپنا بچاؤ کر رہے تھے اور سب سے سخت جنگ کرنے والے اس دن حضورؐ تھے اور حضورؐ سے زیادہ مشرکین کے نزدیک کوئی نہیں تھا۔ ابو جہل کی شرارت اور دشمنی اسلام کا عام چرچا تھا اس بنا پر انصار میں سے حضرت معاذؓ اور حضرت معوذؓ دو بھائیوں نے عہد کیا تھا کہ یہ شقی جہاں نظر آئے گا تو اس کو مٹا دیں گے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کا بیان ہے کہ میں صف میں تھا کہ دفعۃً مجھ کو داہنے بائیں دو نوجوان نظر آئے ایک نے مجھ سے کان میں پوچھا کہ ابو جہل کہاں ہے؟ میں نے دونوں کو اشارے سے بتایا کہ وہ ابو جہل ہے بتانا تھا کہ وہ دونوں باز کی طرح جھپٹے اور ابو جہل کو واصل جہنم کر دیا۔ امیہ بن خلف بھی نبی آخر الزمان ﷺ کا شدید ترین دشمن تھا۔ حضرت بلالؓ نے اسے دیکھ لیا تو یا معشر الانصار کہہ کر انصار کے جوانوں کو مدد کے لئے بلایا اور کہا کہ یہ ہے کفر کا سرغنہ امیہ بن خلف۔ پس حضرت بلالؓ نے اور ان کے ساتھیوں نے اپنی تلواروں کے پیہم واروں سے اس کے پرزے اڑا دیئے۔

مختلف آئمہ حدیث امام مسلم نسائی امام احمد نے متعدد صحابہ کرامؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جنگ سے ایک روز قبل جناب صادق المصدوقؐ نے میدان جنگ کا معائنہ فرمایا۔ حضورؐ جب گزرتے تو فرماتے۔

اگر اللہ نے چاہا تو کل اس جگہ فلاں کی لاش گری پڑی ہوگی۔قریش کے رئیسوں کا نام لے لے کر بتایا کہ اس جگہ کل فلاں کی لاش گری ہوگی۔جنگ کے بعد مسلمانوں نے جب ان مرداروں کا جائزہ لیا تو ہر ایک کو وہاں ہی گرا ہوا پایا۔جہاں اس کے بارہ میں ہادی برحق ﷺ نے فرمایا تھا۔حق و باطل کا یہ معرکہ سترہ رمضان المبارک کو وقوع پذیر ہوا صبح کے وقت لڑائی شروع ہوئی اور زوال آفتاب تک جاری رہی جب سورج ڈھلنے لگا تو کفار کے قدم اکھڑ گئے اور انہوں نے راہ فرار اختیار کی۔بایں ہمہ خاتمہ جنگ پر معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں سے صرف ۱۴ جان نثاروں نے جام شہادت نوش کیا جن میں ۶ مہاجر اور باقی انصار تھے لیکن دوسری طرف قریش کی اصلی طاقت ٹوٹ گئی اور روسائے قریش جو شجاعت میں نامور اور قبائل کے سپہ سالار تھے ایک ایک کر کے مارے گئے ان میں شیبہ۔عتبہ۔ابو جہل۔وابوالبختری۔زمعہ بن الاسود۔عاص بن ہشام۔امیہ بن خلف۔منبہ بن الحجاج قریش کے سردار تھے تقریباً ۷۰ آدمی قتل ہوئے۔کفار کے نو سرداروں کو یکے بعد دیگرے حیدر کرار کرم اللہ وجہہ نے جہنم واصل کیا۔ابوسفیان نے اسی وجہ سے نذر مانی تھی کہ جب تک رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں سے اس کی دوبارہ جنگ نہیں ہوگی اس وقت تک وہ اپنے سر پر پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ڈالے گا۔غزوہ سویق اور غزوہ احد بھی ابوسفیان کی قلبی خواہشات کی وجہ سے انعقاد پذیر ہوئے۔جن میں جاہلی حمیت اور جذبہ انتقام کارفرما تھا۔بہر حال اہل مکہ کو جوں ہی اپنے عزیز و اقارب کے مقتول ہونے کی اطلاع ملی، گھر گھر صف ماتم بچھ گئی ہر طرف سے گریہ وزاری۔آہ فغان کی آوازیں بلند ہونے لگیں دلدوز اور جگر سوز چیخوں نے مکہ کی ساری فضا کو سوگوار بنا دیا۔پھر قریش نے منادی کرادی کہ کوئی شخص رونے نہ پائے۔قریش کے ستر سے زائد آدمی قیدی بنا لئے گئے اور حضور پرنور ﷺ مظفر و منصور ہو کر ۲۲ رمضان المبارک بروز جمعۃ المبارک مدینہ طیبہ تشریف لائے۔جنگی قیدیوں کے بارہ میں حضور ﷺ نے تعلیم امت کے لئے اپنے صحابہؓ سے مشورہ فرمایا اور باتفاق رائے یہ فیصلہ ہوا کہ ان سے فدیہ لیا جائے اور ان کو آزاد کر دیا جائے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ما کان لنبی ان یکون لہ اسریٰ حتیٰ یثخن فی الارض تریدون عرض الدین واللہ یرید الاخرۃ واللہ عزیز حکیم۔نہیں مناسب نبی کے لئے کہ ہوں اس کے پاس جنگی قیدی یہاں تک کہ غلبہ حاصل کر لے زمین میں تم چاہتے ہو دنیا کا سامان اور اللہ چاہتا ہے (تمھارے لئے) آخرت اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور دانا ہے (انفال: ۶۷) بعض لوگوں نے اس مسئلہ پر طویل بحث کی ہے اور مقام رسولؐ کے منافی باتیں کی ہیں۔ان آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے علامہ قرطبیؒ نے نہایت صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ آیت بدر کے روز نازل ہوئی اس میں اللہ تعالیٰ کی طرح سے صحابہ پر عتاب فرمایا جا رہا ہے آیت کا مطلب یہ

ہے کہ تمھارے لئے یہ مناسب نہ تھا کہ تم کفار کی قوت کو پوری طرح کچل دینے سے پہلے انہیں قیدی بناتے اور ان سے فدیہ وصول کرتے تم اس طرح دنیا کے سامان کا ارادہ رکھتے تھے نبی کریم ﷺ نے نہ کفار کو قید کرنے کا حکم دیا اور نہ متاع دینا کو کبھی لائق اعتناء سمجھا۔ یہ غلطی عام مجاہدین سے سرزد ہوئی۔ پس یہ عتاب انہی لوگوں پر ہے جنہوں نے فدیہ لینے کا مشورہ دیا۔

نیز ملامت اور سرزنش ان لوگوں کو کی گئی ہے جو مکمل کامیابی سے پہلے مادی اغراض کی وجہ سے قیدی بنانے میں مشغول ہو گئے تھے اور اس کا رسول اللہؐ کی ذات بابرکات اور مقاصد جہاد کی تکمیل میں مصروف مومنین سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ سورہ محمد کی آیت نمبر ۴ نہایت واضح ہے: فاذا القیتم الذین کفروفضرب الرقاب حتیٰ اذا اثخنتموھم فشد والوثاق فامامناً بعدوامافدآءً۔ جس وقت کافروں (اور ان دشمنوں سے جو تمھارے لئے زندہ رہنے کے حق کے قائل نہیں ہیں) سے میدان جنگ میں آمنا سامنا ہو تو ان کی گردنوں پر ضربیں لگاؤ یہاں تک کہ غلبہ حاصل کرلو پھر اس وقت انہیں قتل نہ کرو بلکہ انہیں باندھ لو قیدی بنالو اس کے بعد انہیں فدیہ لے کر یا بغیر فدیہ لئے آزاد کردو۔ تاہم حضور رحمت للعالمین رؤف رحیم ﷺ نے جنگی قیدیوں کو نیا رتبہ دیا اور ہدایت فرمائی کہ ان قیدیوں کو نہایت آرام اور حسن سلوک سے رکھا جائے۔

صحابہؓ نے تعمیل حکم میں خود کھجوریں کھالیں لیکن اپنے چارج میں آئے ہوئے قیدیوں کو پیٹ بھر کر اچھا کھانا کھلایا۔ اور جن اسیروں کے پاس لباس کم تھا ان کو کپڑے دیئے گئے جناب رسول اللہ ﷺ ان قیدیوں سے عفوو درگزر کا معاملہ فرماتے بعض غریب قیدیوں کو اپنی طرف سے رہائی کا حکم جاری فرماتے بعض قیدیوں پر دس مسلمانوں کی تعلیم قرار دی گئی کہ وہ انصار کے بچوں کو پڑھائیں۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے اس طریقہ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ اس حکم میں علم کی جتنی قدردانی اور تعلیم کی جو ہمت افزائی مضمر ہے اس کی توضیح کی شاید ضرورت نہیں۔

غزوہ احد:

جیسا کہ اوپر گزرا ہے کہ کفرو جاہلیت کے امام ابوسفیان نے قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ اپنے عزیزوں کا بدلہ نہیں لے گا وہ غسل جنابت نہیں کرے گا نیز اسکی بیوی ھند جو جگر خوار کے لقب سے مشہور ہے نہایت کینہ و رعورت تھی اس کا باپ عتبہ جنگ بدر میں حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوا اور سگا چچا شیبہ بھی حیدر کرار کرم اللہ

وجہہ کی تلوار سے قتل ہوا جبکہ اس کا بھائی بھی اس جنگ میں مارا گیا تو اسی وجہ سے اس کینہ ور عورت کے انتقام کی حد ختم ہوگئی۔ خود ابوسفیان بھی اسلام دشمنی میں سب سے بڑھا ہوا تھا اور بیوی کا جذبہ انتقام اس پر مستزاد تھا اور وہ ابوسفیان کو چین سے بیٹھنے نہ دیتی تھی بلکہ صبح شام طرح طرح کے طعنے دیتی تھی چنانچہ ابوسفیان اپنی قسم پوری کرنے اور بیوی کی فرمائش مکمل کرنے کی غرض سے معرکہ بدر کے دو ماہ بعد (ذی الحجہ) میں دوسو آدمیوں کے ہمراہ مدینہ کے علاقہ میں آیا اور خفیہ طور پر سلام بن مشکم سے مل کر جنگی ساز باز کرنا چاہی مگر کامیابی کی کوئی صورت نہ دیکھ کر مقام عریض میں درختوں کو تباہ کر کے اور ایک انصاری کو قتل کر کے فرار ہوگیا۔ حضور ﷺ کو جب اس دہشت گردی کی اطلاع ملی تو تعاقب کے لئے نکلے مگر دہشت گردوں کا یہ گروہ فرار ہوگیا۔ فرار ہوتے ہوئے ان لوگوں نے اپنا بوجھ کم کرنے کے لئے ستوؤں کے تھیلے گرا دیے جو اسلامی دستہ کے قبضہ میں آئے اس لئے اس واقعہ کو غزوہ سویق بھی کہا جاتا ہے۔ ربیع الاخر میں قریش کی طرف سے حملہ کی اطلاع ملی مدینہ منورہ میں ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو قائم مقام بنا کر حضور ﷺ مقابلہ کے لئے بحران کے مقام تک پہنچے اور جمادی الاولیٰ تک سرحدوں کی حفاظت کے لئے موجود رہے مگر بغیر کسی تصادم کے واپسی ہوئی۔ مگر نئے معرکے کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ قافلہ شام سے حاصل شدہ مجموعی منافع جنگی فنڈز میں لے لیا گیا۔ عمرو جمحی اور مسافع جیسے نامور شعراء نے اپنی آتش بیانی سے جنگ کی آگ بھڑکائی اور ساتھ ساتھ رئیس الکفار عتبہ کی بیٹی ھند زوجہ ابوسفیان۔ ام حکیم عکرمہ بن ابوجہل کی زوجہ۔ فاطمہ خالد بن ولید کی بہن۔ ریطہ عمرو بن العاص کی زوجہ نے مل کر ہیجان پیدا کر دیا۔ دشمن اسلام ابوسفیان نے عمرو ابن العاص۔ عبداللہ بن الزبعریٰ، ہیرہ بن ابی وہب مسافع بن عبد مناف اور عمرو بن عبداللہ جمحیکو مختلف قبائل سے امداد حاصل کرنے کے لئے روانہ کیا اور خاصی طاقت جمع ہوگئی اور تین ہزار سپاہ جس میں سات سو زرہ پوش اور دو سو گھوڑ سوار شامل تھے فوجی طاقت کا یہ کافرانہ سیلاب سال بھر کی مکمل جنگی تیاریوں اور منصوبہ بندیوں کے بعد مکہ سے روانہ ہوا مدینہ کی چراگاہوں میں پہنچ کر اطمینان سے سبز چارہ کھلا کھلا کر جانوروں کو موٹا کیا اور کئی دن راستے میں گزار کر بدھ کے روز احد پر انہوں نے پڑاؤ ڈالا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو خصوصی ہدایت کے مطابق دشمن کے کیمپ میں موجود تھے انہوں نے تیز رفتار قاصد دوڑا کر حضور سرور کائنات ﷺ کو دشمن کی جنگی تیاریوں کی اطلاع کر دی اور یہ قاصد ۵ / شوال ۳ھ کو پہنچ گیا۔ حضور معلم ومقصود کائنات ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشاورت طلب کی ادھر لشکر کفار جب ابواء نامی بستی سے گزر رہا تھا تو کفار کے سپہ سالار اعظم ابوسفیان کی بیوی جگر خوار ھند بدبخت نے اپنے شوہر ابوسفیان کو کہا کہ سنا ہے کہ یہاں محمد (ﷺ فداہُ روحی و قلبی) کی والدہ (ماجدہ) کی قبر موجود ہے۔ تم اسے تلاش کرو اور قبر کھود کر نعش اپنے قبضہ میں کرلو۔ اگر جنگ

میں ہمارے لشکر کے کچھ افراد قیدی بن گئے تو ان کا فدیہ درہم و دینار کی بجائے ہم (حضرت) آمنہ (سلام اللہ علیہا) کا ایک ایک عضو دیتے جائیں گے اور اپنے اسیران جنگ کو آزاد کراتے جائیں گے۔ ابوسفیان بے ایمان نے جب یہ بات دیگر قریش کو بتائی تو سب نے اسے پسند کیا لیکن بعض دانشمندوں نے اسکی مخالفت کی اور کہا کہ اگر تم نے قبر کھودنے کی رسم شروع کر دی تو تمہارے دشمن تمہارے اسلاف کی قبروں کو کھود کر ان کی تذلیل شروع کر دیں گے بہتر یہی ہے کہ اس فتنہ کے دروازہ کو بند ہی رہنے دو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے مخدومہ کائنات امام الانبیاء ﷺ کی والدہ ماجدہ کی حرمت کو محفوظ رکھا۔

لشکر قریش بدھ کے دن مدینہ کے قریب پہنچا اور کوہ احد پر پڑاؤ ڈالا۔ آنحضرت ﷺ جمعہ کے دن نماز جمعہ ادا فرما کر سات سو صحابہؓ کے ہمراہ نکلے جن میں ایک سو افراد زرہ پوش تھے۔ حضور معلم و مقصود کائنات ﷺ نے کوہ احد کو پشت پر رکھ کر محاذ جنگ کا نقشہ ترتیب دیا۔ مصعب بن عمیرؓ کو اسلامی پرچم تفویض کیا گیا۔ زبیر بن عوامؓ رسالے کے افسر مقرر ہوئے۔ حضرت حمزہؓ غیر زرہ پوش سپاہیوں کے کمانڈر بنائے گئے۔ پشت کی طرف جبل عینین (جبل رماۃ) کے درے پر پچاس تیر اندازوں کا دستہ تعینات کیا گیا اور اس دستہ کی قیادت عبداللہ بن جبیر کو سونپی گئی۔ قریش نے بھی بدر کے تجربہ کی روشنی میں منظم جنگ کے اس نئے طریقہ کی تقلید کی اور میمنہ پر خالد بن ولید کو مقرر کیا میسرہ عکرمہ بن ابوجہل کے حوالہ کیا سواروں کا دستہ صفوان بن امیہ کی کمانڈ میں دیا گیا تیر اندازوں کے دستے الگ تھے جن کا افسر عبداللہ بن ابی ربیعۃ تھا۔ طلحہ علمبردار تھا اور دو سو گھوڑے ہنگامی صورت حال کے لئے الگ تیار تھے۔ غزوہ احد میں حسب دستور طبل جنگ بجانے کی بجائے قریشی عورتوں کی ایک ٹولی ہند کی قیادت میں جنگی اشعار الاپتے ہوئے آگے آئیں ان اشعار میں کشتگان بدر کا ماتم اور انتقام خون کے رجز تھے۔ ہم آسمانی ستاروں کی بیٹیاں ہیں اور ہم قالینوں پر خرام کرتی ہیں اگر تم آگے قدم بڑھاؤ تو ہم تمھیں گلے لگائیں گی اور پیچھے ہٹو گے تو تم سے الگ ہو جائیں گی۔ ایک طرف یہ شاعرانہ رومانی اور شہوانی اکساہٹ تھی اور دوسری طرف اللہ کی رضا کے علاوہ کوئی چیز باعث تحریک نہ تھی۔ یکا یک میدان میں مشہور راہب ابوعامر نمودار ہوا یہ شخص زہد اور پارسائی میں مشہور تھا اور اسے گمان تھا کہ انصار مجھے دیکھیں گے تو لشکر اسلام کو چھوڑ دیں گے لہٰذ وہ میدان میں آکر پکارا مجھے تم پہنچانتے ہو؟ میں ابوعامر ہوں۔ انصار نے جواب دیا کہ ہاں اے فاسق اور بدکار ہم تمھیں خوب پہنچانتے ہیں۔ اسی ابو عامر کے بیٹے حضرت حنظلہؓ نے حضور رحمت عالم ﷺ سے اپنے باپ پر حملہ کرنے کی اجازت طلب کی مگر سرور کونین ﷺ کے جذبہ رحمت کو یہ پسند نہ آیا کہ بیٹے کی تلوار سے باپ کا خاتمہ ہو۔ اس کے بعد لشکر کفار کا علم

بردار طلحہ بل کھاتے ہوئے صف سے نکل کر پکارا کیوں مسلمانو! تم میں کوئی ہے جو مجھ کو دوزخ میں پہنچا دے یا خود میرے ہاتھوں جنت میں چلا جائے اسے اس بات پر طنز تھا کہ مسلمان ایسے کہتے ہیں جناب حیدر کرار کرم اللہ وجہہ نے صف سے نکل کر فرمایا کہ ہاں میں ہوں یہ کہہ کر تلوار ماری اور دفعتاً اسکی لاش زمین پر آ گری۔ طلحہ کے بعد اس کے بھائی عثمان نے جس کے پیچھے پیچھے عورتیں اشعار پڑھتی آتی تھیں علم ہاتھ میں لیا اور حملہ آور ہوا۔ سیدنا امیر حمزہ ؓ کی تلوار نے اس کا کام بھی تمام کر دیا۔ اب عام جنگ شروع ہوئی۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔ حضرت حمزہ ؓ اور حضرت ابودجانہ ؓ لشکر کفار کی صفوں میں گھس گئے اور صفوں کی صفیں صاف کر دیں جس طرف منہ کرتے کفار بھیڑ بکریوں کو طرح بھاگتے بالاخر کفر پرستوں کے قدم اکھڑ گئے اور ان کی رجز خواں نازنینیں بدحواسی میں بھاگیں اور انکی کمان دار ہندزوجہ ابوسفیان جو شیخیاں بگھارنے اور بڑیں مارنے میں پیش پیش تھی وہ بھی اپنے پائینچے چڑھائے بھاگی جارہی تھی۔ مسلم سپاہ نے محسوس کیا کہ بس اب جنگ ختم ہونے کو ہے بس انہوں نے مال غنیمت سامان جنگ وغیرہ اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ محاذ کا نظام ٹوٹ گیا اور غضب یہ ہوا کہ عقبی ناکے کے تیر اندازوں نے بھی مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے اس درہ کو چھوڑ دیا حالانکہ انہیں تاکید کی گئی تھی کہ وہ فتح وشکست کسی بھی حالت میں وہاں سے نہ ہٹیں۔ حضور صادق المصدوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ الفاظ تھے کہ اگر تم دیکھو کہ پرندے ہماری بوٹیاں نوچے لئے جارہے ہیں تو بھی تم اس جگہ سے نہ ٹلنا۔ حضرت عبداللہ بن جبیر ؓ نے تیر اندازوں کو بہت روکا لیکن وہ رک نہ سکے اور تیر اندازوں کی خالی جگہ دیکھ کر خالد بن ولید نے عقب سے حملہ کر دیا حضرت عبداللہ بن جبیر ؓ چند ساتھیوں سمیت نہایت جم کر لڑے لیکن سب شہید ہو گئے تو خالد کے دستہ نے اب اچانک میدان میں حملہ کر دیا جس سے بھاگتے ہوئے مشرکین بھی پلٹ کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئے اپنی فتح کے سرور سے مسلمان چونکے تو دیکھا کہ تلواروں کی برق ہائے بے تاب سروں پر چمک رہی ہے اور لشکر کفار نے حضور خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کرنے کے لئے ہجوم کر دیا۔ حضرت مصعب بن زبیر ؓ شکل وصورت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ تھے ابن قمیہ نے انہیں شہید کر دیا تو غل مچ گیا کہ خاکم بدہن امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے اس آواز سے عام بدحواسی چھا گئی بڑے بڑے دلیروں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ حضرت عمر بن خطاب ؓ نے ہتھیار پھینک دیئے کہ اب لڑ کر کے کیا لینا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس جنگ میں شریک تھے مڑ کے دیکھتے ہیں۔ تو صرف گیارہ جاں نثار پہلو میں ہیں۔ اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ تلوار چلاتے جاتے تھے اور مشرکوں کی صفوں کی صفیں الٹتے جاتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ نے ابن ہشام کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے کہ غزوہ احد کے دن

ایک ندا آئی لاسیف الا ذوالفقار۔۔ ولا فتیٰ الا علی الکرار۔ کہ سوائے ذوالفقار کے اور کوئی تلوار نہیں اور سوائے علی کرارؑ کے کوئی مرد میدان نہیں۔ پھر حالت پلٹنا شروع ہوئی ہر مسلم سپاہی اپنی اپنی جگہ تلواروں میں گھرا ہوا تھا اور حضور ﷺ کو دیکھنے کے لئے بے تاب۔ سب سے پہلے کعب بن مالک نے سرور عالم ﷺ کو دیکھ لیا اور پکار کر کہا مسلمانو! رسول اللہ ﷺ یہاں موجود ہیں۔ پھر جوں جوں یہ مژدہ جانفزا پھیلتا گیا لشکر اسلام میں نئی روح دوڑتی گئی اور بھاگتے ہوئے مسلمان سپاہی بھی واپس آنے لگے لیکن کفار نے بھی اب ہر طرف سے ہٹ کر اسی رخ پر زور کر دیا اور ایک ازلی بد بخت عبداللہ بن قمیہ جو قریش کا مشہور بہادر تھا حضور سرور کائنات ﷺ کے قریب آ گیا اور چہرہ اقدس پر تلوار سے وار کیا جس کی وجہ سے مغفر کی دو کڑیاں چہرہ اقدس میں چبھ گئیں۔ عتبہ بن ابی وقاص نے رحمت دو عالم ﷺ کو چار پتھر مارے ایک پتھر لگنے سے سامنے والے دو اوپر کے اور دو نیچے کے دانت مبارک شہید ہو گئے۔ علامہ سہیلیؒ کہتے ہیں کہ عتبہ کی اولاد سے ہر بچہ کے سامنے والے چار دانت ناپید ہوتے ہیں اور اس کے منہ سے سخت بدبو آتی ہے۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت:۔

حضرت امیر حمزہؓ بڑے جوش و خروش سے دو دستی تلوار مارتے جاتے تھے اور جس طرف بڑھتے صفوں کی صفیں صاف ہو جاتی تھیں۔ حضرت حمزہؓ لشکر کفار کے ایک علمبردار طاط بن عبد شرجبیل کو تہ تیغ کر چکے تو ان کا سامنا ایک اور مشہور مشرک سباع بن عبدالعزیٰ الغبشانی سے ہوا تو آپ نے اس کو للکارا اور فرمایا اے لڑکیوں کا ختنہ کرنے والی کے بیٹے آ اور حمزہ کا مقابلہ کر۔ جب سباع سامنے آیا تو ایک ہی وار میں اسے خاک پر ڈھیر کر دیا۔ امام بخاری۔ ابو داؤد الطیالسی اور ابن اسحاق اور دیگر اہل تحقیق نے جناب سیدنا حمزہؓ کی شہادت کا واقعہ آپ کے قاتل وحشی کی زبان سے یوں نقل کیا ہے۔ وحشی کا بیان ہے جنگ بدر میں سیدنا حمزہؓ نے جہاں بہت سے دیگر مشرکین کے رؤساء کو واصل جہنم کیا وہاں طعیمہ بن عدی کو بھی واصل جہنم کیا۔ جب مشرکین مکہ جنگ احد کے لئے روانہ ہوئے تو میرے مالک جبیر بن مطعم (جو بعد میں مشرف با سلام ہو گئے) نے مجھے کہا کہ اگر تم میرے چچا طعیمہ کے عوض سرور کون و مکان ﷺ کے چچا حمزہ کو قتل کر دو تو تم آزاد ہو۔ چنانچہ میں بھی لشکر کفار میں شامل ہو کر روانہ ہوا۔ نیز لشکر کفار کے سپہ سالار اعظم ابوسفیان کی بیوی ہند نے بھی وحشی کو طرح طرح کے انعامات و اکرامات دینے کا وعدہ کیا اور ہر طرح کی لالچ دی اور اسے ہر طرح سے آمادہ کیا کہ وہ ہند کے باپ۔ چچا اور بھائیوں کے قاتل سیدنا حمزہؓ کو قتل کرے۔ چنانچہ وحشی کہتا ہے کہ میں حبشی الاصل تھا اور حربہ (چھوٹا نیزہ) مارنے میں کمال مہارت رکھتا تھا شاذ و نادر ہی میرا وار خطا

جاتا۔ جب جنگ شروع ہوئی اور دونوں فریق ایک دوسرے سے مصروف پیکار ہوئے تو میں صرف حضرت حمزہؓ کی سرگرمیوں کو تاڑتا رہا۔ آپ ایک مست خاکستری اونٹ کی طرح دندناتے پھرتے تھے جدھر سے گزرتے آپ کی تلوار آب دار سے صفیں الٹ جاتیں آپ کے مقابلہ میں کسی کو کھڑا ہونے کی جرأت نہ ہوتی۔ میں نے اب ان پر ضرب لگانے کی تیاری کر لی کبھی کسی درخت اور کبھی کسی چٹان کی اوٹ میں چھپتا چھپاتا ان کے نزدیک پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔ اسی اثناء میں سباع بن عبدالعزیٰ الغبشانی سامنے آ نکلا۔ حضرت حمزہؓ نے اسے للکارا اور آن واحد میں اسے واصل جہنم کر دیا اور اس کے بے جان لاشہ سے زرہ اتارنے کے لئے اس پر جھکے۔ میں ایک چٹان کی اوٹ میں تاڑ لگائے چھپ کر بیٹھا تھا۔ حضرت حمزہؓ کا پاؤں پھسلا تو زرہ سرکنے سے آپ کا پیٹ ننگا ہو گیا میں نے اپنے چھوٹے نیزے کو پوری قوت سے اپنی گرفت میں لے کر لہرایا جب مجھے تسلی ہو گئی تو میں نے تاک کر وہ نیزہ آپ کے شکم مبارک پر دے مارا جو ناف کے نیچے سے اندر گھسا اور پار نکل گیا۔ آپ غضب ناک شیر کی طرح مجھ پر جھپٹے لیکن زخم کاری ہونے کی وجہ سے آپ گر گئے میں وہاں چلا آیا جب آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی تو میں وہاں گیا اور وہاں حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کیا اور آپ کا کلیجہ نکالا اور ہند کے پاس لے آیا اور کہا یہ حمزہ کا کلیجہ ہے ہند نے فوراً اسے چبایا اور نگلنا چاہا لیکن تھوک دیا شاید نگل نہ سکی پھر ہند نے اپنے کپڑے اور زیور اتار کر وحشی کو انعام دیے اور مکہ واپس جا کر اسے مزید انعامات وغیرہ دینے کا وعدہ کیا پھر اسے کہا میرے ساتھ چلو اور مجھے حمزہ کی لاش دکھاؤ۔ وہاں پہنچ کر اس سنگ دل عورت نے حضرت حمزہؓ و دیگر شہداء کے کان۔ ناک وغیرہ دیگر اعضاء کاٹے پھر انہیں پرویا اور ان کے کڑے۔ بازوبند اور پازیب بنائے اور جب یہ ڈائن جگر خوار مکہ میں داخل ہوئی تو یہ زیور پہن کر داخل ہوئی۔ وحشی نے آخری عمر اسلام قبول کیا مگر حضور رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے منع کر دیا کہ وہ آپؐ کے سامنے نہ آیا کرے۔ اس حق و باطل کے معرکہ میں ۷۰ مسلمان شہید ہوئے اور ۴۰ زخمی جبکہ لشکر کفار کے صرف ۳۰ آدمی واصل جہنم ہوئے۔ اس معرکہ پر قرآن مجید فرقان حمید نے مفصل تبصرہ کرتے ہوئے ان کمزوریوں پر شدید گرفت کی جو ابھی تک مسلمانوں میں پائی جاتی تھیں۔ اس عظیم معرکے میں گنتی کے چند رفقاء نے جس سرفروشانہ محبت اور والہانہ فداکاری کا مظاہرہ کیا اس کا تصور بھی رہتی دنیا تک عالم اسلام کو اپنی روح مقدس سے مالا مال کرتا رہے گا۔ دونوں فوجیں میدان سے الگ ہوئیں تو مسلمان زخموں سے چور چور تھے۔ حضور نبی کریمؐ کو ابوسفیان کی خباثت اور کمینگی کا مکمل احساس تھا آپؐ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا کون ان کا تعاقب کرے گا فوراً ستر آدمیوں کی ایک جماعت

تیار ہوگئی۔ادھر ابوسفیان جب احد سے روانہ ہو کر مقام روحا تک پہنچا تو اسے خیال آیا کہ اس کا کام نا تمام رہ گیا ہے ابوسفیان نے مدینہ پر حملہ کرنے کی سازش کی لیکن بعض لوگوں کے سمجھانے پر سازش سے باز آ گیا تاہم پیغمبر اسلامؐ اور اسلام کے خلاف سازشوں میں ہر وقت مصروف رہا۔کبھی مختلف قبائل کو بھڑکا کر آگے کر دیتا اور کبھی یہودیوں کو اسلام کے خلاف آگے کر دیتا۔چھوٹے چھوٹے تمام غزوات اسی ابوسفیان کے سازشی ذہن کی پیداوار تھے اور ان غزوات کا اصل محرک یہ ہی کافر اعظم ابوسفیان تھا اور غزوہ احزاب (جنگ خندق) میں عرب کے تمام مشرکین قبائل اور تمام یہودیوں کو مدینہ پر مشترکہ حملہ کرنے کی منصوبہ بندی اسی بوسفیان نے کی تھی اور غزوہ احزاب میں مشرکین اور کفار کی طرف سے سپہ سالار اعظم تھا۔

غزوہ حنین:۔

غزوہ احد کے بعد چھوٹے چھوٹے غزوات کے علاوہ غزوہ احزاب۔غزوہ خیبر اور فتح مکہ تاریخ اسلامی میں اہم ترین غزوات ہیں سیرت کی جملہ کتابوں میں ان پر مفصل بحث موجود ہے جو ناظرین ان غزوات کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہیں وہ سیرت النبیؐ کی کسی کتاب سے بھی استفادہ حاصل کر سکتے ہیں امام بوصیریؒ نے چونکہ اس نعتیہ شعر میں بدر۔احد اور حنین کا تذکرہ فرمایا تھا اس لئے ہم بھی اب بدر واحد کے بعد غزوہ حنین کی تفصیلات پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔اللھم صل وسلم وعلیہ فی کل یومٍ و لیلۃٍ وفی کل لمحۃٍ ولحظۃٍ۔

قرآن مجید فرقان حمید میں دیگر اہم ترین غزوات کے تذکرہ کی طرح غزوہ حنین کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ویوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیاً وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ثم انزل اللہ سکینتہ علیٰ رسولہٖ وعلی المومنین وانزل جنوداً لم تروھا وعذب الذین کفروا وذلک جزآء الکفرین۔(سورہ توبہ۔۴۰)۔ اور حنین کا دن یاد کرو جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے لیکن وہ کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود وسعت کے تنگ محسوس ہونے لگی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔پھر اللہ نے اپنے رسولؐ پر اور مومنین پر تسلی نازل کی اور ایسی فوجیں بھیجیں جو تم نے نہیں دیکھیں اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے۔

مکہ مکرمہ سے جانب شمال مشرق چودہ پندرہ میل کی مسافت پر وادی حنین پڑتی ہے یہاں قبیلہ ہوازن سکونت پذیر تھا اور اس قبیلہ کو اپنی افرادی قوت وکثرت۔نوجوانوں کی شجاعت۔فنون سپہ گری اور خصوصاً تیر اندازی میں بے نظیر مہارت کے باعث تمام عرب قبائل میں ممتاز مقام حاصل تھا۔جب اسلام کی

فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا۔ اور مکہ فتح ہو گیا تو اکثر قبائل نے خود پیش قدمی کر کے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا لیکن ہوازن اور ثقیف قبائل پر اس کا الٹا اثر ہوا۔ جس قدر اسلام کو غلبہ ہوتا جاتا تھا یہ دونوں جنگجو قبائل اتنے زیادہ مضطر ہوتے جا رہے تھے فتح مکہ کے بعد ان قبائل کے رؤساء نے باہم مشورہ کیا کہ مسلمانوں پر ایک عام حملہ کیا جائے اور یہ حملہ اتنی شدت سے اور بھرپور انداز سے کیا جائے کہ اسلام کے پرچم کو سرنگوں کر دیا جائے اور سارے عرب میں اپنی بہادری اور عظمت کی دھاک بٹھا دی جائے۔ چنانچہ فیصلہ کن حملہ کے لئے ہر قبیلہ اپنا تمام اہل و عیال اور مال و متاع کے ساتھ میدان جنگ میں نکل آیا انہیں خیال آیا کہ بچے اور عورتیں ساتھ ہوں گی تو ان کی حفاظت کے لئے لوگ جانیں دے دیں گے۔ لشکر کفار کی تعداد تیس ہزار کے قریب تھی۔ سب نے اتفاق رائے سے مالک بن عوف النصری کو سپہ سالار مقرر کیا۔ حضور پرنور ﷺ کو ان واقعات کی خبریں پہنچیں تو آپؐ نے تصدیق کے لئے حضرت عبداللہؓ بن ابی جدرد کو بھیجا انہوں نے حالات و واقعات معلوم کر کے رحمت دو عالم ﷺ کو آگاہ کیا تو آپؐ نے مجبوراً مقابلہ کی تیاریاں کیں اور ۱۰ شوال ۸ ھ کو وادی حنین پہنچ گئے۔ حضور سرور کونین ﷺ کے ساتھ بارہ ہزار افراد تھے اور اسلحہ وغیرہ سے مکمل لیس تھے مگر دو ہزار وہ نومسلم بھی ساتھ تھے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد چار و ناچار اسلام قبول کیا تھا اور ان کے دل میں اسلام راسخ نہیں ہوا تھا اور بعض وہ لوگ بھی لشکر اسلام کے ہمراہ ہو لئے جنہوں نے ابھی تک اسلام بھی قبول نہیں کیا تھا وہ صرف تماشہ بین کے طور پر چلے جا رہے تھے کہ اگر مسلمانوں کو غلبہ عطا ہوا تو مال غنیمت سے کچھ نہ کچھ مل جائے گا بصورت دیگر ہوازن اور ثقیف کے تیس ہزار نوجوان مسلمانوں کو پیس کر رکھ دیں گے۔ نیز اس لشکر میں شیبہ بن عثمان کی قماش کے کئی افراد بھی شریک تھے جو صرف اس لئے اس لشکر میں شامل ہوئے تھے کہ جنگ کی افراتفری کے عالم میں شاید انہیں ایسا موقع میسر آ جائے کہ وہ حضور پرنور ﷺ کی شمع حیات کو گل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ امام الانبیاء ﷺ نے سحری کے وقت اپنے لشکر کی صفیں درست فرمائیں۔ جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔ حضرت عمر بن خطابؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو جھنڈے عطا فرمائے اور دلدل نامی سفید خچر پر جلوہ افروز ہوئے۔ لشکر اسلام کے میدان جنگ میں پہنچنے سے قبل ہی لشکر کفار نے اپنی کمین گاہوں میں اپنے اپنے مورچے سنبھال لئے اور گھات لگا کر بیٹھ گئے۔ ادھر مسلمانوں نے جب اپنے لشکر اور ساز و سامان کی کثرت کا مشاہدہ کیا تو بعض صحابہ کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکل گئے کہ آج ہم پر کون غالب آ سکتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی اور جوں ہی لشکر اسلام کا مقدمۃ الجیش آگے بڑھا دشمن کے چھپے ہوئے تیر اندازوں نے ان پر تیروں کی بارش شروع کر

دی جس کا مسلمانوں کو گمان بھی نہ تھا جب لشکر کے ہراول دستے نے بھاگنا شروع کیا تو بقیہ لشکر کا سنبھلنا کب ممکن رہتا ہے چنانچہ تمام فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ حضور سرورِ کونین ﷺ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو رفقائے خاص میں سے بھی کوئی پہلو میں نہ تھا۔ ان سنگین حالات میں بھی اللہ تعالیٰ کا سچا نبی اور اس کا محبوب رسول ﷺ کوہ استقامت بنا کھڑا رہا رخ انور پر کسی قسم کی گھبراہٹ اور خوف کے آثار نہ تھے تیروں کی اس برسات میں نبی رحمت ﷺ نے اپنے سفید خچر کو دائیں طرف موڑا اور بلند آواز سے پکارا۔ اے اللہ اور اس کے رسول ؐ کے مددگارو! میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ؐ ہوں بھاگ کر کدھر جارہے ہو۔ میری طرف پلٹو حضور ﷺ کے ساتھ صرف دس جانثار رہ گئے تھے اور نبی اکرم ﷺ اپنی سواری کو ایڑ لگا کر دشمن کی طرف بڑھاتے رہے اور ساتھ یہ اعلان فرماتے رہے۔ أنا النبی لا کذب۔ أنا ابن عبد المطلب۔ میں اللہ کا سچا نبی ہوں اس میں ذرا جھوٹ نہیں میں فخر بنی ہاشم عبد المطلب کا فرزند ہوں۔ پھر امام الانبیاء ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس ؓ کو فرمایا کہ بلند آواز سے انہیں آواز دو۔ حضرت عباس ؓ نے باآواز بلند ''یا معشر الانصار'' اے گروہ انصار اعلان کیا۔ اس اعلان کا سننا تھا کہ انصار نہایت بے تابی سے واپس آقا کے قدموں میں حاضر ہونے لگے اور تھوڑی دیر میں مہاجرین اور انصار اکٹھے ہو گئے اور کفار پر حملہ بول دیا اور اپنی تلواروں سے دشمن کو گاجر مولی کی طرح کاٹنے لگے تو لشکر کفار زیادہ دیر تک مقابلہ نہ کر سکا اور راہ فرار اختیار کر لی۔ لشکر اسلام کو جب وقتی طور پر ہزیمت اٹھانا پڑی تو ابوسفیان وغیرہ جنہوں نے فتح مکہ کے موقع پر ناچار بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا اپنے خبث باطن کو نہ چھپا سکے اور ابوسفیان نے برملا کہا کہ لشکر ہوازن انہیں دھکیل کر سمندر تک پہنچا کر دم لے گا۔ سمندر سے پہلے مسلمانوں کے قدم اب جمنے نہیں پائیں گے۔ ایک اور روایت میں ابوسفیان سے یہ قول بھی مروی ہے کہ اس نے فرحت و شادمانی سے سرشار ہو کر یہ نعرہ لگایا۔ خدا کی قسم! ہوازن غالب آگئے اور مسلمانوں کو سمندر کے سوا کوئی چیز اب نہیں روک سکتی۔ اس جنگ میں چار مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا اور ستر مشرکین واصل جہنم ہوئے۔ مسلمانوں کو کثیر تعداد میں مال غنیمت حاصل ہوا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت فرمائی اور ہوازن کو شکست ہوئی تو مکہ کے بقیہ کافروں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

اَلْمُصْدِرِی الْبِیْضُ حُمْراً بَعْدَ مَا وَرَدَتْ
مِنَ الْعِدٰی کُلَّ مُسْوَدٍّ مِّنَ اللِّمَمِ

عسا کر اسلام اپنی سفید اور چمک دار تلواروں کو مشرکین کے سیاہ بالوں والے سروں میں مارتے تھے جو وہاں سے سرخ رنگ ہو کر نکلتی تھیں۔

یعنی مجاہدین اسلام لشکر کفار کے سروں پر اپنی چمکتی ہوئی آبدار تلواروں سے حملہ کرتے تو تلواریں مشرکین کے خون سے سرخ ہو جاتیں۔ ان غزوات میں اللہ اور اسکے رسول برحق ﷺ کے شیروں نے بہادری کے وہ جوہر دکھلائے کہ تاریخ عالم ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حضرت سیدنا حمزہ سید الشہداءؓ۔ حضرت امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔ حضرت معصب بن عمیرؓ۔ حضرت حنظلہؓ۔ حضرت انس بن نصرؓ اور حضرت ابو دجانہؓ نے اس قتل گاہ عشق و وفا میں جاں بازی۔ جاں نثاری اور سرفروشی کی جو تابندہ مثالیں قائم کی ہیں قیامت تک آنے والے راہ روان جادۂ منزل جاناں کو منور کرتی رہیں گی۔ کیف و مستی کے یہ چشمے تشنگان صحرائے طلب کی پیاس کو بجھاتے رہیں گے۔ انہی کی یاد اس راہ کے مسافروں کا سب سے قیمتی زاد راہ ہے اور ان کے اس جذبہ عشق و محبت کا تذکرہ اس راہ وفا کے شائقین کے لئے گراں بہا متاع ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ ایسے ہی جانثاروں کے حق میں نازل ہوئی۔ من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ۔ (الاحزاب: ۲۳) اہل ایمان میں ایسے جوانمرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا۔ اور یقیناً ایسے ہی مقدس افراد رضی اللہ عنھم و رضوعنہُ۔ کا صحیح مصداق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان برگزیدہ ہستیوں کی اتباع کاملہ نصیب فرمائے۔

وَالْكَاتِبِيْنَ بِسُمْرِ الْخَطِّ مَا تَرَكَتْ
اَقْلَامُهُمْ حَرْفَ جِسْمٍ غَيْرَ مُنْعَجِمٍ

وہ جانثاروں گندم گوں نیزوں سے دشمن کے جسموں پر لکھنے والے ہیں اور ان کی قلموں یعنی نیزوں نے جسم اعداء کو غیر منقوط نہیں چھوڑا۔

یعنی عساکر اسلام نے اپنے تیروں اور تلواروں سے غزوات میں کفار کے جسموں کو خوب زخمی کیا اور بعض غزوات میں ایک ایسا کافر بھی نہ بچا جو زخمی نہ ہوا ہو کیونکہ کفار نے طلوع اسلام کے دن سے مسلمانوں اور خود پیغمبر ﷺ کے خلاف سازشیں شروع کر دی تھیں اور کم از کم اٹھائیس غزوات وقوع پذیر ہوئے اور ان غزوات میں سے جن میں کفار کے ساتھ جنگ ہوئی وہ مندرجہ ذیل نو غزوات ہیں۔ بدر۔ احد۔ خندق۔ قریظہ۔ مصطلق۔ خیبر۔ فتح مکہ۔ حنین اور طائف۔ تو مشرکین مکہ ان غزوات میں لشکر اسلام کے مقابلہ میں آتے ہی رہے اس لئے یہ کفار کسی نہ کسی غزوہ میں زخمی ضرور ہوئے اور مسلمان اللہ تعالیٰ کی خصوصی نصرت سے ہمیشہ کامیاب و کامران ہی رہے۔

شَاكِي السِّلَاحِ لَهُمْ سِيمَا تُمَيِّزُهُمْ
وَالْوَرْدُ يَمْتَازُ بِالسِّيمَا مِنَ السَّلَمِ

وہ (لشکر اسلام) ہتھیاروں سے سج کر ایسے بارعب ہو جاتے تھے کہ وہ اپنے چہروں سے ممتاز ہوتے تھے جیسے گلاب کا پھول خاردار درختوں میں ممتاز ہوتا ہے۔

یعنی جب عساکر اسلام دشمنان دین کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلح ہوتے تھے تو وہ اپنے چہروں کے نور ایمان اور اپنی جبینوں پر سجدوں کے نشانات سے ممتاز نظر آتے تھے کیونکہ مقابلہ میں کفار بھی اسلحہ سے مسلح ہوتے تھے زرہیں اور خود وغیرہ بھی انہوں نے پہنے ہوتے تھے اور کافرانہ کروفر سے خوب بن ٹھن کر نہات تکبر اور نخوت سے میدان میں آتے تھے مگر لشکر اسلام اور نبی مکرم ﷺ کے جانثاروں کے چہرے بموجب فرمان قرآن حکیم سیماھم فی وجوھم من اثر السجود جیسے روشن اور ممتاز ہوتے تھے جیسا کہ گلاب کا پھول اور ببول کا درخت آپس میں خاردار ہونے کے اعتبار سے مشابہ ہوتے ہیں لیکن گلاب کا پھول اپنی شکل و بناوٹ رنگ و بو اور اپنی موزونی و شادابی کے باعث بالکل الگ اور ممتاز ہوتا ہے اور ببول کا درخت کسی صورت میں بھی گلاب کے مشابہ نہیں ہوسکتا۔ گلاب کی اپنی الگ پہچان ہوتی ہے اس طرح لشکر اسلام کی بھی اپنی الگ پہچان ہوتی تھی نیز لشکر اسلام کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کا جذبہ بھی موجزن ہوتا تھا اور راہ حق میں سرفروشی اور جاں سپاری کے جذبات کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر ان کے قلوب میں سمائے ہوتے تھے اور عزیمت و استقامت کے یہ پہاڑ مشرکین عرب کی کئی گنا زیادہ فوج سے ٹکرا جاتے مگر ان کے چہروں پر بل نہ آتے۔ حضور سرور کائنات علیہ وعلیٰ آلہ اجمل الصلوات واطیب التسلیمات جس لشکر کو روانہ فرماتے انہیں خصوصی ہدایت جاری فرماتے اور جب خود ساتھ ہوتے تو اپنے مبارک ہاتھوں سے صف بندی فرماتے اور شمع رسالت کے پروانے مچل جاتے اور اللہ اور اس کے پیارے حبیب ﷺ کے احکامات کی بجاآوری کو اپنا سرمایۂ حیات سمجھتے یوں وہ لشکر کفار سے الگ اور ممتاز نظر آتے۔

تُهْدِي إِلَيْكَ رِيَاحُ النَّصْرِ نَشْرَهُمْ
فَتَحْسَبُ الزَّهْرَ فِي الْأَكْمَامِ كُلَّ كَمِ

نصرت الٰہی کی باد صبا ان کی خوشبو تیرے پاس پہنچاتی ہے اور ان کا ہر زرہ پوش ایسا خوشنما لگتا ہے جیسے گلاب اپنے شگوفہ میں ہوتا ہے۔

یعنی نصرت الٰہی کی ہوائیں عساکر اسلام کی خوشبوئیں ان کے میدان میں آنے سے قبل ہی پہنچ جاتی ہیں

اور مسلمان مجاہد جب ذرہ پوش ہوتے ہیں تو اتنے خوبصورت لگتے ہیں کہ گویا گلاب کے پھول اپنے شگوفوں میں کھلنے کو ہیں۔ ایک تو نبی مکرم ﷺ کے بدن اطہر کی اپنی خوشبو تھی اور بدن اطہر سے خود خوشبو مہکتی تھی گو خود امام الانبیاء ﷺ خوشبو کا استعمال نہ فرمائیں۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے کوئی خوشبو عنبر نہ مشک نہ کوئی اور خوشبو حضور نبی اکرم ﷺ کے پسینہ مبارک کی خوشبو سے زیادہ عمدہ نہیں سونگھی۔ حضرت ابویعلیٰ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ جس کوچہ سے سرور کون و مکان ﷺ گزرتے تھے بعد کے گزرنے والے اس کوچہ کو خوشبو سے مہکتا ہوا پا کر سمجھ لیتے تھے کہ جناب نبی انور حضور ﷺ کا اس راہ سے گزر ہوا ہے اور روایات کثیرہ اس مضمون میں موجود ہیں دوم یہ کہ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلوں کو نہیں ملیں ان میں پہلی یہ ہے کہ ابھی ایک ماہ کی مسافت ہو کہ دشمن پر میرا رعب طاری ہو جاتا ہے۔ دوم ساری زمین میرے لئے مسجد اور پاکیزہ بنا دی گئی ہے جو جہاں چاہے نماز پڑھ سکتا ہے سوم غنیمت کا مال میرے لئے حلال کر دیا گیا ہے جو پہلے کسی پر حلال نہیں تھا۔ چہارم مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے۔ پنجم یہ کہ پہلے نبی اپنی قوم کے لئے خاص ہوا کرتے تھے مگر میں ساری دنیا کے لئے نبی ہو کر آیا ہوں اور صحیحین کی ایک متفق علیہ روایت عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں جوامع الکلم اور نصرت بالرعب کے بعد زمین کے خزانوں کی چابیوں کا خواب میں حضور ﷺ کے سامنے رکھا جانا بیان ہوا ہے یہ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو نصرت بالرعب کا خصوصی معجزہ عطا فرمایا تھا اور نبی کریم ﷺ کی یہ صفت خاص نزدیک و دور ہر جگہ جلوہ گستر تھی۔ جناب امام المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے جو کوئی حضور ﷺ کے سامنے یکا یک آ جاتا وہ دہشت زدہ ہو جاتا۔ یہ وہ نصرت الہیہ تھی جو رعب بن کر حضور ﷺ اور لشکر اسلام کی حشمت و عظمت کو دوبالا کر رہی تھی۔ اور نصرت الٰہی کی یہ ہوائیں ایک ماہ قبل ہی دشمنان اسلام پر رعب ڈال دیتی تھیں نیز جناب سرور کائنات ﷺ کے بدن اطہر کی خوشبوئیں بھی اس طرح ساتھ ہوتیں۔ وہ کیا منظر ہوتا ہوگا کہ جناب باعث تخلیق کائنات نبی کریم رؤف رحیم ﷺ اپنے جانثاروں کے جھرمٹ میں خوشبوئیں بکھیرتے اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے سفر فرماتے ہوں گے وہ کتنی خوش نصیب آنکھیں ہوتی ہوں گی جو چہرہ انور کا دیدار کرتی ہوں گی وہ کتنے خوش نصیب کان ہوتے ہوں گے جو فرمان رسالت ﷺ سنتے ہوں گے وہ کتنے خوش نصیب ہوتے ہوں گے جو ان اسفار میں ساتھ چلنے کی سعادت حاصل کرتے ہوں گے بے شک

اللہ تعالیٰ نے ان خوش نصیبوں کو یہ دائمی سعادتیں عطا کرنے کے لئے چن لیا تھا۔

كَاَنَّهُمْ فِي ظُهُوْرِ الْخَيْلِ نَبْتُ رُبًى
مِنْ شِدَّةِ الْحَزْمِ لَا مِنْ شِدَّةِ الْحُزُمِ

اور وہ بہادر (لشکر اسلام) گھوڑوں کی پشت پر سوار ایسے معلوم ہوتے تھے گویا کہ چٹان پر پودا اگا ہوا ہے نہ کہ گھاس کا بندھا ہوا گٹھا۔

یعنی لشکر اسلام گھوڑوں کی پشت پر یوں جم کر بیٹھے ہوتے اور اتنے خوبصورت محسوس ہوتے گویا چٹانوں پر مضبوط پودے اگے ہوئے ہیں اور وہ اس قدر مضبوط ہیں کہ ہوا وغیرہ سے اکھڑنے کا خدشہ نہیں ہے۔ گویا ان کا اس قدر مضبوط بیٹھنا اور پشت پر جمنا بسبب کمال احتیاط اور شہسواری کے ہے کیونکہ بعض اوقات سوار کسے ہوئے زین سے بھی گر جاتا ہے اس لئے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے یہ جانثار شہسوار ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید فرقانِ حمید میں مسلمانوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ کفر کے مقابلہ میں ہر وقت کمر بستہ رہو اور مستعد رہو تا کہ کفر کو سر اٹھانے کی جرأت ہی نہ ہو سکے اور کفر پر دین حق کی ہیبت بیٹھی رہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃٍ ومن رباط الخیل ترھبون بہٖ عدو اللہ وعدوکم واٰخرین من دونھم لا تعلمونھم اللہ یعلمھم ط (انفال: ٦٠) ان کے مقابلہ کے لئے جس قدر تمھارے امکان میں ہو سامان جنگ اور ہمیشہ تیار رہنے والے گھوڑے مہیا رکھو۔ اس سے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو اور ان کے سوا ان دوسرے لوگوں کو جنھیں تم نہیں جانتے مگر اللہ انہیں جانتا ہے۔ اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے" والعادیات ضبحا" قسم ہے ہانپ کر دوڑنے والے گھوڑوں کی۔ صحیح بخاری میں حضرت جریر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ اپنی انگلیاں اپنے گھوڑے کی پیشانی کے بالوں میں پھیر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک خیر کو گھوڑوں کی پیشانی میں گرہ دے کر باندھ دیا ہے یعنی لازم کر دیا ہے۔ علامہ دمیری ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تاریخ نیشاپور میں جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی روایت دیکھی ہے کہ فرمایا جناب رسول مقبول ﷺ نے کہ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے گھوڑے کو پیدا فرمانے کا ارادہ کیا تو باد جنوبی سے کہا کہ میں تجھ سے ایک ایسی مخلوق پیدا کرنے والا ہوں جو میرے دوستوں کے لئے عزت اور دشمنوں کے ذلت کا ذریعہ بنے اور جو میرے فرماں بردار بندے ہیں ان کے لئے زیب و زینت ثابت ہو۔ اور حضور ﷺ نے اپنے صحابہ ؓ سے فرمایا تھا کہ تم لوگ گھوڑے پر سوار ہوا کرو کیونکہ یہ تمھارے باپ اسماعیل علیہ السلام کی میراث ہے حضور امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (باعتبار انتفاع) گھوڑے تین

قسم کے ہیں۔(۱)۔وہ گھوڑا جو رحمٰن کے لئے ہو۔یعنی فی سبیل اللہ اس کے دشمنوں سے جہاد کرنے کی نیت سے پالا جائے۔(۲) انسان کے لئے۔یعنی جو مسافت وغیرہ طے کرنے کے لئے پالا جائے۔(۳)۔جو شیطان کے لئے ہو۔شیطان کے لئے وہ گھوڑا ہے جس پر بازی (شرط وغیرہ) لگائی جائے۔علامہ سہیلیؒ نے اپنی کتاب" التعریف والاعلام" میں حضور معلم و مقصود کائنات ﷺ کے گھوڑوں کے نام یہ لکھے ہیں:۔

(۱)۔سکب:۔ یہ نام اس وجہ سے رکھا گیا تھا کہ وہ گھوڑا پانی جیسی روانی کی طرح چلتا تھا اور سکب کے معنی شقائق النعمان (گل لالہ) کے بھی آتے ہیں۔

(۲)۔مرتجز:۔یہ نام اس گھوڑے کے خوش آواز ہونے کی بنا پر تھا۔

(۳) لحیف:۔لحیف کے معنی لپیٹنے اور ڈھانکنے کے آتے ہیں چنانچہ یہ گھوڑا اپنی تیزی کے سبب راستہ کو لپیٹتا جاتا تھا۔

(۴)۔امام بخاری نے اپنی جامع میں حضور ﷺ کے ایک گھوڑے کا نام لزاز بتایا ہے۔

(۵)۔جلاوح (۶)۔فرس (۷)۔ورد۔

جن خوش نصیب گھوڑوں کو حضور ﷺ کی ملکیت کا شرف حاصل ہوا ہے ان کے نام بطور تبرک لکھ دئے گئے ہیں کیونکہ کائنات کی جس جس چیز کو نسبت محبوب رب العالمین ﷺ ہو اس چیز کا محبت سے تذکرہ بھی باعث شرف ہے اور ثواب کا کام ہے۔محبت نبویؐ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم ہر وقت صبح و شام اٹھتے بیٹھتے ہر محفل ہر مجلس میں حضور پرنور فخر موجودات ﷺ کا تذکرہ کریں۔ان پر خوب خوب جی بھر کر درود شریف پڑھیں۔سیرت طیبہ کا مطالعہ کریں دوسروں کو ترغیب دیں جن جن اشیاء کو سید یوم النشور ﷺ سے تعلق رہا ہے ان کا تذکرہ کریں تاکہ دلوں میں محبت نبویؐ اور اتباع نبویؐ کا جذبہ پیدا ہو مدینہ طیبہ کی فضاؤں ہواؤں کا تذکرہ کریں تاکہ روضہ اقدس پر حاضری نصیب ہو۔

طَارَتْ قُلُوْبُ الْعِدٰى مِنْ بَاسِهِمْ فَرَقاً
فَمَا تُفَرِّقُ بَيْنَ الْبَهْمِ وَ الْبُهَمِ

دشمنوں کے دل خوف سے مضطرب ہو جاتے تھے اور خوف زدہ ہو کر وہ بکری کے بچے اور بہادر سوار میں تمیز نہ کر سکتے تھے۔

یعنی لشکر اسلام کی ہیبت اور خوف دشمن لشکر کے دلوں میں اتنا طاری ہو جاتا تھا کہ مارے خوف کے

ہر آہٹ پر ان کی جان نکلی جاتی تھی اور جب ان کی نگاہ بکری کے بچے پر بھی پڑ جاتی تو وہ اسے کوئی دیوہیکل بہادر شہسوار سمجھتے تھے۔ بکری کے بچے کی مثال امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصاً اس حوالہ سے بھی دی ہے کہ بکری بنیادی طور پر نہایت کمزور دل جانور واقع ہوا ہے اور گیدڑ جیسا جانور بھی بکری کا شکار کر لیتا ہے اور جب اعدائے اسلام بکری کے بچے کو بھی دیکھ کر گھبرا جائیں تو لشکر اسلام کی ہیبت اور خوف ان کے قلوب میں کس قدر چھا جاتا ہوگا۔ تمام غزوات میں مجاہدین اسلام کی تعداد کفار کے مقابلہ میں نہایت قلیل ہوتی تھی اور مزید کہ دین حق کے ان مجاہدوں کے پاس سامان جنگ بھی اپنی ضرورت سے بہت تھوڑا ہوتا تھا یہ تو نبی مکرم آقائے کل ختم الرسل ﷺ کی خصوصیات میں تھا کہ حق تعالیٰ شانہ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو نصرت بالرعب کے جلال سے بہرہ مند فرمایا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے ۲۳ سالہ عہد نبوتؐ پر نظر ڈالنے سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ سرور دو عالم ﷺ دعوت و تبلیغ کے لئے مکہ شہر کے اندر اور مضافات میں بالکل تن تنہا رات ہو یا دن تشریف لے جایا کرتے تھے مگر کسی شخص کو یہ جرأت نہ ہوسکی کہ وہ حضور ﷺ پر حملہ کرے۔ سالانہ میلوں اور منڈیوں میں جہاں ہزار ہا اشخاص اور سینکڑوں مختلف قبائل اکھٹے ہوتے تھے۔ حضور رحمت دو جہاں ﷺ وہاں تشریف لے جاتے اور کلمہ توحید کا اعلان فرماتے۔ دیوتا دیوی کے ماننے والوں میں سے کسی کو بھی حضور ﷺ پر حملہ کرنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ نصرت بالرعب کی مثالیں اس زمانہ کی بڑی بڑی سلطنتوں کے حالات سے بھی ہویدا ہیں کہ ان سلطنتوں کے فرعون صفت بادشاہ دم بخود ہو کر رہ جاتے، اور کسی کو سر اٹھانے کی جرات نہ ہوتی تھی یہ سب کمال حضور ﷺ کی ذات بابرکات کا تھا ورنہ مشرکین مکہ نے تو مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑ دیئے تھے۔ اور انہیں طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے اور مسلمانوں کو اس حد تک ستایا کہ وہ اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور مشرکین سے بدلہ لینے کا تصور بھی ان کے لئے مشکل تھا لیکن جب امام الانبیاء ﷺ کے پرچم تلے جمع ہوئے اور نصرت الٰہی آ گئی تو فرعون صفت مشرکین کو دنیا میں جائے پناہ ملنا مشکل ہو گئی اور مشرکین اب لشکر اسلام کا نام سن کر کانپ جاتے۔

وَمَنۡ تَكُنۡ بِرَسُوۡلِ اللّٰهِ نُصۡرَتُهٗ

اِنۡ تَلۡقَهُ الۡاُسۡدُ فِيۡ اٰجَامِهَا تَجِمِ

جسے رسول اللہ ﷺ کی نصرت و استعانت حاصل ہو جائے تو اسے شیر بھی دیکھ کر خاموش ہو جائیں۔

یعنی جس سعادت مند انسان کو جناب رسول خدا ﷺ کی مدد و نصرت میسر آ جائے تو یہ یقینی امر ہے کہ شیر بھی اسے دیکھ کر خائف ہو جائیں۔ جب عساکر اسلام کو جناب سرور دو عالم ﷺ کی مدد حاصل تھی تو

وہ ہر غزوہ میں فتح یاب ہوتے تھے اور آپ کی ذات بابرکات کے توسّل و توسط سے منصور و محفوظ رہتے تھے۔ امام بخاری اپنی تاریخ اور امام بیہقی اپنی سنن میں روایت کرتے ہیں کہ حضور نور مجسم ﷺ کا ایک غلام تھا جس کا نام سفینہ تھا حضور سرور کون و مکان ﷺ نے انہیں حضرت معاذؓ کی طرف بھیجا جو اس وقت یمن کے امیر تھے راستہ میں شیر سامنے آ گیا اور اس شیر نے جب حضرت سفینہ پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو آپ نے اس شیر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اے شیر! خبردار۔ میرا نام سفینہ ہے اور میں جناب رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوں اور میرے پاس حضورؐ کا گرامی نامہ بھی ہے۔ چنانچہ شیر راستہ سے ہٹ گیا۔ امام بیہقی اور بزاز کی ایک روایت جسے ان دونوں نے صحیح کہا ہے اور امام سیوطیؒ نے بھی اس روایت کو صحیح کہا ہے کہ سفینہؓ ایک کشتی میں سمندر کو عبور کر رہے تھے آندھی کی وجہ سے کشتی ٹوٹ گئی بڑی مشکل سے نواحی جزیرہ میں جا پہنچے وہاں ایک شیر کھڑا تھا حضرت سفینہؓ کہتے ہیں میں نے اسے کہا اے شیر! میں رسول اکرم ﷺ کا غلام ہوں وہ میرے آگے آگے چل دیا اور اپنا کندھا ہلا کر اشارہ کرتا رہا اور مجھے اس راستہ پر پہنچا دیا جو میری منزل کی طرف جاتا تھا۔ اس کے علاوہ دیگر جنگلی درندوں کا حضور ﷺ کی اطاعت کرنا اور اقرار نبوتؐ کرنا بھی روایت صحیحہ سے ثابت ہے السیرۃ النبویہ میں زینی دحلان نے نقل کیا ہے کہ ابن وھب سے مروی ہے کہ ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ دونوں نے دیکھا کہ ایک بھیڑیا ایک ہرنی کو پکڑنے کے لئے اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ وہ ہرنی دوڑتی ہوئی حدود حرم میں داخل ہو گئی تو بھیڑئیے نے اس ہرنی کا تعاقب چھوڑ دیا اور واپس مڑنے لگا ان دونوں نے جب یہ منظر دیکھا تو بڑے حیران ہوئے بھیڑئیے نے جب ان دونوں کی حیرت زدہ ہونے کی بات سنی تو بولا۔ اس سے بھی تعجب کی بات ہے کہ محمد بن عبداللہ ﷺ مدینہ طیبہ میں تمھیں جنت کی طرف بلا رہا ہے اور تم دوزخ کی طرف دعوت دے رہے ہو۔ ابوسفیان نے صفوان کو کہا۔ لات و عزیٰ کی قسم! اگر یہ قصہ اہل مکہ کو جا کر سناؤں تو وہ اپنا دین چھوڑ کر اسلام قبول کر لیں۔

وَ لَمْ تَرَىٰ مِنْ وَّلِيٍّ غَيْرَ مُنْتَصِرٍ

بِهٖ وَلَا ۔ مِنْ عَدُوٍّ غَيْرَ مُنْقَصِمٖ

حضور کے کسی دوست کو نہ دیکھے گا جس کو حضورؐ کی مدد حاصل نہ ہو اور آپؐ کے کسی دشمن کو نہ دیکھے گا جو خائب و خاسر نہ ہو۔

یعنی جو لوگ حضور ﷺ کے دوست ہیں اور آپؐ کے محب ہیں انہیں حضور سرور کائنات ﷺ کی مدد

حاصل ہے اور مظفر و منصور ہیں اور جو بدقسمتی سے آپ ؐ کے دشمن ہیں آپ ؐ کے گستاخ ہیں اور بے ادب ہیں وہ پائمال اور خستہ حال ہیں دنیا و آخرت میں ایسے بدبخت ذلیل و رسوا ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ومن یطع اللہ ورسولہٗ فقد فاز افوزاً عظیماً۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا۔ (احزاب ۷۱) پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کریم ﷺ کے ماننے والوں اور اتباع کرنے والوں کو یہ بھی بشارت عطا فرمائی۔ ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھدآء والصالحین وحسن اولئک رفیقاً (النساء: ۶۹) اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ؐ کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں۔ اور جو بدبخت حضور سرور کون و مکان ؐ کے مخالف ہیں اور بے ادب ہیں اس پر بھی اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمایا کہ: ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہٗ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نولہٖ ما تولیٰ ونصلہٖ جھنم وساءت مصیرا۔ (النساء: ۱۱۵) اور جو شخص رسول ؐ کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو امر حق واضح ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا رستہ چھوڑ کر دوسرے رستہ ہو لیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔ ان تصریحات ربانی سے بالکل واضح ہے کہ جو بھی محسن اعظم ﷺ سے جتنا قریب ہوگا جتنی محبوب رب العالمین ﷺ سے محبت کرتا ہوگا۔ وہ اس قدر اللہ جل شانہٗ سے قریب ہوگا اور اللہ کے محبوب بندوں میں بن جائے گا اور دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران اور مظفر و منصور ہوگا اور جو بدبخت اتباع نبوی ؐ سے جتنا دور ہوگا دل میں محبت نبوی ؐ کا چراغ روشن نہیں ہوگا بے ادب ہوگا وہ نامراد ہی رہے گا دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اپنے حبیب مکرم ﷺ کی تمام بابرکت سنتوں کی اتباع کی اور آپ ؐ کی پاکیزہ تعلیمات پر اخلاص وصدق کے ساتھ عمل کی توفیق وافر و راسخ عطا فرمائیں اور اس کی بدولت اس دنیا میں حیات و ممات طیبہ اور آخرت میں اپنی رضائے واسعہ و کاملہ اور آپ ؐ کی شفاعت کبریٰ کی دولت لازوال نصیب فرمادیں۔ آمین ثم آمین۔

اَحَلَّ اُمَّتَہٗ فِیْ حِرْزِ مِلَّتِہٖ
کَا للَّیْثِ حَلَّ مَعَ الاَ شْبَالِ فِیْ اَجَمٖ

آپ ؐ نے اپنی امت اجابت کو دین کے مضبوط قلعہ میں اتارا جیسے شیر اپنے بچوں کو لے اپنے غار میں بے فکر فروکش ہوتا ہے۔

یعنی حضور ﷺ نے اپنی تمام امت کو دین اسلام کے ایسے مضبوط و مستحکم قلعہ میں اتار دیا ہے جسے اب کوئی خطرہ دنیا و آخرت کا باقی نہ رہا کیونکہ یہ امت اب قلعہ توحید میں محفوظ و مامون ہے اور ہر قسم کے عذاب و آفات سے محفوظ ہے اور جو شخص اخلاص سے کلمہ توحید پڑھ لیتا ہے وہ آتش دوزخ سے بچ جاتا ہے اور جس طرح شیر اپنے کچھار میں اپنے بچوں کو لے بیٹھ جاتا ہے اور اسے یقین ہوتا ہے کہ شیروں کے کچھار کی طرف کوئی منہ نہیں کرتا اسی طرح دین اسلام کا قلعہ بھی نہایت مضبوط اور مستحکم قلعہ ہے اور شیروں کے کچھار کی طرح نہایت محفوظ و مامون ہے اور اللہ تعالیٰ نے خود دین اسلام کو مضبوط حلقہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فمن یکفر بالطاغوت و یومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لا انفصام لھا واللہ سمیع علیم اور جو کوئی نہ مانے طاغوت کو اور یقین لاوے اللہ پر تو اس نے پکڑ لیا حلقہ مضبوط جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے (سورہ بقرہ: ۲۵۶) یعنی جو شخص طاغوت (شیطان) سے بد اعتقاد ہوا اور خوش دلی سے اسلام قبول کرلے تو اس نے ایک مضبوط دائرہ میں پناہ حاصل کرلی اور اسلام کو مضبوطی سے پکڑنے والا یقینا ہلاکت اور محرومی سے محفوظ رہتا ہے اور ایمان بہت بڑی نعمت ہے اور کفر بہت بڑی مصیبت ہے اور حضور ﷺ نے یقینا اس امت کو بہت بڑی تباہی اور ہلاکت سے محفوظ کرلیا ہے اور حدیث قدسی میں آیا ہے۔ لا الہ الا اللہ حصنی فمن دخل حصنی امن عذابی۔ لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے جو شخص میرے اس قلعہ میں داخل ہوگیا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہوگیا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو فرمایا کہ اے حبیبؐ جب تک تو ان میں موجود ہے میں انہیں عذاب نہیں دوں گا اور یہ امت ختم نبوتؐ کے صدقے عذابوں سے بھی محفوظ و مامون ہے اور آخرت میں شفاعت کبریٰ کے صدقے جہنم کی مصیبتوں اور سختیوں سے بھی محفوظ و مامون ہے اور قصیدہ بردہ شریف بھی یقینا ایک مضبوط قلعہ ہے اور محبوب رب العالمین ﷺ کی شان اقدس میں ایک حسین نعتیہ کلام ہے اور اس شرح میں رسول امین ﷺ کی شان اقدس میں لکھی گئی کتابوں سے چنے ہوئے فضائل و کمال نقل کئے گئے ہیں گویا یہ بھی سیرت النبیؐ کا مرقع ہے۔

كَمْ جَدَّلَتْ كَلِمَاتُ اللهِ مِنْ جَدَلٍ
فِيهِ وَكَمْ خَصَّمَ الْبُرْهَانُ مِنْ خَصِمِ

بہت دفعہ قرآن مجید نے حضور ﷺ کے دشمن کو ذلیل کردیا اور بارہا غالب آئے منکرین پر معجزات اور کرامات۔

یعنی قرآن مجید فرقان حمید نے بارہا ان لوگوں کو خاک مذلت پر ڈال دیا جو حضور ﷺ کی شان اقدس

میں کج بحثیاں کرتے ہیں اور ملت اسلامیہ سے جھگڑتے ہیں اور ہادی عالم ﷺ کے معجزات و کرامات نے منکرین رسالت اور منکرین شانِ رسالت کو بھی ذلیل و رسوا کیا۔ قرآن مجید خود حضور سرورِ کائنات ﷺ کا سب سے بڑا اور دائمی معجزہ ہے قرآن کریم نے حضور ﷺ کی محبت احترام اور توقیر و اکرام کا حکم دیا ہے اور یہ اعزاز و اکرام قلب کی گہرائیوں کی پیداوار ہو اور محبوب دو جہاں ﷺ سے جذباتی لگاؤ ہو چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ لتومنو باللہ ورسولہٖ وتعزروہ وتوقروہ (الفتح:۹) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اس کی مدد کرو اور اسکی عزت و تعظیم کروں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر اس چیز کا حکم دیا ہے جس میں جناب امام الانبیاء ﷺ کی عزت و حرمت کی حفاظت ہوتی ہو اور ہر اس چیز سے منع کیا جس سے ان کی بے ادبی ہوتی ہو اور جس سے ان کی عزت مجروح اور ان کی شان گھٹتی اور ان کی بڑائی کم ہوتی ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کے دشمنوں اور حاسدوں کو ہمیشہ خائب و خاسر ہی رکھا۔ ابوجہل۔ ابولہب اور ابوسفیان کو ذلیل و رسوا ہی کیا۔ منکرین ختم نبوتؐ ہوں یا منکرین معجزات۔ منکرین حدیث ہوں یا منکرین حیات النبیؐ یہ طبقات بھی ہمیشہ سے ذلیل و رسوا ہیں اور انشاء اللہ العزیز قیامت تک ذلیل و رسوا ہی رہیں گے اللہ تعالیٰ اسلاف کرام کا نور ایمان عطا فرمائے تب ہی قرآن وسنت کے آئینہ میں حق کا رخ زیبا نظر آتا ہے ورنہ ساری عمر شک و شبہ کی جھاڑیوں میں دامن الجھا رہتا ہے اور قیل وقال سے فرصت ہی نہیں ملتی اور اس پر آشوب دور میں امت مصطفویہ علیٰ نبینا افضل الصلوٰات وازکی التسلیمات میں فتنہ و فساد کا دروازہ کھولنے والوں کو معجزات اور شان رسالتؐ میں کج بحثیاں کرنے والوں کو روزِ حشر اللہ تعالیٰ کی عدالت میں جوابدہ ہونا پڑے گا اور شفاعت صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے حبیب مکرم ﷺ کے دست مبارک سے ہوگی۔

كَفَاكَ بِالْعِلْمِ فِي الْاُمِّيِّ مُعْجِزَةً
فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَ التَّادِيبِ فِي الْيُتْمِ

کافی ہے تجھے حضورؐ کے علم کا معجزہ کہ آپؐ امی تھے اس دور جاہلیت میں اور بحالت یتیمی بھی نہایت باادب تھے۔

یعنی حضور ﷺ کے علم مبارک کا معجزہ ہی کافی ہے کہ آپ نے ایک ناخواندہ اور جاہل قوم کے ماحول میں بحالت یتیمی پرورش پائی اور کبھی اپنی قوم سے جدا ہو کر کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی اور نہ کسی ادیب سے ادب سیکھا لیکن آپؐ تمام علوم سے مکمل آگاہ اور ہر طرح کے ادب سے کمال واقف بلکہ موجد تھے اور خود فضائل حمیدہ وشمائل پسندیدہ سے متصف تھے اور عرب و عجم کے تمام فصحاء بلغاء سے نہایت اعلیٰ اور افضل ترین مانے

گئے ۔اور یہ بات تحقیق ہے کہ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا الرسول النبی الامی اور کسی نبی کا لقب نہ تھا اسم امی ام کی طرف منسوب ہے اس اعتبار سے کہ نبی ﷺ بوجہ پاکی فطرت و عصمت منجانب اللہ رب العزت جملہ عیوب ونقائص سے ایسے ہی پاک وصاف ہیں جیسا کہ ماں کے پیٹ سے پیدا شدہ بچہ ہوتا ہے اور حضور ﷺ نے ولادت کے بعد اکتساب علوم وفنون کی جانب کوئی رغبت نہ کی تھی اور حضور ﷺ کی لوح قلب مبارک پر تقریراً یا تحریراً کسی ایک حرف کا نقش بھی ثبت نہ ہوا تھا۔حضور معلم کائنات ﷺ نے نہ کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا نہ علماء وفضلا کی مجالس میں شرکت کی نہ کتب سابقہ کا مطالعہ کیا اور اس کے باوجود کریمانہ اخلاق و کردار کا وہ عظیم الشان اور دلکش مظاہرہ فرمایا کہ کوئی شخص ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتا یہ محض اللہ تعالیٰ کی تعلیم وتربیت کا نتیجہ تھا کہ سرور عالم ﷺ کی ذات اقدس نوع انسانی کے لئے ہدایت وحکمت کا وہ بلند ترین مینار ثابت ہوئی جس کی نورانی کرنوں نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو منور کیا اور تا قیامت نور برساتی رہیں گی اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں متعدد بار اپنے پیارے حبیب ﷺ کو امی کے لقب سے ملقب فرمایا ہے: الذین یتبعون الرسول النبی الامی ۔ یہ مسلمان وہ ہیں جو اللہ کے فرستادہ رسول اور نبی امی کی پیروی کرتے ہیں (اعراف) اس سورہ میں پھر اس کے بعد ہی ہے فامنوا باللہ ورسولہ النبی الامی ۔تو لوگو! خدا پر اور اس کے فرستادہ رسول نبی امی پر ایمان لاؤ۔اور پھر سورہ عنکبوت میں ارشاد ہے اور قرآن کے نزول سے پہلے اے پیغمبرؐ نہ تو تم کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے اس کو لکھ سکتے تھے اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست شک کرسکتے تھے ۔(عنکبوت: ۵) اس سے معلوم ہوا کہ اپ کا امی ہونا مصلحت الٰہی کا ایک خاص منشاء تھا اور بہت بڑا علمی معجزہ اور قرآن مجید کا حضور ﷺ کو بار بار اور برملا امی کہنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ حضور فخر موجودات معلم و مقصود کائنات ﷺ کی یہ صفت آپ کا سب سے بڑا علمی معجزہ ہے اور آپ امی ہو کر امیوں میں پل کر کتب سابقہ کی ظاہری تعلیم سے ناآشنا ہو کر بھی سب کچھ جانتے تھے اور ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامت تک کے حالات اور جنت و دوزخ کے تمام احوال اور زمین سے لیکر عرش الٰہی تک کی تمام کیفیات سے جہان کو آگاہ فرمادیا۔علامہ قرطبیؒ نے قرآن مجید فرقان حمید کی آیہ مبارکہ" اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی" کے ذیل میں مجاہدؒ سے یہ تفسیر نقل فرمائی ہے کہ یہاں یتیم سے مراد وہ درشہوار ہے جو اپنی آب وتاب اور قدر و قیمت میں بے مثال ہوتا ہے علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ یہ کہنا بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ساری مخلوقات میں یگانہ اور عدیم النظیر بنایا ہے ۔صدف امکان کو آپ جیسا موتی آج تک نصیب نہیں ہوا۔پس اللہ تعالیٰ نے اپنی آغوش رحمت میں آپ کو پناہ دی ۔

خَدَمْتُهُ بِمَدِيحٍ اَسْتَقِيلُ بِهٖ
ذُنُوبَ عُمرٍ مَّضىٰ فِي الشِعْرِ وَالْخِدَمِ

میں نے آنحضرت ﷺ کی بذریعہ مدحت ونعت خدمت کی ہے اور اس کے ذریعہ سے اس عمر کے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں جو شعر گوئی اور ارباب دنیا کی خدمت میں گزار دی۔

یعنی حضور ﷺ کی نعت گوئی کے توسل اور وسیلہ سے اپنی گزشتہ زندگی کے ان گناہوں کی معافی کا طلبگار ہوں جو غزل گوئی اور ارباب دنیا کی مدح سرائی میں سرزد ہوئے ہیں۔ امام بوصیریؒ بڑے پائے کے شاعر تھے تاہم نعت نبویؐ ان کی شاعری کا موضوع تھا اور نعتوں پر مشتمل ان کا ایک مکمل دیوان ہے اور اکثر قصائد اپنی معنوی خوبیوں کے لحاظ سے منفرد حیثیت رکھتے ہیں اور ان کا" ہمزیہ" ۴۵۶ شعروں پر مشتمل ہے جس کا مطلع یہ ہے:-

كيف ترقیٰ رقيتك الانبياء
يا سماء ما طا ولتها سماء

آپؐ کی بلندی کو انبیاء کہاں پہنچ سکتے ہیں اے وہ آسمان جس کا بلندی میں کوئی آسمان مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اس قصیدہ میں سیرت کے تمام اہم واقعات کی طرف اشارے ملتے ہیں۔ظہوری قدسی۔رضاعت۔ نبوت۔معراج۔ہجرت۔غزوات۔فتح مکہ۔حج اور اس کے بعد آل واصحابؓ۔عشرہ مبشرہؓ ہر ایک کا تذکرہ ہے اور آخر میں صلوۃ وسلام پر مشتمل مضامین ہیں۔تمام تعریفوں کا اصل مستحق اللہ جل شانہٗ ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے الحمدللہ رب العلمین۔تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کے پالنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بعد تمام تعریفوں کے لائق اور مستحق اس کے پیارے حبیب ہیں کسی شاعر نے کیا خوب کہا کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔یعنی اللہ تعالیٰ کے بعد اگر کوئی ہستی لائق تعریف ہے تو وہ جناب امام الانبیاء ﷺ کی ذات گرامی ہے اور اس عظیم ہستی کی تعریف وتوصیف یقیناً باعث برکت اور ثواب ہے اور ذکر مصطفی ﷺ کے توسل اور وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات طلب کرنا ایک مستحسن فعل ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کے گناہ بھی اس وسیلہ سے معاف فرمائے۔

اِذقَلَّدَ انِیْ مَا تُخْشیٰ عَوَاقِبُهٗ
کَاَنَّنِیْ بِهِمَا هَدْیٌ مِنَ النَّعَمِ

اس شعر گوئی اور خدمت دنیا نے میری گردن میں قلادہ ڈال دیا ہے۔ جس کا انجام میرے حق میں بہت خوفناک ہے اور گویا میں قربانی کا جانور ہوں جسے ہار ڈال کر قربان گاہ کی طرف لے جا جارہا ہے۔

یعنی میں ناسمجھی سے بھول کر عمر رفتہ کا جو حصہ غزل گوئی شاعری اور اہل دنیا کی مدحت میں جو نظمیں لکھیں ہیں وہ میرے گلے میں گناہوں کا ہار بن گئی ہیں اور میں نے اپنی قیمتی زندگی ناحق فضولیات میں ضائع کر دی ہے اور مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ گناہوں کا وہ قلادہ میرے گلے میں ڈال دیا گیا ہے اور مجھے صدقہ کے جانور کی طرح قربان گاہ میں گناہوں کے بوجھ سمیت ذبح کرنے کے لئے لے جایا جارہا ہے اور میں اس سے غافل ہوں کہ میری گردن میں قلادہ میری ہلاکت کی نشانی ہے۔ امام بوصیریؒ کا یہ شعر اظہار ندامت اور اظہار انکسار ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے خوف و ہیبت سے جس بندہ مومن کی آنکھوں سے کچھ آنسو نکلے اگرچہ وہ مقدار میں بہت کم مثلاً مکھی کے سر کے برابر (یعنی بقدر ایک قطرہ) ہوں پھر وہ آنسو بہہ کر اس کے چہرے پر پہنچ جائیں تو اللہ تعالیٰ اس چہرے کو آتش دوزخ پر حرام فرمادیں گے حضرت معاذؓ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ جناب رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا اپنے آپ کو گناہوں سے بچاؤ کیونکہ گناہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اپنے غضب سے بچائے۔

اَطَعۡتُ غَیَّ الصِّباَ فِی الحاَ لَتَیۡنِ وَمَا
حَصَلۡتُ اِلَّا عَلَی الۡاٰثَامِ وَالنَّدَمِ

میں نے جہالت سے ایام شباب میں شعر گوئی اور اہل دنیا کی تابعداری کی اور دونوں حالتوں میں بجز گناہ اور ندامت کے کچھ حاصل نہ ہوا۔

یعنی ناسمجھی اور جہالت کی وجہ سے ابتدائے ایام جوانی میں غزل گوئی شعر و شاعری اور سلاطین زمانہ کی مدح سرائی کرتا رہا لیکن اس تمام کام سے ماسوائے گناہ اور ندامت کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ امام بوصیریؒ فرماتے ہیں کہ جوانی میں نے فضول کاموں میں گزار دی اور اپنے اس شاعرانہ مزاج کو صحیح رخ پر بوجہ جہالت اور ناسمجھی نہ لگا سکا جو یقینا باعث ندامت اور شرمندگی ہے کہ اپنی عمر کا بہترین حصہ فضول کاموں میں صرف کر دیا اور ماسوائے پشیمانی کے کچھ حاصل نہ ہوا جب انسان کو اپنے گناہوں پر ندامت ہو جائے تو اس کے لئے توبہ کرنا نہایت آسان ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ہر آدمی خطا کار ہے (کوئی ایسا نہیں ہے جس سے کبھی کوئی خطا یا لغزش سرزد نہ ہو) اور خطا کاروں میں

وہ بہت اچھے ہیں جو خطا وقصور کے بعد مخلصانہ توبہ کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جائیں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ استغفار کو لازم پکڑ لے (یعنی اللہ تعالیٰ سے برابر اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہے) تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے تنگی اور مشکل سے نکلنے اور رہائی پانے کا راستہ بنا دے گا اور اس کی ہر فکر اور ہر پریشانی کو دور کر کے کشادگی اور اطمینان عطا فرمائیگا۔ اور اسکو ان طریقوں سے رزق دے گا جن کا اس کو خیال وگمان بھی نہ ہوگا۔

فَیَا خَسَارَۃَ نَفْسِیْ فِیْ تِجَارَتِہَا
لَمْ تَشْتَرِ الدِّیْنَ بِالدُّنْیَا وَلَمْ تَسُمِ

افسوس کہ میرے نفس نے خسارہ کی تجارت کی کہ اس نے دنیا چھوڑ کر دین نہ خریدا بلکہ ارادۂ خرید بھی نہ کیا۔

یعنی اے خسارہ میں رہے والے نفس آ ابھی بھی وقت ہے اور تو نے خسارہ کی تجارت کی ہے کہ دنیا کے بدلے دین بھی نہ خرید سکا اور اگر اب بھی تحصیل دین مبین نہ کرے گا تو پھر کب وقت آئے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَہُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللہ (البقرہ) اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی جان بیچ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں (امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں اور علامہ شبلنجی نے نور الابصار ص ۸۶ میں اور محمد فواد عبد الباقی نے مناقب علی والحسنین ص ۵۴ پر لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے)

اور اللہ تعالیٰ ایسے مومنین کاملین کے ساتھ ایسی ہی پاکیزہ تجارت فرماتے ہیں اور ان کی جانوں کو خرید لیتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں دوسری جگہ ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ بے شک اللہ تعالیٰ نے خرید لیا ہے مومنوں سے انکی جانوں کو۔ یہ تجارت اللہ تعالیٰ کے خاص کرم اور لطف وانعام سے ہی ممکن ہے تاہم انسان کو کوشش کرنی چاہیے کہ جس مالک اور خالق نے جان دی ہے عقل دی ہے مال و دولت دیا ہے اسکی رضا کے لئے دامے درمے سخنے کوشش کرنی چاہیے کہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کی خوشنودی کے لئے خرچ ہوں۔ اگر ایسا نہ ہو تو بے شک انسان ہر حال میں خسارے میں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرمارہے ہیں: والعصر ان الانسان لفی خسرٍ۔ قسم ہے زمانے کی انسان بے شک خسارے میں ہے۔ الا الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحت وتواصو بالحق وتواصو بالصبر۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل صالح کیے اور حق کی وصیت ونصیحت کرتے رہے اور صبر کی وصیت

کرتے رہے۔

قرآن مجید کہتا ہے کہ اہل ایمان اور اہل سعادت ہمیشہ ایک دوسرے کو وصیت و نصیحت کرتے رہتے ہیں۔ کبھی شیطان انسان کو فریب دیتا ہے نفس امارہ انسان کو فریب دیتا ہے۔ آدمی اپنی ذات پر اعتماد کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اب وہ راہ حق سے نہیں پلٹے گا۔ لیکن بڑے بڑے لوگ فریب کھا گئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی کے اسلام کی خوبی اور اس کے کمال میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ فضول اور غیر مفید کاموں اور باتوں کو چھوڑنے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقت اخلاص نصیب فرمائے اور ہمیں مخلص بندہ بنائے

وَمَنۡ یَّبِعۡ اٰجِلاً مِنۡهُ بِعَاجِلِهٖ
یَبِنۡ لَّهُ الۡغَبۡنُ فِیۡ بَیۡعٍ وَّفِیۡ سَلَمٖ

اور جو شخص اپنی آخرت کو اپنی دنیا کے عوض بیچ ڈالے تو اس کو اس بیع میں خواہ وہ بیع وجود مبیع پر ہو یا بیع موعود یعنی سلم دونوں صورتوں میں نقصان اور خسارہ ہو گا۔

یعنی جو شخص اپنے دین اور آخرت کو دنیاوی مال و متاع یا کسی عہدہ و منصب کے عوض لالچ میں آکر بیچ ڈالتا ہے وہ یقینا خسارے کا سودا کرتا ہے چاہے وہ سودا انعام واکرام کی صورت میں ہو یا وہ سودا عہدہ و منصب وغیرہ بصورت ادھار یا وعدہ کی صورت ہو بہر صورت یہ نقصان کا سودا ہے۔ دنیا میں ایسے لوگ گزرے ہیں جو دنیا کی خاطر دین بیچتے رہے ہیں یزید پلید علیہ ما یستحقہٗ کی نامزدگی کے قضیہ میں ایسی خرید و فروخت بڑے وسیع پیمانے پر عمل میں لائی گئی مشہور لبنانی مؤلف عمر ابو النصر نے لکھا ہے کہ امیر معاویہ نے تمیم کے ایک مشہور سردار ابو منازل کو ایک موقع پر ستر ہزار درہم دئے۔ ابو منازل نے یہ دیکھ کر امیر معاویہ کو کہا کہ آپ نے مجھے دوسرے لوگوں کے مقابلے میں تھوڑی رقم دے کر قبیلہ تمیم میں ذلیل کر دیا۔ کیا میں صحیح النسب نہیں! کیا میں بلحاظ عمر کے دوسرے لوگوں سے ممتاز نہیں۔ کیا میں اپنے قبیلے میں معزز ترین فرد نہیں؟ امیر معاویہ نے کہا بے شک۔ ابو منازل نے کہا پھر آپ نے دوسرے لوگوں کے مقابلے میں مجھے تھوڑی رقم کیوں دی۔ امیر معاویہ نے کہا کہ میں نے یہ رقم دے کر ان لوگوں کا دین خرید لیا ہے لیکن چونکہ تم دین دار ہو اور حضرت عثمانؓ کی نسبت اچھی رائے رکھتے ہو اس لئے میں نے تمھیں تمھارے دین ہی کے سپرد کر دیا ہے۔ ابو منازل نے جواب دیا آپ مجھ سے بھی میرا دین خرید لیں۔ امیر معاویہ نے اسے بھی ایک لاکھ درہم دینے کا حکم دے دیا۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ بیعت یزید پلید کے لئے

امیر معاویہ نے حضرت عبدالرحمن ابن ابی بکرؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو بھی ایک ایک لاکھ درہم روانہ کئے مگر ہر دو بزرگوں نے یہ کہہ کر رقم واپس کر دی کہ ہم دنیا کے عوض دین نہیں بیچتے۔ آج بھی ملت اسلامیہ میں انتشار و افتراق پیدا کرنے کے لئے مستشرقین کے آلہ کار اپنا دین چند ٹکوں کی خاطر بیچ کر نفرت کے بیج بو رہے ہیں۔ جو یقینا قابل مذمت فعل ہے اور قابل مواخذہ بھی۔

اِن اٰتِ ذَنباً فَمَا عَهدِیْ بِمُنتَقِضٍ
مِّنَ النَّبِیِّ وَ لاَ حَبلِیْ بِمُنصَرِمٖ

اگرچہ میں گناہ گار ہوں مگر میری اطاعت کا معاہدہ ٹوٹنے والا نہیں جو میں نے حضورؐ سے کیا ہے اور نہ میری امید کی رسی کٹنے والی ہے۔

یعنی میں جرائم کے ارتکاب کی وجہ سے گناہ گار اور بدکار ہوں مگر شفاعتِ جناب شفیع المذنبین ﷺ سے ناامید نہیں ہوں اور میری یہ سیاہ کاریاں مجھے عقیدت و محبت کی رسی توڑ کر الگ نہیں کر سکتیں۔ اس شعر میں امام بوصیریؒ عقیدہ اہل حق کا خلاصہ بیان فرما رہے ہیں کہ گناہ گار اگرچہ گناہ کرتا رہے مگر ان گناہوں پر شرمندہ ہو اور امید عفو رکھتا ہو گناہوں کو حلال نہ جانے وہ مسلمان ہے اور جب تک مسلمان ہے اللہ کے دین اور حب نبویؐ کی رسی اس کے ہاتھ میں ہے۔ اور لا الہ الا اللہ کا معاہدہ قائم ہے اور جب سچے دل سے توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطھرین۔ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور پاک رہنے والوں کو محبوب بناتا ہے جب بندہ اپنے برے حال اور برے افعال پر غور و فکر کرے اور اس سے نجات چاہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اسباب توبہ آسان کر دیتا ہے پھر اسے اس کے گناہوں کی شامت سے رہائی دیتا ہے اور اسے اطاعت کی حلاوت عطا فرماتا ہے اور ساتھ ہی جناب شافع محشر ﷺ کی شفاعت کی امید اور بھروسہ بھی ہو تو پھر ایسے خوش بخت کا کیا کہنا۔ حضور نبی کریم ﷺ اولین شافع اور اولین مشفع ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً۔ تیرا رب تجھے مقام محمود پر ضرور کھڑا کریگا۔ مقام محمود ہی مقام شفاعت ہے اس آیت کی تفسیر میں امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے صحیح حدیث بروایت حضرت انسؓ نقل فرمائی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو قیامت کے دن جمع فرمائے گا تب ان کے دل میں یہ بات ڈالی جائے گی کہ ہم اگر اللہ تعالیٰ کی جناب میں کسی کو شفاعت کے لئے پیش کریں۔ (تو خوب ہے) تاکہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس جگہ سے نجات دے۔ تب لوگ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آدم ابوالبشر ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا پھر جنت میں ٹھہرایا۔ پھر فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے جملہ اسماء کی

تعلیم آپ کو دی۔ لہٰذا آپ ہماری شفاعت کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو یہاں سے نجات (راحت) دے وہ کہیں گے نہیں۔ میں نہیں کرسکتا۔ پھر وہ اپنی خطا کو ذکر کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کا ذکر کرکے کہیں گے کہ تم نوح (علیہ السلام) کے پاس جاؤ وہ پہلے رسول ہیں تب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ نوحؑ کہیں گے نہیں میں نہیں۔ وہ بھی اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کریں گے اور فرمائیں گے تم ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس جاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہے۔ وہ کہیں گے نہیں میں نہیں۔ وہ بھی اپنی خطا کو یاد کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کا ذکر کریں گے اور کہیں گے موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس جاؤ جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام بھی کی ہے اور انہیں تورات بھی دی ہے وہ کہیں گے نہیں میں نہیں وہ اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور حیا کا۔ پھر کہیں گے کہ عیسیٰ روح اللہ کے پاس جاؤ۔ لوگ عیسیٰ روح اللہ وکلمۃ اللہ کے پاس آئیں گے وہ کہیں گے میں نہیں تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اگلا پچھلا سب کچھ معاف کر دیا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تب لوگ میرے پاس آئیں گے تب میں اپنے رب سے اذن حاصل کروں گا مجھے اذن دیا جائے گا پھر جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر پڑوں گا پھر اللہ تعالیٰ مجھے دعا سکھائے گا جو کچھ چاہے گا میری زبان سے کہلائے گا تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا محمدؐ اپنا سر اٹھاؤ۔ بولو۔ تمہاری سنی جائیگی۔ مانگو تم کو دیا جائے گا۔ شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول ہوگی۔ جناب شافع محشر نبی رحمت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں سر اٹھاؤں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا وہ تحمید مجھے اللہ تعالیٰ ہی سکھلا دے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا۔ پھر میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں اتنے لوگوں کو آگ سے نکالوں گا اور جنت میں داخل کروں گا۔ حضرت انسؓ کہتے کہ تیسری دفعہ یا چوتھی دفعہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھر میں کہہ دوں گا کہ اے رب اب تو آگ میں وہی رہ گیا ہے جس کو قرآن نے روک رکھا ہے یعنی وہی جس پر خلود واجب ہے۔ بخاری کی ایک روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے پھر یہ آیت "عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً" پڑھی اور فرمایا کہ مقام محمود جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی سے کیا ہے یہی وہ مقام ہے حدیث بالا سے ثابت ہوا کہ منصب شفاعت بالتخصیص جناب نبی کریم ﷺ ہی کو عطا ہوا اور منصب شفاعت میں کوئی نبی۔ کوئی مرسل اور کوئی اولوالعزم بھی حضور ﷺ کا سہیم وسہیم اور شریک نہیں۔

فَاِنَّ لِیْ ذِمَّۃً مِّنْہُ بِتَسْمِیَتِیْ
مُحَمَّدًا وَّھُوَا فِی الْخَلْقِ بِالذِّمَمِ

مجھے حضور ﷺ کی مدد اور امان حاصل ہے کیونکہ میرا نام بھی محمد ہے اور حضور ﷺ اپنے وعدے

وفا کرنے میں تمام مخلوق سے زیادہ بڑھے ہوئے ہیں۔

یعنی مجھے حضور نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد ونصرت اور انکی طرف سے امان حاصل ہے کیونکہ میرا نام بھی محمد سے شروع ہوتا ہے اور جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق سے بڑھ کر ایفائے عہد فرمانے والے ہیں۔اس شعر میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن ایک منادی ہوگی کہ خبردار جس کا نام محمد یا احمد ہے وہ کھڑا ہو اور جنت میں داخل ہو جائے۔یہ اعزاز ہے اس نام نامی اسم گرامی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔

اس متبرک نام کی جو چار حرفی ہے خصوصیت یہ ہے کہ اللہ کے نام کی طرح ہے اور آدمی کی شکل سے ملتا جلتا ہے میم اول اس کا سر ہے حا اس کے دو بازو ہیں میم ثانی اس کی ناف ہے اور دال دونوں پاؤں اور قدیم کوفی خط میں یہ شکل بالکل واضح ہے اور محمد اللہ کے نام محمود سے مشتق ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام نامی اسم گرامی کو اپنے نام سے مشتق فرمایا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان وشوکت میں اضافہ ہو۔حضرت سریج بن یونس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے ایسے ہیں جو زمین میں گھومتے پھرتے رہتے ہیں ان کا کام یہ ہے کہ ہر اس گھر میں حاضری دیتے ہیں جس میں محمد یا احمد نام کا کوئی آدمی رہتا ہو ان فرشتوں کی عبادت یہی ہے۔قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشفاء میں لکھا ہے کہ قاضی ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابی الحمرا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب مجھے آسمانوں کی سیر کروائی گئی تو میں نے عرش الٰہی پر لکھا ہوا دیکھا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَیَّدْتُہٗ بِعَلِیٍّ۔یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں جن کی علی علیہ السلام کے ذریعے میں نے مدد فرمائی۔بعض اکابر اولیاء اللہ اور اکابر علماء نے لکھا ہے اور اس ناکارہ کا مجرب ہے کہ جب کوئی عورت حاملہ ہو جائے تو بچے کا نام محمد رکھ دیا جائے تو اس نام نامی اسم گرامی کی برکت سے لڑکا ہی پیدا ہوتا ہے۔(میں نے خود بھی ایسا ہی کیا تھا اور بعض دوستوں کو بھی بتلایا جنھوں نے اس پر عمل کیا تو اللہ کے فضل وکرم اور اس مبارک نام کے توسل سے لڑکے ہی پیدا ہوئے) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید فرقان حمید میں دو جگہوں پر اس مبارک نام سے موسوم فرمایا۔مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔(الفتح:۲۹) مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ (الاحزاب:۶۰) لفظ محمد کا وزن مُفَعَّل ہے یہ مبالغہ کا صیغہ ہے اور کثرت حمد پر دلالت کرتا ہے یعنی جس کی سب سے زیادہ حمد کی گئی ہو۔اللہ تعالیٰ بابرکت اسم مقدس کے طفیل ہم سب مسلمانوں کی دنیا وآخرت سنوار دے۔آمین۔

اِنْ لَّمْ یَکُنْ فِیْ مَعَادِیْ اٰخِذًا بِیَدِیْ
فَضْلًا وَّاِلَّا فَقُلْ یَا زَلَّۃَ الْقَدَمِ

اگر حضور ﷺ اپنے فضل و کرم سے میرے مرتے وقت میرا ہاتھ نہ تھامنے والے ہوں تو کہنا اے پھسلے ہوئے ذلیل قدم۔

یعنی حضور ﷺ نے براہ فضل و کرم واز روئے عہد جو اپنے ہمنام کی مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے آخرت میں میری دستگیری نہ فرمائیں تو میری بدنصیبی کی حد ختم ہو جائے۔ گلشن اہلبیتؑ کے نخل سدا بہار جناب امام جعفر صادقؑ اپنے والد گرامی جناب باقر العلوم و آبائہ السلام سے روایت فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز ایک منادی ندا کرے گا: اے لوگو جس کا نام محمد یا احمد ہے وہ جنت میں چلا جائے۔ نیز جب میت کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو میت سے جو سوال کئے جاتے ہیں ان میں ایک مَن نَبِیُّکَ تیرا نبی کون ہے کیا جاتا ہے اور حضور رحمت اللعالمین ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے بارے میں تمہارا امتحان لیا جائے گا اور تم سے سوال کیا جائے گا کہ یہ کون مرد ہے جو تم میں بھیجا گیا۔ مومن جواب دیتا ہے کہ میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ جناب رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ قبر کا امتحان تو میرے ہی بارے میں ہے تم سے میرے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ یہ جہان عالم دنیا ہے موت کے بعد عالم برزخ ہے اس کے بعد عالم حشر ہے پھر پل صراط کی منزل ہے ازاں بعد جنت و دوزخ ہے اور یہ بات تو طے اور ثابت ہے کہ حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ اس جہان دنیا میں اللہ کے بعد تمام مخلوق پر مہربان اور رحیم ہیں۔ یوم حشر میں شفاعت کبریٰ سے مخلوق کو فیض یاب فرمائیں گے اور پل صراط پر بھی اپنی امت کی رہنمائی اور مدد فرمائیں گے تو یقیناً عالم برزخ میں بھی اپنی امت کی دستگیری فرمائیں گے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ تمام عالمین کے پروردگار ہیں اور رب ہیں تو حضور ﷺ بھی بنص قرآنی تمام جہانوں کے لئے رحمت اللعالمین ہیں پس عالم برزخ یعنی قبر میں بھی اپنے امتیوں کی دستگیری فرمائیں گے اور شان رحمت اللعالمینی کے جلوے دکھلائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو ساقی کوثر ﷺ کی شفاعت سے فیض یاب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

حَاشَاهُ اَنْ يُّحْرِمَ الرَّاجِيْ مَكَارِمَهٗ
اَوْ يَرْجِعَ الْجَارُ مِنْهُ غَيْرَ مُحْتَرَمِ

ہرگز وہ ایسی ہستی نہیں کہ بخشش و کرم سے محروم کر دیں سائل امیدوار کو۔ جو ان کے دربار میں جاتا ہے وہ مایوس اور بے نیل مرام واپس نہیں آتا۔ یعنی حضور رسالت پناہ ﷺ کی شان جود و سخا اس عیب سے منزہ ہے کہ آپ کی بارگاہ عالی سے کوئی سائل یا آپ سے مدد چاہنے والا آپ کے مکارم و عطایا سے محروم

واپس آئے یا غیر موقر و غیر محترم ناکام واپس آئے بلکہ ہمیشہ کامیاب و محترم ہوتا ہے اور آپ ﷺ کی ذات بابرکات سراسر چشمہ فیض ہے جہاں سے کوئی مانگنے والا مدد چاہنے والا ناکام واپس نہیں آتا۔ حضرت جابر بن عبداللہ ؓ فرماتے ہیں کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ نبی کریم ﷺ سے کسی سائل نے کوئی سوال کیا ہو اور حضور ﷺ نے اس کے جواب میں ''نہ'' فرمایا ہو

مشہور عرب شاعر فرزدق نے کیا خوب کہا ہے:

مَا قَالَ لَا قَطُّ اِلاَّ فِي تَشَهُّدِہٖ
لَوْ لَا التَّشَهُّدُ كَانَتْ لَاءُہٗ نَعَمِ

میرے حضور ﷺ نے تشہد کے بغیر کبھی ''لا'' نہیں کہا اور اگر تشہد میں (اشھدان لا الہ الا اللہ) کہنا ضروری نہ ہوتا تو پھر ان کی ''لا'' بھی نعم (ہاں) ہوتی۔

سلطان الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والثنا کے جود و کرم کا اگرچہ اندازہ لگانا مشکل ہے تاہم ذکر حبیب ﷺ کے طور پر تحریر ہے کہ جنگ حنین میں جو مال غنیمت حضور ساقی کوثر ﷺ کے حصہ میں بطور خمس آیا اسکی تعداد آٹھ ہزار بکریاں۔ چار ہزار آٹھ صد اونٹ۔ آٹھ ہزار اوقیہ چاندی اور گیارہ سو جنگی قیدی۔ لیکن اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے سب کچھ محض رضائے الٰہی کے لئے فقیروں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیا اور خود نہایت سادگی اور قناعت سے زندگی بسر فرمائی اور کئی بار فاقہ کشی تک نوبت پہنچی۔ ایک دفعہ حضور خیر الوریٰ ﷺ نے حضرت ابو ذر غفاری ؓ سے فرمایا۔ اے ابو ذر ؓ مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے پاس کوہ احد کے برابر سونا ہو اور تیسرے دن تک اس میں میرے پاس ایک اشرفی بھی بچ رہے سوائے اس کے جو ادائے قرض کے لئے ہو تو اے ابو ذر ؓ میں اس مال کو دونوں ہاتھوں سے خدا کی مخلوق میں تقسیم کر کے اٹھوں گا۔ چنانچہ اس کمال سخاوت و بخشش کے سبب آپ ﷺ مقروض رہتے تھے حتیٰ کہ جس دن آپ ؐ دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ ؐ کی زرہ اہل و عیال کے اخراجات میں رہن رکھی ہوئی تھی۔ جناب شیر خدا فاتح خیبر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ جب بھی سرور کون و مکان فخر زمین و زماں ﷺ کی مدح و ثنا میں رطب اللسان ہوتے تو حضور سرکار دو جہاں ﷺ کی شان جود و سخا کا ذکر ضرور فرماتے اور کہتے کہ حضور ﷺ اپنی ہتھیلی مبارک سے عطیہ دینے میں تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔ یہ عاجز و بے نوا بھی در مصطفی ﷺ کا بھکاری ہے۔

وَمُنْذُ اَلْزَمْتُ اَفْكَارِيْ مَدَائِحَہٗ
وَجَدْتُّہٗ لِخَلَاصِيْ غَيْرَ مُلْتَزِمِ

جب سے میں نے اپنے افکار میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح لازم کی تو میں نے اپنی نجات کے لئے

بہترین جائے پناہ اور ضامن پایا۔

یعنی جب سے میں نے اشعار گوئی اور مدح دنیا چھوڑ کر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت گوئی اور مدح شروع کی ہے اور اپنے افکار کو نعت نبویؐ پر لگایا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ میں نے بہترین جائے پناہ حاصل کر لی ہے اور نعت نبویؐ بہترین بخشش کا وسیلہ اور ذریعہ نجات ہے۔ ذکر خدا کے بعد ذکر رسولؐ سب سے اہم ہے اور آفات کے اوقات میں علماء امت ہمیشہ جناب سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاوت و تالیف اور نظم مدائح و معجزات اور تکثیر سلام وصلوۃ سے توسل کرتے رہے ہیں چنانچہ بخاری شریف کے ختم کا معمول اور حصن حصین کی تالیف اور خود قصیدہ بردہ شریف کی تصنیف کی وجہ مشہور و معروف ہے اور کثرت درود شریف دیگر تمام وظائف پر فائق ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ بھی اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتا ہے اور مسلمانوں کو بھی حکم دیتا ہے کہ تم بھی درود بھیجو۔ حضرت ابن مسعودؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اللہ جل شانہ کے بہت سے فرشتے ایسے ہیں جو (زمین میں) پھرتے رہتے ہیں اور میری امت کی طرف سے مجھے سلام پہنچاتے ہیں اور بھی متعدد صحابہ کرامؓ سے یہ مضمون نقل کیا گیا ہے۔ علامہ سخاویؒ نے جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی روایت سے بھی یہ مضمون نقل کیا ہے کہ اللہ جل شانہٗ کے کچھ فرشتے زمین میں پھرتے رہتے ہیں جو میری امت کا درود مجھ تک پہنچاتے رہتے حضرت عمار بن یاسرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے ایک فرشتہ میری قبر پر مقرر کر رکھا ہے جس کو ساری مخلوق کی باتیں سننے کی قدرت عطا فرما رکھی ہے پس جو شخص بھی مجھ پر قیامت تک درود بھیجتا رہے گا وہ فرشتہ مجھ کو اس کا اور اس کے باپ کا نام لے کر درود پہنچاتا ہے کہ فلاں شخص جو فلاں کا بیٹا ہے اس نے آپ پر درود بھیجا ہے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص میرے اوپر میری قبر کے قریب درود بھیجتا ہے میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو دور سے مجھے پر درود بھیجتا ہے وہ مجھ کو پہنچا دیا جاتا ہے۔ اس روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خود سننے میں کوئی اشکال نہیں اس لئے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔ علامہ سخاویؒ نے قول بدیع میں لکھا ہے کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہیں اپنی قبر شریف میں۔ امام بیہقیؒ نے انبیاء کی حیات میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے اور علامہ سیوطیؒ نے بھی حیات انبیاء میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے اور تحدیث نعمت کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ راقم ناکارہ کی کوشش اور تعاون سے متذکرہ بالا دونوں رسالے یکجا کر کے ادارۂ اسلامیات لاہور نے شائع فرمائے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ کسی نہ کسی

بہانے بات ان کی ہوتی رہے ذکر ان کا ہوتا رہے اور کسی درجہ میں سہی وابستگی اس در دولت سے رہے۔

وَلَنۡ یَّفُوۡتَ الۡغِنیٰ مِنۡہُ یَداً تَرِبَتۡ
اِنَّ الحَیاَ یُنۡبِتُ الۡاَ زھَارَ فِی الاَ کَمٖ

اور ہرگز وہ کسی مفلس ہاتھ کو بغیر مالا مال کئے واپس نہیں کریں گے کیونکہ جب بارش ہوتی ہے تو پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھی کلیوں اور کونپلوں کو اگا دیتی ہے۔

یعنی حضور سرورِ کون و مکان فخر زمین و زمان ﷺ کا فیض عام مثل باران رحمت کی طرح ہے کہ عام مزروعہ زمین کو سیراب کرنے علاوہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھی کونپلیں اور پھول کلیاں اُگ آتے ہیں اور جناب شفیع المذنبین ﷺ کی شفاعت کبریٰ عام ہوگی اور شان جود وسخا بھی عام تھی اور فیضان رحمت اب بھی جاری ہے اور مانگنے والے اب بھی جھولیاں بھر بھر کے لے رہے ہیں اور قیامت تک یہ فیض جاری رہے گا۔ انسان کی اس دنیا میں بھی سب سے اہم ضرورت دین و ایمان ہے جو حضور ﷺ کی رسالت کا اقرار کئے بغیر نہیں ملتا۔ محبت نبویؐ اور اتباع نبویؐ سرمایہ حیات ہے جو قبر کی تاریکیوں میں کام آئے گا اور آخرت میں شفاعت کبریٰ کا حق دار بنائے گا اور جنت میں سرکار دو عالم ﷺ کے نزدیک کرے گا۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ بلاشک قیامت میں لوگوں میں سے سب سے زیادہ مجھ سے قریب وہ شخص ہوگا جو سب سے زیادہ مجھ پر درود بھیجے۔ نیز ارشاد فرمایا کہ مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو اس لئے کہ قبر میں ابتداءً تم سے میرے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ طبرانی میں جناب رحمت کائنات سید الاولین والاخرین ﷺ کا ارشاد مبارک نقل ہے کہ جو شخص صبح کو مجھ پر دس بار درود بھیجے اور شام کو دس بار قیامت کے دن اس کے لئے میری شفاعت ہوگی اور آقائے دو جہان ﷺ ارشاد فرماتے ہیں میں وہ رحمت ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بطور تحفہ عطا فرمائی۔ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جناب ہادی عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی امت کے لئے شفاعت کرتا رہوں گا یہاں تک کہ میرا رب مجھے ندا کرے گا اور پوچھے گا یا محمدؐ کیا آپ راضی ہو گئے؟ میں عرض کروں گا میرے پروردگار میں راضی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے حبیب مکرم ﷺ کے فیضانِ رحمت سے دنیا و آخرت سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین۔

وَلَمۡ اُرِدۡ زَھۡرَۃَ الدُّ نیاَ الَّتِی اقۡتَطَفَتۡ
یَدَا زُھَیۡرٍ بِمَا اَثۡنیٰ عَلیٰ ھَرِمٖ

میں حضور ﷺ کی مدح سرائی سے وہ تازگی اور دنیا کی خوبی حاصل نہیں کرنا چاہتا جو زہیر بن ابی

سلمیٰ نے سنان بن ہرم کی تعریف کے صلہ میں حاصل کی۔
یعنی میں کسی دنیاوی غرض وغایت کے لئے اور مال و دولت کے حصول کے لئے آقائے دو جہان کی مدح سرائی نہیں کر رہا ہوں بلکہ میرا مقصد شفاعت نبویؐ کا حصول اور درجات آخرت حاصل کرنا ہے۔
زہیر بن ابی سلمی عرب کے مشہور شاعر تھے اور یہ پورا خاندان شاعر تھا۔ زہیر کا باپ بھی شاعر تھا اس کے ماموں بھی شاعر تھے اس کی بہن سلمیٰ بھی شاعرہ تھی اس کے بیٹے حضرت کعب اور بجیرہ دونوں شاعر اور اس کی دوسری بہن خنساء بھی شاعرہ تھی۔ اور سنان بن ہرم مری قبیلہ کے سردار تھے اور انہوں نے دو قبیلوں کے درمیان صلح کرائی تھی اور بار دیت اپنے اوپر لے لیا تھا جس وجہ سے زہیر بن ابی سلمیٰ نے سنان بن ہرم کی مدح میں ایک طویل قصیدہ کہا تھا۔ جبکہ اس کے بیٹے کعب نے حضور ﷺ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا تھا۔ ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں اس قصیدہ کے ۵۱ شعر نقل کئے ہیں جبکہ ابن ہشام نے اپنی تحقیق سے ۷ شعروں کا اضافہ کیا ہے جبکہ ایک شعر جو بہت خوبصورت ہے اور حضور ﷺ کی مدح ہے۔

ان الرسول لنور لیستضاء بہ... وصارم من سیوف الھند مسلول

اس شعر کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ بلاشبہ ایک نور ہیں جن سے اجالا اس طرح آنکھوں کے سامنے پھیل جاتا ہے جس طرح نیام سے جب تلوار نکلتی ہے تو ایک چمک سی آنکھوں کے سامنے پیدا ہو جاتی ہے شاعر نے جب یہ شعر پڑھا تو حضور انور ﷺ نے اپنا پیراہن مبارک اتار کر شاعر کو دے دیا۔ اس قصیدہ کا اصل موضوع تو طلب عفو اور معذرت پیش کرنا ہے مدح کا مضمون ضمنی ہے اور نعت کا صرف ایک شعر ہے جس کو شاہ بیت یا حاصل قصیدہ کہا جا سکتا ہے لیکن یہ ایک شعر جو نعت کا ہے اس کے طالع کی ارجمندی اور بخت یاوری پر ہزاروں دیوان اور بیاضیں قربان کہ اس شعر کو حضور اکرم ﷺ نے پسند فرما لیا اور اپنا پیراہن مبارک عطا فرما کر شاعر اور شعر دونوں کو عمر جاوید عطا فرما دی۔ اس لئے اس قصیدہ کو قصیدہ بردہ کہا جاتا ہے اور ''بانت سعاد'' مطلع کا ابتدائی لفظ ہے اور چونکہ امام بوصیریؒ کے قصیدہ پر بھی انہیں خواب میں چادر مرحمت ہوئی تھی اس لئے ان دونوں میں تمیز کے لئے پہلے قصیدہ کو ''بانت سعاد'' اور دوسرے کو قصیدہ بردہ کہتے ہیں اور قصیدہ بانت سعاد کی بھی بے شمار شرحیں مختلف زبانوں میں لکھی جا چکی ہیں اور اس قصیدہ پر دوسرے اہل ذوق نے جو طبع آزمائی مخمس۔ مسدس اور مسبع کی شکل میں کی ہے ان کی فہرست بھی بہت طویل ہے اللہ تعالیٰ ان سب بزرگوں کی کوشش کو مقبول فرمائے اور ہم تمام مسلمانوں کو بھی اپنے محبوبؐ کی محبت عطا فرمائیں۔

یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ مَالِیْ مَنْ اَلُوْذُبِہٖ
سِوَاکَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمٖ

اے تمام تر مخلوقات سے زیادہ کرم فرمانے والے مصیبتوں کے عام نزول کے وقت آپؐ کے سوا کوئی نہیں جس کی پناہ میں آؤں۔

یعنی اے رحمت اللعالمین، اے شفیع المذنبین، اے رؤوف رحیم ﷺ مصائب و تکالیف کے نزول کے وقت آپؐ کی ذات اقدس کے سوا میری کوئی پناہ گاہ نہیں آپ میرے حال پر کرم فرمائیں اور میری مدد فرمائیں۔علامہ سید انور شاہ صاحب محدث کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ حضور رحمت کائنات ﷺ احب الخلق الی اللہ ہیں۔حضور علیہ السلام اکرم الخلق علی اللہ بھی ہیں۔عرش اعظم پر پورا کلمہ طیبہ لکھا ہونا بھی حضور ﷺ کے افضل الخلق واحب الخلق واکرم الخلق ہونے کی دلیل ہے اور حضور ﷺ مستغاث الخلق ہیں یعنی حق تعالیٰ شانہٗ کے بعد سب ہی آپ کی نگہ التفات وکرم کے محتاج وامیدوار ہیں اور حضور نور مجسم ﷺ مرکز ایمان ہیں کہ سارے مومنین عالم کے ایمانوں کے تار آپ ﷺ کے قلب منور معظم سے جڑے ہوئے ہیں آپؐ مرکز عالم بھی ہیں کہ عظیم تر ساری مخلوق بطور دائرہ عظیمہ ہے جس کا مرکز ومحور ذات گرامی صاحب لولاک ہے۔مشیئت ایزدی میں اپنی ربوبیت کا اظہار ہوا اور دنیا کے ہزارہا عالم پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ کے نور معظم کو پیدا فرمایا اس لئے آپؐ مرکز وجود بھی ہیں اور سب سے پہلے آپؐ کے قلب منور کو حق تعالیٰ جل ذکرہ نے نور نبوت عطا فرما کر مرکز ایمان بھی بنایا اور آپ مرکز عالم ہیں۔کمالات محمدیہؐ ایسے نہیں کہ نطق و بیان کی حد میں آسکیں۔بس ذات حبیب ﷺ سے محبت ہونی ضروری ہے اور محبت بھی ادب اور عقیدت سے ہو کہ ادب پہلا قرینہ ہے محبت کا۔جتنا در دولت سے تعلق مضبوط ہوگا اتنا ہی دنیاوی برزخی واخروی مصائب و مشکلات آفات وتکالیف سے نجات حاصل رہے گی اور قرآن مجید فرقان حمید میں اللہ تعالیٰ اس امر کا حکم فرماتے ہیں کہ ''ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جائوک'' کہ جب لوگ اپنے نفس پر ظلم کر گزریں تو در رسولؐ پر حاضری دیں اور توبہ استغفار کریں گویا مسلمانوں کی پناہ گاہ دربار رسولؐ ہی ہے اور اس آیت مبارکہ کا حکم عام ہے اور تا قیامت جاری ہے۔علامہ سمہودیؒ نے اپنی سند سے باب مدینۃ العلم حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک بدوی حضور ﷺ کی تدفین کے تین روز بعد آیا اور قبر مبارک پر گیا اور مٹی لے کر سر پر ڈالی اور کہا اے اللہ کے رسولؐ جو آپ نے فرمایا ہم نے آپؐ کا ارشاد سنا اور جو آپؐ نے خدا سے یاد کیا ہم نے آپؐ سے یاد کیا اور جو آپؐ پر نازل ہوا اس میں یہ بھی ہے ''ولو انھم اذ ظلموا انفسھم آلایۃ'' اور میں نے (اپنے نفس پر) ظلم کیا ہے اور آپ کے پاس آیا ہوں آپ میرے لئے دعائے مغفرت فرمائیں تو مزار مبارک سے ندا آئی تم کو بخش دیا گیا۔قبر اطہر سے استمداد اور استشفاع بالاتفاق جائز ہے اور مشائخ کاملین

سے ندا اور استغاثہ ثابت ہے بس عظمت رسولؐ کے منحرفین اور عقیدہ حیات النبیؐ کے منکرین ہی اس آثار فیوض حق تعالیٰ کو اپنی ناقص عقلوں سے نہ سمجھ سکے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اپنے پیارے حبیب ﷺ کی تعظیم وتکریم کو توفیق عطا فرمائیں جیسا کہ ان کا حق ہے اغثنا یا رسول اللہ تشفعنا بک یا رسول اللہ۔ مستغیث است الغیاث اے سرور عالی مقام

وَلَن یَّضِیقَ رَسُولَ اللهِ جَاهُكَ بِیۡ
اِذَ الۡکَرِیۡمُ تَجَلّٰی بِاِسۡمِ مُنۡتَقِمِ

ہرگز کم نہ ہوگی قدر ومنزلت جناب رسول اللہ ﷺ کی میری شفاعت کی وجہ سے کہ جب رب کریم منتقم حقیقی کے نام سے جلوہ افروز ہوگے۔

یعنی قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اپنے جلال و جمال اور منتقم حقیقی کے طور پر جلوہ افروز ہوں گے۔ تو جناب شفیع المذنبین ﷺ بے شمار مومنین مجرمین کی شفاعت فرمائیں گے تو مجھ بے کس و بے نوا کی شفاعت سے آپؐ کی قدر ومنزلت کم نہ ہوگی اور نہ آپ کو تنگی محسوس ہوگی۔ قیامت کے دن اللہ جل جلالہ اپنے پورے جلال سے عرش مبارک پر جلوہ افروز ہوں گے اور حدیث مبارک میں وارد ہے کہ عرش کو اٹھانے والے ملائکہ اب تو چار ہیں اور قیامت کے دن عرش الٰہی کو آٹھ ملائکہ اٹھائے ہوئے ہوں گے اور جہنم کو ساتویں زمین سے کھینچ کر لایا جائے گا اس کی لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے کھینچتے ہوں گے جب انسانوں سے اس کا فاصلہ ایک ہزار سال کی مسافت کے برابر رہ جائے گا تو جہنم ایک سانس لے گی جس سے ہر مقرب فرشتہ اور ہر نبی مرسل دوزانو ہو کر کہے گا ''یارب نفسی نفسی'' تو ایسے میں ہمارے آقائے نامدار سید یوم النشور ﷺ اپنی امت کی شفاعت فرما رہے ہوں گے کبھی مقام محمود پر جلوہ افروز ہو کر اور کبھی پل صراط کے قریب کھڑے ہو کر دعا فرمائیں گے اے اللہ میری امت پر رحم فرما اور حضور رحمت اللعالمین ﷺ چار دفعہ اللہ رب العزت سے اپنی امت کی بخشش کرائیں گے اور جب پوری امت کی شفاعت فرمائیں گے تو یہ بے نوا بھی حضورؐ کا نام لیوا اور امتی ہے اور طلب گار شفاعت ہے دنیا و آخرت میں نگاہ فیض کا ملتجی ہے یقیناً اس عاجز و بے نوا کے دست سوال کو خالی نہ لوٹائیں گے کہ اس در سے کبھی کوئی خالی نہیں آتا کیونکہ وہ تو رؤف رحیم ﷺ کا در ہے۔

فَاِنَّ مِن جُودِكَ الدُّنۡیَا وَضَرَّتَهَا
وَمِن عُلُومِكَ عِلمَ اللَّوۡحِ وَالۡقَلَمِ

بے شک دنیا آپؐ ہی کے خوان جود و کرم سے ہے اور آخرت کا وجود اور لوح و قلم کے علم آپؐ کے دائرہ علم کا ایک جز ہیں۔

یعنی اگر حضور باعث تخلیق کائنات ﷺ نہ ہوتے ''لولاک لما خلقت الافلاک'' تو نہ یہ دنیا ہوتی نہ زمین و آسمان ہوتے نہ آخرت پیدا ہوتی اور نہ لوح قلم ہوتے اور لوح وقلم کے علوم حضور معلم و مقصود کائنات ﷺ کے دائرہ معلومات کا ایک جز ہیں۔ حدیث لولاک مشہور عام حدیث ہے اور حضور ﷺ کا نام نامی اسم گرامی عرش پر آسمان و زمین وغیرہ سے ۲۰ لاکھ سال قبل لکھا ہوا تھا اور آپؐ ہی نے سب سے پہلے الست بربکم کا جواب دیا تھا اور خلق عالم سے مقصود بھی آپؐ ہی تھے اور حضرت مجددؒ نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ کو اپنی ربوبیت کا اظہار مقصود ہوا، اس لئے حضور علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جناب فخر المرسلین ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید موتی کا بنایا اس کے صفحات سرخ یاقوت کے، قلم نور کا اور تحریر نور کی ہے۔ اس کا طول اتنا ہے جتنا آسمان سے زمین اور عرض اتنا ہے جیسے مشرق سے مغرب۔ اور حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سب سے اول اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا لکھ۔ قلم نے عرض کیا کیا لکھوں؟ ارشاد فرمایا تقدیر لکھ چنانچہ قلم نے ہر وہ چیز لکھ دی جو گزر گئی اور آئندہ کبھی بھی ہونے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ القلم میں وَالْقَلَمِ اس قلم کی قسم کھائی ہے یہاں یہ بات ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ علم غیب خدا کی ذات کا خاصہ ہے اور جن باتوں کا ظہور حضور ﷺ کی زبان مبارک سے ہوا وہ خدا کی طرف سے بذریعہ وحی ہوا۔ حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ ہمارے درمیان ایسے مقام پر سرفراز رہے کہ آپؐ نے تا قیامت وقوع پذیر اشیاء کا ذکر فرما دیا۔ بخدا حضور اکرم ﷺ نے قیامت تک آنے والے تمام مفسدوں اور ان کے ساتھیوں کا ذکر فرما دیا تھا جن کی تعداد تین سو سے کچھ اوپر تھی نیز آپؐ نے ان کے آباء اور ان کے قبیلوں کے نام بھی ہمیں بتا دیئے تھے۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا زمین میرے سامنے پیش کی گئی اور میں نے اس کے مشرق و مغرب پر نگاہ ڈالی جلدی ہی میری امت کی سلطنت ان مقامات تک جو مجھے دکھائے گئے ہیں پہنچ جائے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ بعد کے آنے والوں میں بدبخت ترین انسان کون ہے انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں آپؐ نے فرمایا تمہارا قاتل۔ اسی طرح آپؐ نے کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی اطلاع دی آپؐ نے مٹی ہاتھ میں اٹھائی اور فرمایا کہ اس میں امام کی آرام گاہ ہوگی۔

حضور صادق المصدوق ﷺ نے حضرت عمارؓ سے فرمایا کہ تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا چنانچہ حضرت عمارؓ جنگ صفین میں باغیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ حدیث سفینہ میں مذکور ہے کہ حضور سرورکونین ﷺ نے فرمایا میرے بعد خلافت تیس سال تک رہے گی پھر اس کے بعد ملوکیت بن جائے گی۔ چنانچہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی خلافت تک تیس سال پورے ہوگئے۔ جناب صادق المصدوق ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی زیارت کی بڑی حسین اور پیاری صورت میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ملاء اعلیٰ کے مکین کس بات پر جھگڑ رہے ہیں میں نے عرض کی اے اللہ تعالیٰ! تو ہی زیادہ جانتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی ہتھیلی میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھی جس کی ٹھنڈک میں نے سینے میں محسوس کی پھر میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں میں تھا اور جو کچھ زمین میں تھا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس حدیث مبارکہ کی شرح میں فرماتے ہیں پس جو چیز آسمانوں میں تھی اسے بھی میں نے جان لیا اور جو چیز زمینوں میں تھی اسے بھی میں نے جان لیا (پھر فرماتے ہیں) کہ اس ارشاد نبویؐ کا مقصد یہ ہے کہ تمام علوم جزوی وکلی مجھے حاصل ہو گئے اور میں نے ان کا احاطہ کر لیا۔ بس مسلمان کیلئے یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ تمام مخلوق سے زیادہ علم حضور ﷺ کو حاصل تھا۔ جس عظیم ترین ہستی کی خاطر زمین و آسمان بنائے گئے اور یہ جہانِ رنگ و بو وجود میں لائے گئے تمام انبیاء علیہم السلام کو آپ کی معرفت عطا کی گئی اور آپؓ پر ایمان کی دولت عطا کی گئی عرش معلی پر بلایا گیا اور کلام بلا واسطہ اور دیدار خداوندی کی نعمتیں عطا کی گئیں تو پھر اسی بے مثال و یکتا عظیم ہستی کے علوم کا کیا حال ہوگا۔ جس طرح جناب سید الاولین والاخرین ﷺ کے جمالات وکمالات کی انتہا نہیں ہے اس طرح آپ کے علم کی بھی انتہا نہیں ہے اور حضور ﷺ تمام امور میں بس یکتا و بے مثال تھے اور حقیقت محمدیہؐ ہمارے فہم و ادراک سے وراء الوراء ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رقم طراز ہیں کہ تمہارا رسول تم پر گواہی دے گا کیونکہ وہ جانتے ہیں اپنے نبوت کے نور سے اپنے دین کے ہر ماننے والے کے رتبہ کو کہ میرے دین میں اس کا کیا درجہ ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور وہ کونسا پردہ ہے جس سے اسکی ترقی رکی ہوئی ہے پس وہ تمہارے گناہوں کو بھی پہچانتے ہیں تمہارے ایمان کے درجوں کو بھی۔ تمہارے نیک و بد سارے اعمال کو بھی اور تمہارے اخلاق و نفاق کو خوب پہچانتے ہیں (تفسیر فتح العزیز)

يَا نَفْسُ لَا تَقْنَطِي مِنْ زِلَّةٍ عَظُمَتْ
إِنَّ الْكَبَائِرَ فِي الْغُفْرَانِ كَاللَّمَمِ

اے میرے نفس تو گناہ کبیرہ کے سبب ناامید مت ہو کیونکہ رحمت وغفران کے ہوتے ہوئے گناہ کبیرہ وصغیرہ معاف ہو جاتے ہیں۔

یعنی اے میرے نفس تجھ سے جو کبیرہ گناہ سرزد ہو چکے ہیں ان کی وجہ سے رحمت حق تعالیٰ اور رحمت اللعالمین ؐ کی وجہ سے ناامید مت ہو کیونکہ جب دونوں کریم آقا موجود ہیں اور جب ان کا دریائے الطاف و کرم موج زن ہوتا ہے تو کبیرہ صغیرہ گناہ سب دھل جاتے ہیں۔ حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ جناب امام الانبیاء ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ہر آدمی خطا کار ہے (کوئی ایسا نہیں ہے جس کبھی کوئی خطا یا لغزش سرزد نہ ہو) اور خطا کاروں میں وہ بہت اچھے ہیں جو خطا وقصور کے بعد مخلصانہ توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جائیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو بندہ استغفار کو لازم پکڑ لے (یعنی اللہ تعالیٰ سے برابر اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے تنگی اور مشکل سے نکلنے اور رہائی پانے کا راستہ بنا دے گا اور اس کی ہر فکر اور ہر پریشانی کو دور کر کے کشادگی اور اطمینان عطا فرما دے گا اور اس کو ان طریقوں سے رزق دے گا جن کا اس کو وہم وگمان بھی نہ ہو گا۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے (تعلیم امت) کے لئے ارشاد فرمایا۔ خدا کی قسم میں دن میں ستر دفعہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ استغفار کرتا ہوں۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ جناب رحمت اللعالمین ﷺ فرماتے تھے جس شخص سے کوئی گناہ ہو جائے پھر وہ اٹھ کر وضو کرے پھر نماز پڑھے (صلوٰۃ توبہ) پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور معافی طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما ہی دیتا ہے اس کے بعد آپ نے قرآن مجید کی آیت تلاوت فرمائی:۔ وَالَّذِینَ اِذَا فَعَلُوا فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوا اَنْفُسَھُم ۔الایتہ۔ اور مسلمانوں کو ایک اور جگہ حکم خداوندی ہے ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جائ وک ۔الایتہ۔ تو لوگ در حبیب کبریاء ﷺ پر حاضری دیں اپنے گناہ کی بخشش کی استدعا کریں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ گناہ معاف فرمانے والے ہیں۔

ہم بھی اپنے تمام صغیرہ کبیرہ گناہوں کی صدق دل سے معافی مانگتے ہیں اے اللہ تو ہمارا رب ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو نے ہمیں پیدا کیا اور ہم تیرے بندے ہیں اور تیرے پیارے حبیب ﷺ کے امتی ہیں ان کے نام لیوا ہیں ہم تیری نعمتوں کا اقرار کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کا بھی اقرار کرتے ہیں اور ان گناہوں کے شر سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔ اے اللہ اے رحیم کریم مولیٰ اپنے حبیب مکرم ؐ کے صدقے ہمیں بخش دے اور ہمارے گناہ معاف فرما دے کہ تیرے علاوہ کوئی گناہوں کو نہیں بخش سکتا۔

استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ۔

لَعَلَّ رَحْمَۃَ رَبِّیْ حِیْنَ یَقْسِمُھَا
تَاْتِیْ عَلٰی حَسَبِ الْعِصْیَانِ فِی الْقِسَمِ

امید ہے میرا رب جب اپنی رحمت تقسیم فرمائے گا تو میرے گناہوں کے برابر حصہ رحمت میرے حصہ میں بھی آجائے گی۔

یعنی اللہ تعالیٰ جب گناہ گاروں پر اپنی رحمت تقسیم کرے گا تو اس رحمت سے مجھے بھی کچھ حصہ ضرور عطا ہو گا جو یقینا میرے گناہوں کے بوجھ سے زائد ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہ؄ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان رکھنا منجملہ بہترین عبادات کے ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن بھی عبادت میں داخل ہے قرآن مجید فرقان حمید میں ہے کہ: اے حبیب ؐ کہہ دے اے میرے بندو جنہوں نے زیادتی کی ہے اپنی جان پر وہ مت نا امید ہوں اللہ کی رحمت سے بے شک اللہ بخشتا ہے سب گناہ اور اللہ ہے ہی گناہ معاف کرنے والا مہربان (سورۃ زمر: ۵۳) اور پھر سورہ مومن میں ارشاد فرمایا جس کی تفصیل یوں ہے کہ ملائکہ مقربین اور وہ فرشتے جنہوں نے عرش الٰہی اٹھایا ہوا ہے اور جو فرشتے اس کے ارد گرد ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے دعا و استغفار کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار آپ کی رحمت عامہ ہر چیز کو شامل ہے سو ان لوگوں کو بخش دیجیے جنہوں نے توبہ کر لی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ جس نے تمام چیزوں کو گھیرے میں لے رکھا ہے جب قیامت کے دن گناہ گاروں پر رحمت تقسیم کی جائے گی تو یقینا ہم جیسے بد اعمالوں کے حصہ میں بھی آئے گی اور یقینا ہمارے گناہوں کی بوجھ سے زیادہ ہوگی کیونکہ مخلوق کے گناہوں کی ایک حد اور ایک وزن ہے مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت بے حد و بحساب ہے۔ جس کا شمار کسی لحاظ سے بھی ممکن نہیں ہے تو اس رحیم کریم مولیٰ سے قوی امید ہے کہ ہم جیسے روسیاہوں کے گناہ بھی بخش دیئے جائیں گے کیونکہ ہم بھی اس کی مخلوق ہیں اور وہ ہمارا رب ہے۔ اے گناہوں کے معاف فرمانے والے اے توبہ قبول کرنے والے ہماری توبہ قبول فرما اے انعام و احسان کرنے والے رب ہم پر انعام فرما ہمیں بھی بخش دے۔

یَا رَبِّ وَاجْعَلْ رَجَائِیْ غَیْرَ مُنْعَکِسٍ
لَدَیْکَ وَاجْعَلْ حِسَابِیْ غَیْرَ مُنْخَرِمٖ

اے میرے رب میری امیدیں پوری کر دے اور میرے گمان رحمت کو جو میرے دل میں تجھ

سے موجود ہے منقطع نہ فرما۔

یعنی اے اللہ اے میرے پروردگار میں نے تیری رحیم کریم ذات سے جو امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں وہ پوری فرما دے اور تو نے میرے لئے جو رحمت و مغفرت رکھی ہے اور میرے گمان کو جو میں نے تیری بیکراں رحمت کا دل میں سما رکھا ہے منقطع نہ فرما۔ اے اللہ ہماری دعاؤں کو اپنی بارگاہ عالی میں مقبول فرما تو ہماری دعاؤں اور التجاؤں کو رد نہ فرما۔ اے اللہ ہم تجھ سے تیرے اسمائے حسنہ کے وسیلہ سے دست سوال بڑھاتے ہیں جن کی توصیف تو نے اپنی کتاب میں فرمائی ہے اور کہا ہے کہ اچھے نام (اسماء حسنیٰ) صرف اللہ کے لئے ہیں اے بندو ان کے واسطے مجھے پکارا کرو۔ اے میرے اللہ تو نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا تو نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جب میرے بندے مجھ سے مانگتے ہیں تو اس وقت میں ان کے نزدیک ہوتا ہوں اور پکارنے والے کی دعا سنتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے لہٰذا بندوں کو چاہیے کہ وہ مجھ سے دعا کریں تاکہ میں اسے قبول کروں۔ اے میرے خدا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اے میرے پالنے والے میں تجھے پکارتا ہوں اے میرے سردار میں تجھ سے امید کرتا ہوں اے میرے مالک میں دعا کے قبول ہونے کی طمع رکھتا ہوں جیسا کہ تو نے وعدہ فرمایا ہے اے میرے کریم کارساز جس کا تو اہل ہے (جو تیرے شایان شان ہے) مجھ پر وہ کرم فرما۔ کیونکہ تو فضل کریم کا مالک اور سخی و کریم ہے اور اے میرے معبود! اگرچہ میں تیری رحمت کے لائق نہیں مگر تو بے شک اہل ہے کہ اپنے وسعتِ فضل سے مجھ پر کرم فرمائے۔ میرے معبود! دنیا میں تو نے میرے گناہوں پر پردہ ڈالا اور میں آخرت میں اپنے گناہوں کی پردہ پوشی کے لئے تیرا زیادہ محتاج ہوں۔

وَالْطُفْ بِعَبْدِكَ فِي الدَّارَيْنِ اِنَّ لَهٗ
صَبْراً مَّتٰى تَدْعُهُ الْاَ هْوَالُ يَنْهَزِمِ

اپنے بندے پر دونوں جہانوں میں لطف و احسان فرما کیونکہ اس کا صبر اتنا کمزور ہے کہ جب مصائب اور سختیاں آتی ہیں تو یہ بھاگ جاتا ہے۔

یعنی اے اللہ اپنے بندے پر دنیا و آخرت میں مہربانی اور لطف و احسان والا معاملہ فرما کیونکہ وہ نہایت ضعیف ہے اور اس کا صبر اتنا کمزور ہے کہ وہ شدائد و تکالیف کا مقابلہ کرنے کی سکت ہی نہیں رکھتا پس وہ ہر لحاظ سے قبل رحم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو بندہ کسی جانی یا مالی مصیبت میں مبتلا ہو اور وہ کسی سے اس کا اظہار نہ کرے اور نہ لوگوں سے شکوہ شکایت کرے تو اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے کہ وہ اس کو بخش دیں۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا بندہ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے اس کے ہر معاملہ اور ہر حال میں اس کے لئے خیر ہی خیر ہے اگر اس کو خوشی، راحت اور آرام پہنچے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لئے خیر ہی خیر ہے اور اگر اسے کوئی دکھ رنج پہنچتا ہے تو وہ (اس کو بھی اپنے حکیم و کریم رب کو فیصلہ سمجھتے ہوئے اور اس کی مشیت پر یقین کرتے ہوئے) اس پر صبر کرتا ہے تو یہ صبر بھی اس کے لئے سراسر خیر اور موجب برکت ہے۔ ہادی اعظم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص صبر کرنے کی کوشش کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو صبر بخشے گا اور صبر سے زیادہ بہتر اور بہت سی بھلائیوں کو سمیٹنے والی بخشش اور کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو بھی اس نعمت عظمیٰ سے سرفراز فرمائیں آمین یارب العالمین بجاہ رحمت اللعالمینؐ۔

وَأْذَنْ لِسُحْبِ صَلوٰةٍ مِّنْكَ دَائِمَةً
عَلَى النَّبِيِّ بِمُنْهَلٍّ وَّ مُنْسَجِمِ

اپنی رحمت دائمہ کے بادلوں کو حکم دے کہ وہ صلوۃ وسلام کی موسلا دھار بارشیں ہمیشہ ہمیشہ نبی ﷺ پر جاری رکھیں۔

یعنی اے ہمارے پروردگار اپنی رحمت خاصہ کے بادلوں کو حکم دے کہ وہ ہمیشہ اور تا قیامت ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد مصطفی ﷺ پر بہت زیادہ صلوۃ وسلام کی بارشیں نازل کرتے رہیں اس بیت میں بادل اور موسلا دھار بارش کے الفاظ مبالغہ اور کثرت کے لئے استعمال کئے گئے ہیں کیونکہ خود حق تعالیٰ شانہٗ قرآن مجید میں حکم فرماتے ہیں۔ "ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا یھا الذین اٰمنو صلو علیہ وسلمو تسلیماً"۔ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں پیغمبر ﷺ پر اے ایمان والو تم بھی رحمت اور خوب سلام بھیجا کرو۔ (پ ۲۲) اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعزاز صرف اور صرف جناب سید الکونین فخر عالم ﷺ ہی کو عطا فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے درود شریف کی نسبت اولاً اپنی طرف اور بعد میں فرشتوں کی طرف کی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اور فرشتے ہمیشہ درود بھیجتے رہتے ہیں اور اے مسلمانوں تم بھی درود شریف پڑھا کرو۔ علامہ سخاویؒ کہتے ہیں کہ آیت شریفہ مضارع کے صیغہ کے ساتھ جو دلالت کرنے والا ہے استمرار اور دوام پر دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ اللہ اور اس کے فرشتے ہمیشہ درود بھیجتے رہتے ہیں نبی کریم ﷺ پر۔ حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ بہت ہی ہشاش بشاش تشریف لائے۔ چہرہ انور پر بشاشت کے اثرات تھے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! آپ کے چہرہ انور پر آج بہت ہی بشاشت ظاہر ہو رہی ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: صحیح ہے میرے پاس میرے رب کا پیام آیا ہے جس میں اللہ جل شانہٗ نے یوں فرمایا

ہے کہ تیری امت میں سے جو شخص ایک دفعہ درود بھیجے گا اللہ جل شانہٗ اس کے لئے دس نیکیاں لکھیں گے اور دس گناہ مٹائیں گے اور اس کے دس درجے بلند کریں گے۔

وَ الْاٰلِ وَ الصَّحْبِ ثُمَّ التَّابِعِیْنَ لَهُمْ
اَهْلِ التُّقٰی وَ النُّقٰی وَ الْحِلْمِ وَ الْكَرَمِ

اور حضور ﷺ کی آل پر اور اصحاب کرام پر اور تابعین عظام پر رحمت فرما جو صاحبان تقویٰ اور برگزیدہ اور اوصاف حلم اور شرافت والے ہیں۔

یعنی اے اللہ تو اپنی رحمت واسع حضور ﷺ کے اہل بیتؑ، صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ پر بھی نازل فرما جو صاحبان تقویٰ ہیں ہدایت کے نور ہیں اور اوصاف حلم اور شرافت سے متصف ہیں۔ اکابرین ملت اسلامیہ کا یہ معمول رہا ہے کہ اپنی تصنیفات کے خطبہ ابتدائیہ میں بھی درود و سلام پیش کرتے ہیں اور اختتام بھی درود و سلام اور حضور ﷺ کے اہل بیت عظام علیہم السلام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان پر دعائے رحمت وغیرہ سے کرتے ہیں اور علماء نے اس کے استحباب پر اتفاق نقل کیا ہے کہ دعا کی ابتداء اللہ تعالیٰ شانہٗ کی حمد و ثنا پھر حضور اقدس ﷺ پر درود سے ہونی چاہیے اور درود شریف کے بغیر دعائیں رکی رہتی ہیں اور جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد مبارک نقل کیا گیا ہے کہ تمہارا مجھ پر درود پڑھنا تمہاری دعاؤں کی حفاظت کرنے والا ہے۔ اور ایک پسندیدہ امر کے طور پر درود شریف کے ساتھ اہل بیت نبویؐ اور اصحاب کرامؓ اور دیگر برگزیدہ ہستیوں پر دعائے رحمت بھی کی جاتی ہے اور یہ بھی دراصل میں حضور ساقی کوثر ﷺ کے ساتھ محبت اور عقیدت کا اظہار ہے۔

مَا رَنَّحَتْ عَذَبَاتِ الْبَانِ رِيْحُ صَبَا
وَاَطْرَبَ الْعِيْسَ حَادِي الْعِيْسِ بِالنَّغَمِ

تیری رحمتیں نازل ہوتی رہیں جب تک بادِ صبا درخت بان کی شاخوں کو ہلاتی رہے اور جب تک شترخوان اپنے نغموں سے اونٹوں کو مست کرتا رہے۔

یعنی اے رب ذوالجلال والاکرام اے زندہ اور قائم رہنے والے رب تیری رحمتیں تیرے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفی احمد مجتبیٰ سرورِ کون و مکان ﷺ پر ہمیشہ ہمیشہ نازل ہوتی رہیں جب تک باد صبا چلتی رہی جب تک کارخانہ قدرت قائم رہے۔ یا اللہ آپ ہیں زمینوں کے پھیلانے والے آسمانوں کو پیدا کرنے والے بنیادوں کی بنیادیں قائم کرنے والے۔ اے دلوں کو ان کی فطرت پر ڈھالنے والے۔ آپ اپنی عمدہ ترین

رحمتیں اور بڑھتی ہوئی برکتیں اور اپنی انتہائی شفقتیں نازل فرمائیے۔ اپنے خاص بندے اور رسول ﷺ پر جو خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کے ذریعے دلوں کو ہدایت نصیب ہوئی۔ پس جب حضور ﷺ آپ کے لائق اعتماد اور امین ہیں اور آپ کے مخزون علم کے خازن ہیں اور روز قیامت آپ کے مقرر کردہ گواہ ہیں آپ کو وسیع جگہ عطا فرمائیے آپ کو اپنے فضل سے کئی گنا جزائے خیر عطا فرمائیے اور اپنی بلند پایہ عطائیں بار بار نازل فرمائیے۔ یا اللہ درود وسلام نازل فرمائیے ہمارے آقا حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ پر جو رسولوں کے سردار ہیں اہل تقویٰ کے امام ہیں دین اسلام کے داعی ہیں روشن چراغ ہیں اور رحمتیں نازل فرمائیے آپؐ کی آلؑ پر۔ آپ کی اولاد پر آپ کی ذریت پر آپ کے اصحابؓ پر اور آپ سے محبت رکھنے والوں پر اور ان کے ساتھ ہم پر بھی۔ اے رب العالمین اے ارحم الراحمین۔ آمین بحق رحمت اللعالمین۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً أَبَداً ... عَلَىٰ حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

بندہ عاجز و بے نوا

سید مہر حسین عفی عنہ

بدھ ۳۱/ جنوری ۲۰۰۱ء۔ ۵/ زی قعدہ ۱۴۲۱ھ